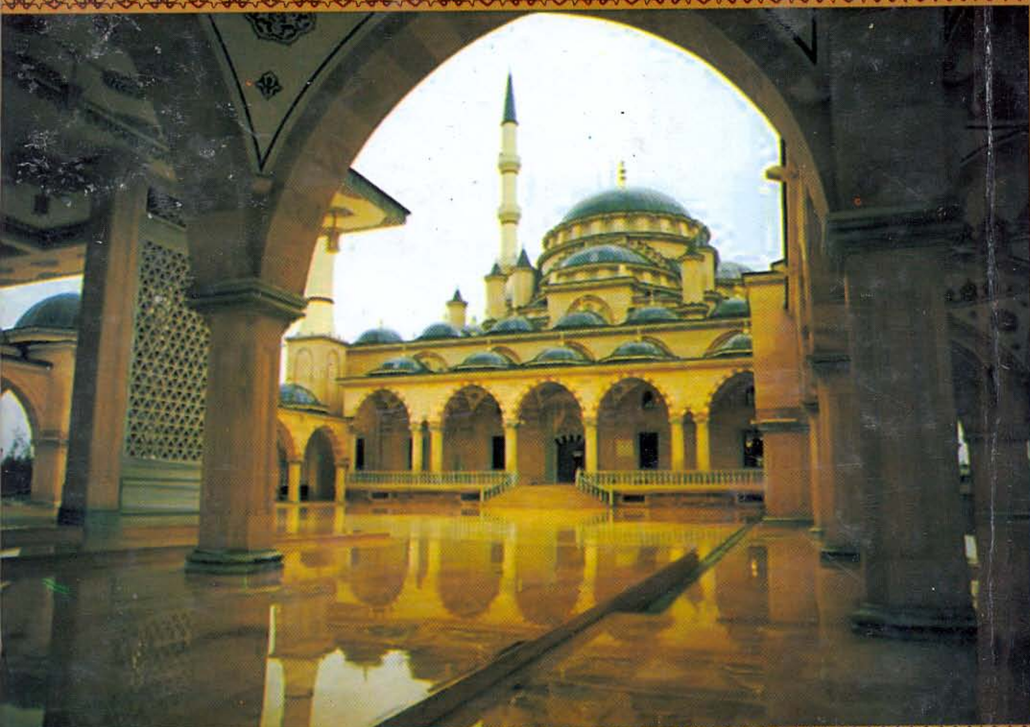
روحانیت اور شعور زندگی



قمر اقبال صوفی (ہالینڈ)

روحانیت

اور

شعورِ زندگی

قمر اقبال صوفی

حق پبلی کیشنز

2-A سید پلازہ، چیٹر جی روڈ اُردو بازار لاہور

فون:042-37220631-33



یا اللہ تیرا شکر ہے

"رحمتیں، برکتیں، وسعتیں"

ناشر: عدیل حق، محمد اجمل

2012

پروڈکشن مینیجر : شہباز احمد شہباز

مارکیٹنگ : شہباز احمد شہباز 03017993805

لیگل ایڈوائزر : عامر وہاب اعوان (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

مطبع : R.R پرنٹرز

کمپوزنگ : انس کمپوزنگ، لاہور

انتساب

قوم کے ان نوجوانوں کے نام
جن میں قوم کی تقدیر بدلنے کا
عزم اور حوصلہ ہے



یااللہ تیرا شکر ہے

"رحمتیں، برکتیں، وسعتیں"

ناشر: عدیل حق، محمد اجمل

جملہ حقوق محفوظ ہیں

2012

مارکیٹنگ : 03017993805

لیگل ایڈوائزر : عامر وہاب اعوان (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

مطبع : R.R پرنٹرز

کمپوزنگ : کمپوزنگ، لاہور

قیمت : -/200

عدیل حق 03009422434

فہرست

روحانیت اور شعور زندگی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

2011 میں میری پہلی کتاب ''روحانیت، دانش اور حقیقتیں'' چھپنے کے بعد مجھے اندرون اور بیرون ملک سے لوگوں کے بے شمار پیغامات اور خطوط ملے۔ جن میں کتاب کے بارے میں بڑی دلچسپی اور پسندیدگی کا اظہار کیا گیا تھا۔ پھر بہت سے لوگ ملنے آئے جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ ان سب نے مجھے بعض چیزوں کی تفصیل پوچھی، بعض نے نئے موضاعات کے بارے استفسار کیا جن کا فرداً فرداً جواب دینا میرے لیے ناممکن تھا چنانچہ انہوں نے دوسری کتاب لکھنے پر اصرار کیا لوگوں کے اسی شوق اور ضرورت کو محسوس کر کے میں یہ دوسری کتاب لکھ رہا ہوں۔ اس کتاب کے بارے میں بتانے کے لیے میرا اپنا کچھ تعارف کروانا ضروری ہے

میری اپنی کہانی مختصراً اس طرح ہے کہ میری عمر کا بڑا عرصہ یورپ میں گزر چکا ہے میں 1977ء سے ایمسٹرڈیم ہالینڈ میں مقیم ہوں۔ ہر وقت کسی نا کسی شغل میں مصروف رہنا طبیعت کا حصہ رہا ہے۔ جس کام میں بھی پڑوں دن رات لگا رہتا ہوں ہالینڈ میں باکسنگ اور مارشل آرٹس میں بڑا عرصہ لگا رہا۔

مخفی علوم میں بھی دلچسپی رکھتا تھا۔ 1980 میں پامسٹری سے لگاؤ شروع ہوا جو بڑھتے بڑھتے جنون میں تبدیل ہو گیا۔ 1986 سے میں نے یہ کام (پامسٹری) پروفیشنلی شروع کر دیا اسکا مالی فائدہ تو اپنی جگہ پر تھا ہی مگر اسی بہانے مجھے ہالینڈ میں روحانیت میں دلچسپی رکھنے والے بہت سے لوگوں سے ملنے کا موقع ملا جن میں ہر قوم و نسل کے روحانیت کے مختلف شعبوں کے شائقین و ماہرین ہوتے تھے اور کچھ ان کاموں میں خاصی مہارت رکھتے تھے

اگلے پانچ سال میں مجھے بہت سے پامسٹ روحانی نالج (Healing) ریکی، تاش کے پتوں سے قسمت دیکھنے والے Clairuayouat مستقبل شناس، چائے یا کافی کی پیالی میں قسمت دینے والے پنڈولم سے چیزیں معلوم کرنے والے، روحیں بلانے والے، پامسٹ آسٹرلوجر، ہپناٹزم کے ماہر، جادو اور افریقین ووڈو کے ماہرین، دور کے اور غیب کے حالات بتانے والے بے شمار قسم کے لوگوں سے واسطہ رہا۔ خود مجھے ان چیزوں کا جنون کی حد تک شوق تھا میں نے ان میں سے جس کو بھی قابل پایا اس سے کچھ نہ کچھ سیکھتا رہا۔

1987 سے روحانی علاج (Magnetic Healing) جو کہ جاپانی طریقہ علاج ریکی سے ملتا جلتا ہے میں مہارت حاصل ہو گئی جب کہ پامسٹری اور ٹیرٹ کارڈ میں 1991 کے بعد سے اچھی طرح ماہر ہو گیا تھا اسکے علاوہ، رمل، جفر چائے یا کافی کی پیالی میں قسمت دیکھنا روحوں کو بلانا ہپناٹزم وغیرہ بھی سیکھ لیا۔

اسی دوران مختلف مذاہب (تقریباً سب اہم مذہبوں کی) روحانیت سے واسطہ رہا ان کی کتابیں پڑھیں انکے ماہروں سے ملاقاتیں اور تبادلہ خیالات و تجربات ہوتے رہے اس دوران ہالینڈ ٹی وی پر بھی کئی بار آنے کا اتفاق ہوا۔ اسلام کی روحانیت میں میری دلچسپی 1992 کے بعد شروع ہوئی اس میں بہت سی روحانی شخصیات سے ملا پاکستان میں جہاں جہاں بھی کسی بڑی روحانی شخصیت کا پتا چلا وہاں ملنے پہنچ گیا اس میں پہلی بیعت کیپٹن واحد بخش سیال صاحب بہاولپور سے کی پھر دوسرا سبق عبد الرحمان بن عبد اللہ صاحب (کراچی وملتان) سے لیا پھر بے شمار روحانی ہستیوں سے ملا پھر میرا سلسلہ اویسی (ڈائریکٹ مدد) ہوتا چلا گیا۔ اسی دوران فلسفی، سائیکالوجی، سیاست، معاشیات، تاریخ، بیالوجی، اسلامی روحانیت اور شریعت کی بے شمار کتابوں کو پڑھا سب بڑھے بڑھے مذاہب کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ ان کے بہت سے عالموں اور ماہرین سے بھی ملاقات ہوتی رہی۔

اس ریسرچ کی وجہ انسان میں پوشیدہ ذہنی اور روحانی صلاحیتوں کا پتہ چلانا انہیں خود استعمال کرنا اور دوسروں کو اس کا استعمال سکھانے کا جذبہ تھا۔ میرے اپنے خیال میں مجھے اس سے بفضلِ خدا خاصی کامیابی حاصل ہوئی۔

1991 سے مجھے عجیب عجیب روحانی تجربات سے واسطہ پڑتا رہا یہ سلسلہ اب تک جاری ہے مثلاً 1994 میں مجھے معلوم ہوا کہ جو بھی بات زور سے منہ سے نکالتا ہوں پوری ہو جاتی ہے پھر یہ صلاحیت خود بخود آس پاس موجود دوستوں میں بھی سرائیت کرنے لگ پڑی۔ پھر یہ سب کے سب دوست دنیاوی طور پر بہت ترقی کرنے لگ پڑے۔

سچے خواب بھی کافی عرصے سے آرہے تھے۔ یہ بھی پاس موجود سب لوگوں میں ٹرانسفر ہونے لگ پڑے پھر سردی یا گرمی کا احساس ختم ہو گیا بھوک کا مسئلہ بھی اسی طرح رہا تھا کہ پوری طرح صحت مند تھا مگر بھوک بالکل ختم ہو گئی تھی۔

1999 میں کبھی کبھار ایسی کیفیت طاری ہونے لگ پڑی کہ میں ٹی وی پر موجود لوگوں پر بھی اثر انداز ہونے لگ پڑا مثلاً اگر دو باکسر لائف پروگرام میں مقابلہ میں مصروف ہیں تو میں یقینی طور پر کمزور باکسر کو جتوا لیا کرتا تھا۔ چاہے وہ بالکل ہی اناڑی کیوں نا ہو اور اسکا مدمقابل چاہے کتنا ہی ماہر اور طاقتور کیوں نہ ہو۔

اسی طرح کبھی کبھی مخصوص سی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس میں جو بھی دعا کروں ضرور قبول ہوتی ہے۔ اپنے ساتھ ہونیوالے اہم واقعات معلوم ہو جاتے ہیں۔ یا خواب میں نظر آجاتے ہیں اور آس پاس لوگوں کے بھی (گو چند ایک واقعات ایسے بھی ہوئے جو پہلے معلوم نہ ہو سکے۔) پھر اسی طرح کے بے شمار تجربات سے واسطہ پڑا اور پڑتا رہتا ہے۔ اس میں کچھ ایسے تجربات بھی شامل ہیں جو مجھے کہیں کسی بھی کتاب میں پڑھنے یا سننے کا اتفاق نہیں ہوا۔

روحانی علاج میں 80٪ سے زیادہ لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے اس میں تقریباً ہر قسم کی لاعلاج بیماریاں مثلاً (کینسر ٹیومر وغیرہ) بھی شامل ہیں 1996 سے میں روحانی علاج بہت سے لوگوں کا اکٹھا روحانی علاج (Group Heeling) بھی کیا کرتا تھا اور اس وقت موجود سب بیمار اس انرجی کو واضح محسوس کیا کرتے تھے۔ حالانکہ دور جدید میں دنیا بھر میں کچھ لوگ گروپ ہیلنگ میں مصروف رہے ہیں مگر ان کی یہ انرجی گروپ میں مصروف لوگ شاید ہی محسوس کر سکتے ہوں۔ بہر حال میرے گروپ میں شامل کافی لوگ ٹھیک ہو جایا کرتے ہیں۔

پھر یہ بھی ہونے لگ پڑا کے میری طرف آنے والے کچھ لوگ راستے میں خود بخود بھی

ٹھیک ہو گئے اسطرح کچھ بیمار مجھے ملنے آئے انہیں یہ علم نہیں تھا کہ میں بیماریوں کا علاج کرتا ہوں مگر جب وہ رخصت ہو گئے تو کئی لوگ شفایاب ہو چکے تھے شفایاب ہونے والوں کی بڑی تعداد پھر کبھی اس بیماری میں مبتلا نہیں ہوتی تھی۔

میں پیشے کے حساب سے کاروباری ہوں۔میری ایمسٹرڈیم کے مین بازار NIEWENDIJK میں دکانیں ہیں۔یہ کتاب لکھنے کا مقصد پیسہ یا شہرت نہیں۔ بلکہ لوگوں کو کامیابی خوشی اور سکون کی طرف رہنمائی کرنے کا جذبہ ہے۔ انہیں روحانیت اور زندگی کی سمجھ دینے کا عزم ہے۔

اس کتاب میں میرے روحانی تجربات کا ذکر شامل نہیں ہے کہ یہ اس کتاب کے مقصد سے باہر کی چیز ہے۔(کچھ روحانی تجربات کا ذکر میں اپنی پہلی کتاب میں کر چکا ہوں) گو اسمیں عملی روحانیت کے سفر میں شامل لوگوں کے لئے ہر طرح کی معلومات اور رہنمائی شامل ہے جو انہیں مدد بھی دے گی اور بھٹکنے سے بھی بچائے گی۔ پھر اس کتاب میں بیان شدہ تمام باتیں اور اصول میرے بار بار کے آزمائے ہوئے اور تجربہ شدہ ہیں۔

اس کتاب میں آپ کو انشائیت کی کمی محسوس ہو سکتی ہے اسمیں مقررانہ جاہ وجلال بھی شاید نہیں ہو گا لفظوں کی جادوگری بھی نہیں ملے گی کہ ان چیزوں کو آپ مولانا ابو الکلام آزاد، نسیم حجازی یا اندر سبھا میں پڑھ سکتے ہیں یہ تو زندگی کے شعور اور حقیقتوں کی کتاب ہے۔ یہ عملی روحانیت اور گہرائی کی کتاب ہے۔

قمر اقبال صوفی معرفت کرنل (ر) چوہدری محمد اقبال

مکان نمبر 212/213، ایم سی بی محلہ سر پاک چکوال (پاکستان)

HARING PARKKERS STEEG-9

1012 LR AMSTERDAM- HOLAND

قمر اقبال صوفی

علم وشعور

اُس قوم کو کوئی فتح نہیں کر سکتا جس میں علم حاصل کرنے کا شوق ہو

علم ہی بتاتا ہے کہ مسائل کیا ہیں اور علم ہی انکا حل بتاتا ہے.سائنس،ٹیکنالوجی، بزنس سیاست، بینکنگ، قانون، کمپیوٹر سائنس، میڈیسن، سائیکالوجی، بائیالوجی، سب علم ہی ہیں۔

اندرونی علم کی اہمیت بھی اپنی جگہ پر ہے مگر مسائل کا حل بہر حال بیرونی علوم ہی دیتے ہیں جیسے کمپیوٹر وغیرہ.اندرونی علوم (جنکی اہم ترین شاخ مذہب ہے) اخلاقیات اور الٰہیات بنیادی سچائیوں پر شروع سے ہی پہنچ چکے ہیں جبکہ بیرونی علم سائنس بے حد وشمار تجربات کے بعد انہی نتائج پر پہنچ رہی ہے سائنس میں کوئی حتمی سچائی نہیں مانی جاتی جبکہ مذہب والٰہیات میں حتمی سچائیاں پہلے ہی بتائی جا چکی ہیں.

علم کا نچوڑ شعور ہوتا ہے شعور ہی وہ چیز ہے جو یہ بتاتی ہے کہ حاصل کئے گئے علم کا کونسا حصہ اہم ہے اور اسکی اہمیت اور استعمال کیا ہے. پھر سائنسی شعور، کاروباری شعور سیاسی شعور، نفسیاتی شعور اسکی علیحدہ علیحدہ قسمیں ہیں.انسان کو شعور مل جائے تو پھر دوسرے سب شعور اسے بڑی جلدی حاصل ہو جاتے ہیں، جو قومیں سائنس اور بیرونی علوم میں آگے ہیں آجکل وہی دنیا پر حکومت کر رہی ہیں جو ان میں پیچھے ہیں وہ ہر کام میں پہلی قوموں کی دست نگر ہیں۔

تیسری دنیا کے زرعی ملکوں کے لیے نئے بیج، مہنگے داموں بیچ کر پھر انہی بیجوں کی بیماریاں بھی ترقی یافتہ ملکوں کی لیبارٹریز میں تیار کر کے پہلے بھیجی جاتی ہیں. پھر اسکا مہنگا علاج بھی بیچا جاتا ہے .بلکہ انہیں ان بیجوں کی ایسی کھادیں بیچی جاتی ہیں کہ کچھ عرصہ کے استعمال کے بعد انہی کمپنیوں اور ممالک سے حاصل شدہ بیج ہی اس زمین پر کاشت ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح سیکنڈ ہینڈ اسلحہ کی مارکیٹ بھی سائنسی طور پر پسماندہ ملک ہی بنتے ہیں.اسی طرح سامراجی ملک کم علم ملکوں کو قانونی اور کاغذی چکروں میں (IMF، UNO اور ورلڈ بینک وغیرہ) میں

پھنسا لیتے ہیں.علم ہی بتاتا ہے کہ CTBT پر اندھا دھند سائن کرنے کا مطلب اونٹ کو اپنے خیمے میں سر ڈھکنے کی اجازت دینا ہے۔علم ہی آپ کو غلط مشوروں، غلط عقیدوں اور ماڈرن طرز زندگی کے غلط پہلوؤں سے بچا سکتا ہے۔اس کے بغیر آپ بھٹکنے سے نہیں بچ سکتے خود پر کنٹرول کرنا اور ضبط نفس جو کہ ہر دنیاوی اور روحانی کامیابی کے لیے اشد ضروری ہے۔علم ہی اس کی رہنمائی کرتا ہے۔

ہمارے سب مسائل کا علاج تعلیم میں ہی ہے

دورِ غلامی میں ہمارے ملاؤں نے ہمیں مغرب کی ہر چیز بشمول سائنس وٹیکنالوجی سے نفرت کا سبق دیا اور ہم نے اس سبق پر عمل بھی ''اچھی طرح'' کیا اسی وجہ سے مسلمان ہر چیز میں دوسری قوموں سے پیچھے رہ گئے ہیں۔کیا یہ ایک مضائقہ خیز بات نہیں کہ 1911 میں اس وقت انگریز حکومت کے سروے کے مطابق برصغیر کے 97% لوگ پڑھے لکھے تھے۔جسکی وجہ سے مغل حکومت کا پرانا نظام تعلیم تھا۔جسکے مطابق ہر شخص کو فارسی کی تعلیم مسلمان کو قرآن پاک پڑھنا اور ہندوؤں کو ویدیں پڑھنا سکھایا جاتا تھا اس وقت اتنی ہی تعلیم کافی ہوتی تھی۔آج کل پاکستان میں اس معیار کے کوئی تیس فیصد لوگ موجود ہیں۔

مغرب تعلیم پر کتنی توجہ اور خرچہ کر رہا ہے۔مثال کے لئے اتنا عرض ہے کہ صرف ہاورڈ یونیورسٹی (امریکہ) کا سال کا بجٹ ہی 2.06 ارب ڈالر ہے جو ہماری پاکستان حکومت کے کل بجٹ کا چوتھائی حصہ بنتا ہے۔ہمیں اپنے تعلیمی نظام میں بھی تبدیلی کرنی ہوگی ہمارے انگلش سکولوں کا سلیبس تو آکسفورڈ کی طرح ہی ہے مگر ہمارے امتحانوں کا طریقہ کار صحیح نہیں ہے۔ ہمارے ممتحن جس طریقے سے نمبر دیتے ہیں وہ بوسیدہ طریقہ کار ہے اور ہمارے طالبعلموں کو اسی طریقہ کار کے مطابق تیاری کرنی پڑھتی ہے۔ہمیں اس میں طالبعلموں کے حافظے کا امتحان لینے کے بجائے ان میں مشکلات حل کرنے کی صلاحیت تخلیقی اہلیت (creativity) اور خود اعتمادی پر خصوصاً زور دینے کی ضرورت ہے۔ورنہ ہماری تعلیمی ڈگریوں کی اہمیت کبھی نہیں بن پائے گی۔ہمیں اپنے تعلیمی نظام کو قرآنی اصولوں پر رکھنا چاہیے پھر عمدہ اور مضبوط اخلاق پر شروع تعلیم سے ہی توجہ دینی چاہیے۔

ہمارے تعلیمی منصوبہ بندی کرنے والے بھی بے مقصد تعلیمی پالیسی بناتے رہتے

ہیں۔اس میں بھی بہتری کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

مغرب کی سب سے بڑی غلطی انکی مذہب واخلاقیات سے دوری ہے غلط بنیادوں پر بنی عمارت زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتی وہاں بڑی مدت سے رہتے ہوئے میں ان میں پڑی ہوئی دراڑیں دیکھ چکا ہوں اور ان دراڑوں کو بڑھنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔فلاسفر سقراط یہ کہتا ہے کہ علم ہی نیکی ہے کہ اگر انسان کو علم ہو جائے کہ کوئی کام نیک ہے تو پھر وہ اس کرنے سے نہیں چوکتا نیکی کا علم نیکی کی راہ پر چلا کر ہی رہتا ہے۔یعنی علم نیکی ہے اور گناہ گار جہالت کی وجہ سے ہی گناہ کرتا ہے۔

عام لوگوں کا نیکی کے بارے میں ہی یہی علم ہونا کافی ہے کہ نیکی سے خوشی ملتی ہے۔

بائبل میں لکھا ہے کہ خدا کا خوف ہی عقل کی بنیاد ہے۔اسلام کا یہ پیغام ہے کہ ہر علم جو انسان کو اللہ کے قریب لائے۔صحیح ہے،اور ہر وہ علم جو بندے کو اللہ سے دور کرے غلط ہے۔

قرآن پاک میں لکھا ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک بڑا وہ ہے جس میں زیادہ تقوی (اللہ پر بھروسہ اور اس کا ڈر) ہے۔(الحجرات 13) یہاں ایک وضاحت کرتا چلوں کہ ڈر تو کسی ظالم و جابر سے ہوتا ہے۔اللہ تو رحیم و کریم ہے۔ہمیں اردو میں احترام اور ڈر کے درمیان بھی کوئی لفظ ڈھونڈنے چاہئیں)۔

کنفیوشش سے بادشاہ وقت نے رائے مانگی کہ آپ بتائیں کے ہم اپنے ملک میں کیسے پلاننگ کریں کنفیوشش نے کہا کہ اگر چند سال کی پلاننگ کرنی ہے تو قلعے تعمیر کریں اور اسلحہ بنائیں،اگر سو سال کی پلاننگ کرنی ہے تو کھیتوں کی حالت بہتر بنائیں۔اور اگر ہزار سال کی پلاننگ کرنی ہے تو لوگوں میں علم کی دولت عام کریں۔

یورپ کی ایک کہاوت ہے کہ اگر آپ نے بھوکی عورت کو ایک مچھلی دی تو آپ نے اسکی ایک دن کی مشکل حل کر دی اور اگر آپ نے اسے مچھلی پکڑنا سکھا دیا تو آپ نے اسکی ساری عمر کی مشکل حل کر دی۔یہی کسی کی مدد کرنے کا دانشمندانہ طریقہ ہوتا ہے۔پاکستان میں اکثریت اپنے بچوں کیلئے وراثت میں زیادہ سے زیادہ دولت چھوڑ کر جانے کی فکر میں ہیں حالانکہ اگر وہ بے وقوف نکلے تو اس دولت کو ایک دو برس میں ہی ختم کر دیں گے۔اور سیانے نکلے تو سب کچھ (مال، دولت، عزت) خود ہی بنا لیں گے اس لئے انہیں علم سکھائیں، محنت کی عادت ڈالیں

پیسے کمانے کی اہلیت ہی پیسوں کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ اہم ہوتی ہے۔

علم پیسے کو خود ہی کھینچ لیتا ہے علم ضائع نہیں ہوا کرتا دماغ وتجربہ انسان کے ساتھ ہی رہتا ہے ۔اسے کوئی چوری نہیں کرسکتا علم ہی آپ کو خوش رکھ سکتا ہے۔جاہل آج تو خوش ہو سکتا ہے۔مگر آنے والے کل کی تیاری اور سمجھ نہ ہونے کی وجہ سے کل وہ مشکلات میں پھنسا ہوا ہوگا۔اسی طرح مثبت سوچ کا علم رکھنا بھی بہت ضروری ہے۔مثبت سوچ تو اب سائنس بن چکی ہے۔(دراصل یہ شروع ہی سے سائنس ہی تھی ۔مگر ہمارے ملاّ کے مذہب میں نظریہ جبر (تقدیر پرستی) نے لوگوں کو اسے ماننے سے روکا ہوا تھا۔

میرا مسخرہ دوست قلندر یہ کہہ رہا ہے کہ سیکھنے میں سب سے پہلے یہ سیکھے کہ کیا سیکھنا ہے اور کیا نہیں سیکھنا ہے ۔یعنی اپنی زندگی کے مقصد سے متعلقہ چیزیں سیکھنا ہی اکثر لوگوں کے لئے اہم ہوتا ہے۔ ورنہ علوم وہنر تو لامحدود ہیں۔ اکثر ہم اپنا زیادہ تر وقت فضول چیزیں سیکھنے میں ہی ضائع کرتے ہیں۔ بلکہ ہمارے دانشوروں کی خاصی تعداد تک یہی کچھ کرتی رہتی ہے بلکہ آج ہی بیٹھ کر یہ فیصلہ کریں کہ آپ کی روز مرہ مصروفیت میں زیادہ کارآمد اور فائدہ مند حصہ کون سا ہے اور کونسا کم اور غیر پیداواری ہے۔غیر پیداواری حصہ کو چھوڑ دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔

اور رہا یہ سوال کہ وہ کونسا علم ہے؟

تو ہم مسلمانوں کے لئے کامیابی اور خوشی سے اس دنیا میں وقت گزارتے ہوئے اگلی دنیا کی بھی تیاری کرنا ہی کامیابی ہے ۔اور سب لوگوں کے لئے اپنی پروفیشن (ذرائع روزگار) کا زیادہ سے زیادہ علم ہونا پھر اس کے بعد اپنے آس پاس کے لوگوں (دوستوں اور عزیزوں) کے ساتھ صحیح تعلقات رکھنے کا علم رکھنا ہی کافی ہے (کہ ہم اکیلے کبھی خوش نہیں رہ سکتے) اتنا علم انسان کو خوش رکھنے کے لئے بہت ضروری ہے اور اس میں ہم سب کو کچھ نہ کچھ مہارت ہونی چاہیئے۔

مگر ہمارے پروفیسروں،دانشوروں اور تھنک ٹینکس کے لئے ضروری ہے کہ موجودہ جدید دنیا کے اہم ترین علوم (ورلڈ پولیٹکس،اکانومی،اخلاقیات اور سائنس اور ٹیکنالوجی) پر ایک نظر ضرور رکھیں۔ گو ان کی زیادہ مہارت بھی اپنے مخصوص علم میں ہی ہونی چاہیئے۔

☆☆☆☆☆

زندگی آسان یا مشکل؟

جو کچھ بھی آپ سوچتے ہیں۔وہ آہستہ آہستہ آپ کی خود کار سوچ کا حصہ بن جاتا ہے۔اگر آپ خود کو اہم نہیں سمجھیں گے تو دوسرا بھی آپ کو کوئی اہمیت نہیں دے گا۔

ہر شخص کو اسکی اہمیت (Self Worth) اور اپنے احترام (Self Respect) کا صحیح سبق سیکھنا چاہیے۔گو ہمارے کلچر میں ہمیں علامہ صاحب کے شعر کی صحیح نہیں غلط تشریح سکھائی گئی ہے۔

''کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے''

ویسے بھی یہ سبق روحانیت کے لئے تو صحیح ہے عام زندگی کے لئے نہیں اس شعر میں انا پسندی کو چھوڑنے کا بتایا گیا ہے۔

آپ خود کو خوش قسمت مانتے ہیں تو آپ دن بدن خوش قسمت ہی ہوتے چلے جائیں گے اور پھر عجیب بات یہ ہوگی کہ آپ اپنی طرح کے دوسرے (خود کو خوش قسمت ماننے والے کامیاب لوگ) لوگوں میں گھرتے چلے جائیں گے۔اور دوست واحباب کا یہ حلقہ آپکو مزید لکی اور کامیاب بنا دے گا۔

خود کو بد قسمت ماننے والے آہستہ آہستہ غیر محسوس طور پر بد قسمت قسم کے لوگوں میں گھرتے چلے جاتے ہیں اور پھر انکا اسی حلقے سے نکلنا دشوار ہوجاتا ہے اور وہ مزید بد قسمت بنتے چلے جاتے ہیں۔اس لئے کہتے ہیں ہر آدمی اپنی قسم کے انسانوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے خوش قسمت خوش قسمت کو اور بد قسمت بد قسمت کو دراصل لوگ اپنی قسم اور ایک جیسے خیالات رکھنے والوں میں خود کو کمفر ٹیبل محسوس کرتے ہیں اور ایسے ہی لوگ اپنے آس پاس جمع کر لیتے ہیں ایسے لوگوں کے ساتھ ان کا بحث ومباحثہ اور اختلاف رائے بھی کم ہوا کرتے ہیں اختلاف رائے رکھنے والوں کے ساتھ گزارا خاصا مشکل ہوتا ہے۔

اگر آپ خوش رہتے ہیں تو آپ خوش رہنے والوں کو اپنی طرف اٹریکٹ کریں گے اور

اداس رہنے والے اداس رہنے والوں کو۔

مشکل اور آسان بھی انسان بڑی حد تک خود ہی بناتا ہے اگر آپ کسی کام کو مشکل سمجھتے ہیں تو وہ کام آپ کے لئے مشکل ہو جائیگا جیسے کچھ طالب علم اگر اپنے امتحان کو مشکل سمجھتے ہیں تو انہیں خود ہی متعلقہ چیز کو یاد کرنے میں مشکل پیش آئیگی پھر وہ لاشعوری طور پر امتحان سے چند دن پہلے ایسے مضمون یاد نہیں کرینگے جو امتحان میں آنے ہیں بلکہ ایسے مضامین یاد کرتے رہیں گے جو امتحان میں نہیں آنے ہیں اور اتفاق سے اگر انہوں نے وہ مضامین بھی یاد کر لیے جو امتحان میں آنے ہیں تو وہ اس مضمون کو مشکل سمجھنے کی وجہ سے انہیں گزشتہ دن یاد کئے ہوئے مضمون بھی بھول جائیں گے اور امتحان میں الجھ کر ناکام ہو جائیں گے۔اسی طرح امتحان کو آسان سمجھنے والے طالب علم لاشعوی طور پر ایسے مضامین یاد کر لیں گے جو آنے ہیں اور اگر کوئی سوال انہوں نے اگر بہت پہلے تیار کیا ہے تو وہ بھی یاد آجائیگا اسکا مطلب یہ نہیں کے طالب علموں کو محنت نہیں کرنی چاہئے۔وہ محنت ضرور کریں لیکن امتحان کو مشکل مت سمجھیں۔اس طرح ہم خود کو لکی یا ان لکی عقل مند یا بیوقوف خود کو لوگوں کا پسندیدہ یا ناپسندیدہ زندگی کو آسان یا مشکل سمجھتے ہیں۔اس طرح آپ جس کام کو بھی مشکل مان لیں گے وہ مشکل ہو جائیگا مثلاً آپ یہ سمجھتے اور مانتے ہیں کہ آپ کو اپنی روزی کمانے میں بھی مشکلات آئیں گی تو پھر آپ کو یقیناً اس میں بہت سی مشکلات پیش آئیں گی اور روزی کمانے کو آسان سمجھنے والے اسے با آسانی حاصل کر لیں گے۔ہم میں سے بہت زیادہ اکثریت اسی وجہ سے اس مقصد میں ناکام رہتی ہے اور ناکام رہنے والے بھی اسے قدم بقدم (Slow and Study) اور مستقل مزاجی کے ساتھ کامیابی میں بدل دیتے ہیں اسی طرح آپ اپنی دعا کو قبول ہونے کو مشکل سمجھتے ہیں تو پھر وہ مشکل ہو جائے گی۔اور کم ہی قبول ہوگی۔

اب انسان کی یہ بھی فطرت ہے کہ اگر کسی کام کو کرتے وقت اس میں ناکامی کا یقین ہے تو وہ اس کام میں پوری محنت وقوت استعمال نہیں کرے گا کیوں کے جب ناکامی ہی ہونی ہے تو پھر ایفرٹس کیوں ضائع کیے جائیں اور اس کام میں چاہے اسکی کامیابی کے ففٹی پرسنٹ امکان ہوں تو وہ اسے پندرہ بیس فیصد پر لے آئیگا۔اور وہ اس کام میں ناکام رہے گا۔

اسطرح اگر اسے کسی کام کو کرتے ہوئے کامیابی کا یقین ہو تو وہ اسمیں پوری امید کے

ساتھ کوشش کریگا اور سو فیصد کوشش کریگا کیوں کے اسے معلوم ہے کہ اسکے ایفرٹس ضائع نہیں ہونگے اس لیے اگر اسکی کامیابی کے امکانات ویسے ہی اگر 20 فیصد ہیں تو وہ اسے 80 فیصد پر لے جائیگا۔اور وہ اس میں کامیاب ہوگا۔کامیابی کا یقین ہونے کی صورت میں آپ کے ذہن سے سبھی خانے کھل کر آپ کی مدد کرتے ہیں۔

اسی طرح اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کو اپنی ضروری آمدنی (جو 10000 روپے سے - دس لاکھ روپے کے درمیان کچھ بھی ہو سکتی ہے) کے حاصل کرنے میں دشواری ہوگی تو آپکا لاشعور اسے آپکے لیے مشکل بنا دیگا اور آپ کو ایسے صحیح ایڈوائزرز اور ساتھیوں کی طرف نہیں جانے دیگا جو آپ کو اس بارے میں صحیح مشورہ دے سکتے ہوں یا رہنمائی کر سکیں اور آپ کے ایفرٹس بھی ناامیدی کے ساتھ ہونگے اور آپ اس میں ناکام رہیں گے اور اگر آپ اسے آسان سمجھتے ہیں تو پھر یہ آپ کو ہر طرح کی معلومات ایڈوائزرز اور عملہ سب کچھ ملتا چلا جائیگا اور آپ اس میں کامیاب ہو جائینگے۔

خود اعتمادی

بہرحال مالی معاملات ذرا زیادہ سیریس (Serious) ہوتے ہیں اسلیے آپ شروع میں ہی خود کو کروڑوں کے خواب دکھانے کی بجائے قدم بقدم اس پر کام کریں اور پھر آپ اس میں لازمی پاس (کامیاب) ہوں گے یعنی پہلے دن سے ہی اپنا ہوائی جہاز خریدنے کی بجائے چھوٹی سی کار لینے کی سوچیں پھر ہی آپکی سوچ زیادہ حقیقت پسندانہ ہوگی۔پہلے اپنے ضروری اخراجات پورے کرنے کا سوچیں پھر بعد میں لمبے اور بڑے پروگراموں پر عمل شروع کریں۔شروع میں چھوٹی چیزوں میں کامیابی آپکو خود اعتمادی دیتی ہے اور وہ خود اعتمادی آپکو بڑے پروگراموں کی کامیابی کے لیے مدد دیتی ہے۔چھوٹی کامیابیاں شروع میں آپکو تھیوری پر یقین بھی دلاتی ہیں تھیوری پر یقین کے بعد ہی آپ خود اعتمادی سے اپنے مستقبل کے بڑے کاموں کی طرف چل پڑتے ہیں خود اعتمادی کے بغیر کچھ نہیں ہوا کرتا خود اعتمادی ہر کام میں کامیابی کی بنیاد ہے۔گو اس سے آگے ہی یقین کی منزل آتی ہے۔

کسی بھی روحانی مشق (بلکہ ذہنی بھی) میں کامیابی کے لیے تھیوری پر یقین ہونا اشد ضروری اور اس کی بنیاد ہوتا ہے سب سے پہلے اس یقین کو ہی صحیح کریں۔

یقین اور عبادات

دنیا میں انسان کی ہر کامیابی کے پیچھے یقین (Faith) ہوا کرتا ہے اور ہر ناکامی کی وجہ یقین کی کمی ہے۔ دراصل ہمارا لاشعور یقین کے اصول پر ہی کام کرتا ہے جس چیز کو یہ ماننا شروع کر دیتا ہے وہی چیز یہ کریئٹ (Create) کرنا شروع کر دیتا ہے بڑی حد تک لاشعور کی طاقت ہی روح کی طاقت ہے یہ زندگی آسان ہے یا مشکل، ہنسنا ہے یا رونا ہے، کامیابی ہے یا ناکامی، پیار ہے یا نفرت، امارت ہے یا غربت، خدا کا تحفہ یا عذاب، دنیا جنت ہے یا دوزخ یہ آپکے یقین پر ہی منحصر ہے کہ آپ اسے کیا مانتے ہیں (سوچنے اور ماننے میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے)۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے "جو مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہارے اعمال کے سبب آتی ہے اور بہت سی باتوں کو اللہ معاف کر دیتا ہے" گو دنیاوی کاموں کے لیے چاہیے کہ پہلے پورے ظاہری اسباب کریں۔ پھر یقین کے ساتھ اس کام کو شروع کر دیں اور اسے مستقل مزاجی اور Optimism کے ساتھ کریں اسے مشکل نہ سمجھیں اور یقین کامل (Faith) کا پیغام یہ بھی ہے کہ اپنے یقین کو سمجھ (Reason) اور دلیل (Logic) کے ساتھ محدود اور کمزور نہ کریں یعنی بظاہر حالات کتنے ہی مایوس کن کیوں نہ ہوں پر امید رہیں اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے "اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔" (الزمر ۵۳) اگر آپ مشکل حالات میں گھر جاتے ہیں اور امید کا دامن چھوڑ دیتے ہیں تو پھر آپ کے ساتھ وہی کچھ ہونے کے امکانات تقریباً یقینی ہیں جو آپ نے سوچا ہے۔

اور اگر آپ پر امید رہیں تو پھر آپکے آس پاس ہی اس مشکل کا حل ہمیشہ موجود ہوتا ہے آپ پر امید رہیں تو پھر ہی آپ اس حل کو اپنے پاس پہنچنے دیتے ہیں ورنہ ایسا حل یا ایسا شخص جس کی مدد یا مشورے سے آپ اس مشکل سے نکل سکتے ہیں آپ سے اس بارے میں بات ہی نہیں کرے گا اس لیے امید کا دامن کبھی نہ چھوڑیں ہر مشکل کا حل آس پاس ہی موجود ہوتا ہے۔ یہ خود بارہا میری آزمائی ہوئی بات ہے۔ یہی یقین کامل (توکل اللہ) کا اصل پیغام

ہے۔ اگر آپ کا یقین مضبوط ہوگا تو اول تو بہت کم ہی آپ کو کوئی مشکل آئے گی اور اگر آئے گی بھی تو ہمیشہ مشکل اس کا حل بھی اسی وقت مل جایا کرے گا۔ آپ کا لاشعور یقین کامل (Faith) کے اصول پر ہی کام کرتا ہے۔

قرآن پاک میں ہے۔ "اے پیغمبر ﷺ آپ فرما دیجئے کہ تم لوگ ایمان نہیں لائے تم تو صرف مسلمان ہوئے ہو۔ ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں اترا ہی نہیں۔"

یہی صرف سوچنے اور دل سے ماننے میں فرق ہے۔ صرف مثبت سوچنے اور یقین میں یہی فرق ہے۔ قوت ارادگی اور یقین کا تعلق سمجھنا بڑا اہم ہے کہ ہر انسان کے اندر اس کی شخصیت کے جیسے دو لیول یا تہیں ہوتی ہیں۔ عام انسان اس میں اوپر والی تہہ پر ہی وقت گزارتے ہیں اس لیول پر عام لوگ اپنا ہر کام غیر یقینی اور اعتماد کے بغیر کرتے ہیں دوسری تہہ جسے آپ انسان کی اندرونی شخصیت بھی کہہ سکتے ہیں خود اعتماد اور روحانی لوگوں میں خاصی مضبوط ہوتی ہے۔ اس لیول پر کیے جانے والے ہر کام کی کامیابی کے خاصے امکانات ہوتے ہیں. اسکو استعمال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب آپ کسی کام کو کرنے کا ارادہ کریں تو اس کا عزم کریں اور خود کو زور دے کر کہیں "یہ کام کیوں نہیں ہوگا انشاء اللہ ضرور ہوگا۔ لازمی ہوگا" اس کے بعد اس کام میں آپ کی کامیابی یقینی ہوگی۔ "اور آپ کے ذہن کے بند خانے بھی کھل کر آپکو اس کام میں پوری مدد کریں گے۔ صحیح روحانی انسان کی تیسری تہہ یا سطح بھی موجود ہوتی ہے۔" بلکہ اس کی کئی تہیں ہو سکتی ہیں۔

اعتماد سے ہی شروع ہو کر انسان یقین کامل کی طرف بڑھتا ہے اس میں شروع میں انسان نے قوت ارادگی استعمال کرنی ہوتی ہے اور ہر کام اور دعا میں یہ سوچنا ہوتا ہے کہ یہ ضرور پورا ہوگا۔ مثبت سوچنا اور ہر کام کو کرتے وقت کامیابی ذہن میں رکھنا جب انسان کی خود کار (Automatic) سوچ کا حصہ بن جاتا ہے تو یہ یقین کامل (Faith) میں داخلے کی علامت ہے یقین آپ کی اندرونی سوچ کو ہی کہا جاتا ہے۔ آپکی دعا بھی اس وقت پوری ہوتی ہے جب آپ کو اپنی دعا کے قبول ہونے کا یقین ہو۔ یقین مضبوط ہونے کے ساتھ ساتھ اگر آپ کی سوچ کی طاقت اور Vibration بھی طاقتور ہو تو پھر آپ کو ہر مادی چیز اور ہر قسم کی معلومات اور رہنمائی وغیرہ خود بخود مل جایا کرتی ہے۔ کرامات سوچ کی طاقت اور

Vibration کے مضبوط ہوتے ہی یقین رکھنے والے آدمی کا معمول بن جاتی ہے ورنہ صرف یقین تو ایک سوچ کا ہی نام ہے جو اکیلی زیادہ روحانی ترقی کے لئے کافی نہیں ہوتی اور اگر آپ کی سوچ کی طاقت کچھ کم ہے تو صرف یقین کی مدد سے آپ کو نسبتاً چھوٹے لیول کی کامیابیاں (چھوٹی موٹی چیزیں اور کام) ہی ہوں گی۔

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں
(اقبال)

اپنی سوچ اور وائبریشن کو طاقتور بنانے کے لئے ساری دنیا کے روحانی لوگ تین طریقے ہی استعمال کرتے ہیں ان میں سے پہلا طریقہ خاموش اور ریلیکس بیٹھ کر ارتکا توجہ (Concentration) کرنا ہے۔ جس میں انسان سب سوچیں ذہن سے نکال دیتا ہے یا پھر توجہ ایک ہی نقطے پر مرکوز کرتا ہے۔ دراصل ہم سب تصویروں میں ہی سوچتے ہیں لفظوں میں نہیں (مثلاً میں نے لفظ کار کہا آپ کے ذہن میں لفظ کی بجائے کسی بھی ماضی میں دیکھی گئی کار گھوم گئی)۔ آپ ذہن میں مراقبے کی حالت میں جو بھی تصور گھماتے رہتے ہیں لاشعور اسے تخلیق کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ہم ورد میں جو قرآنی آیتیں پڑھتے ہیں تو ہمارا لاشعور ہم میں (انسان میں) اللہ کا عطا کردہ نور بڑھانا شروع کر دیتا ہے جو اللہ نے انسان کو اس زمین پر اپنے نائب کی حیثیت سے عطا کیا ہے۔ یہی نور زیادہ ہو تو انسان اپنی خواہش کی ہر اک چیز با آسانی پالیتا ہے مزید ترقی کے بعد ہر قسم کی کرامات بھی شروع ہو جاتی ہیں۔

دوسرا طریقہ پیر یا گرو سے انرجی لینا ہے۔ یہ روحانی انرجی ایک انسان سے دوسرے میں منتقل (Shift) ہو جاتی ہے مگر اسمیں پیر یا گرو سے متاثر ہونا ضروری ہوتا ہے۔ تیسرا ورد یا منتر کا ہے ہم جو بھی لفظ دھراتے ہیں اسکی تصویر لاشعور کو دکھاتے ہیں لگاتار دکھانے کی صورت میں لاشعور اسے تخلیق کرنا (Create) شروع کر دیتا ہے پھر ورد کی اپنی طاقت ورد وائبریشن ہوتی ہے میری تحقیق اور تجربے میں آیا ہے کہ یہی ورد کا طریقہ سب سے بہتر اور یقینی ہوتا ہے اور قرآن پاک کے ورد دنیا میں سب سے طاقت ور ورد ہیں سوچ اور وائبریشن طاقتور ہونے کے ساتھ ساتھ یقین Faith بھی مضبوط ہو تو ہر قسم کی کرامات شروع ہو جایا

کرتی ہیں۔ گو صرف فیتھ ہی کافی ہو سکتی ہے مگر اس کے مکمل استعمال کے لئے ورد واذکار ضروری ہیں پھر ہی انسان صحیح کرامات تک پہنچ پاتا ہے۔

اسی عبادت واذکار کے متعلق میں قرآن پاک میں لکھا ہے۔ ''اے ایمان والو صبر اور نماز کے ذریعے مدد لیا کرو بیشک اللہ صبر والوں کا ساتھ دیتا ہے۔'' (البقرہ 153) (یعنی عبادات اور قرآنی آیتوں کو پڑھنا اور ورد واذکار شروع کر دو اور حوصلہ مت چھوڑو)۔

ہر انسانی روح میں ایسی صلاحیت ہے کہ وہ انسان کی خواہش کے مطابق ضرورت کی ہر چیز اسکے پاس لے آیا کرتی ہے۔ یا کم از کم انسان کو اس چیز کو پانے کی ترکیب بتا دیتی ہے۔

مثلاً آپ کو کوئی گھر پسند آ گیا ہے تو پھر آپکو وہ یا اسی قسم کا دوسرا گھر کچھ عرصے میں مل جانا چاہیے مگر وہ گھر آپکو اس دنیا میں موجود قوانین کی مدد سے ہی ملے گا یا تو آپ خود یا کوئی اور آپکے لیے اسکی قیمت دے گا مگر ہم یہاں اپنی دلیل کو لڑا کر اس یقین (یا سوچ) کی طاقت کو ختم کر دیتے ہیں ہمارے پاس تو اتنے پیسے ہی نہیں ہیں میری تنخواہ میں تو یہ گھر دس سال میں بھی نہیں خریدا جا سکتا وغیرہ وغیرہ۔ اور اسی دلیل (Logic) کی وجہ سے ہماری طرف آتا ہوا گھر رک جایا کرتا ہے ایسی باتیں سوچ کر آپ سوچ اور روح کی طاقت کو کمزور کر دیتے ہیں اور اگر وہ گھر جو آپکو دو ماہ یا چھ ماہ یا دو سال میں مل جانا چاہیے تھا آپکو نہیں مل پاتا اسمیں آپکو چاہیے کہ یہ مانیں کہ مجھے اپنی خواہش کی ہر چیز مل جایا کرتی ہے پھر آپکو اپنی ضرورت کی ہر ایک چیز مل جایا کرے گی۔ اسمیں ہر قسم کی مادی اور دنیاوی چیزیں بھی شامل ہیں اور علم معلومات اور روحانیت بھی۔

اسی بارے میں اقبال نے بڑی خوبصورت بات کی ہے۔

گزر جا خرد (عقل ودلیل) سے آگے کہ یہ نور، چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے۔

انسانی روح کی اس صلاحیت کو ذہن میں بٹھا کر آپ پہلے چھوٹی موٹی چیزوں کو حاصل کرنے کی مشق کریں پھر اسکی تھیوری پر یقین ہونے اور آپکے روحانی ترقی کے درجات کے حساب سے بعد میں بڑی چیزیں بھی آپکو ہمیشہ مل جایا کریں گی۔ روح کی یہی صلاحیت آپکی زندگی کو بھی ہر خطرے سے بچا لیا کرے گی آپ اپنے یقین کامل کی ابتداء اسی سوچ کے ساتھ کریں یہی یقین کا پہلا اور اہم ترین سبق ہے۔

انسان کا بڑی چیزوں کی خواہش رکھنا کوئی برائی نہیں ہے۔ بلکہ یقین رکھنے والے شخص نے اپنے آس پاس کے لوگوں بلکہ ساری قوم کی تقدیر بدل دینے کا بھی حوصلہ ہونا چاہیے۔ یہ سب اہل یقین کے لئے ممکن ہے۔

اسلام کے بارے میں میرے محدود علم کے مطابق قرآن پاک میں توکل یعنی (یقین کامل) کے مختلف درجوں کا بتایا گیا ہے۔ جس میں شروع میں انسان کو بہت محنت کرنی چاہیے۔ پھر توکل کے درجوں میں ترقی کے بعد ہر چیز انسان کو باآسانی ملتی چلی جاتی ہے۔ میرے اندازے میں مستقبل میں انسان اپنے تمام دماغ اور لاشعور کو استعمال کر کے ہر ضرورت کی چیز کو مادی طور پر تخلیق کر لیا کرے گا۔ مگر اس میں ابھی کئی ہزار سال لگیں گے اسمیں بیماریوں سے صحت مندی بھی شامل ہوگی۔ بڑھاپے کا علاج بھی اور ضرورت کی ہر ایک چیز بھی۔

سائنس دانوں نے مختلف تجربات میں دیکھا ہے کہ عام انسان اپنی پوشیدہ ذہنی صلاحیتوں کا دو فیصد سے زیادہ استعمال نہیں کرتا۔

دراصل انسانی روح میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ انسان کے لیے دنیا کو ہی جنت میں تبدیل کر دے۔ یقین دراصل ہر آدمی میں موجود ہے مگر ہم میں سے بڑی اکثریت اپنی لاعلمی اور منفی سوچ کی وجہ سے اپنے یقین کو غلط جگہ اور الٹا بٹھایا ہوتا ہے انکا یقین یہ ہوتا ہے کہ انکا کوئی کام نہیں ہوتا اور انکی کوئی دعا پوری نہیں ہوتی۔ جبکہ میرا اور سالک کا یقین یہ ہے کہ میرا ہر کام ہو جاتا ہے ہر خواہش پوری ہو جاتی ہے اور ہر دعا قبول ہوتی ہے۔

عجیب اور دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ لوگ (اوپر بیان کردہ بڑی اکثریت) اپنے اسی الٹے یقین پر مجھ سے بھی کہیں زیادہ پختہ ہوتے ہیں اور اسی سے چمٹے رہتے ہیں دراصل اسے مثبت سوچ اور صبر کی مدد سے آہستہ آہستہ صحیح طرف لایا جاسکتا ہے۔ آخر میں یقین کے سب سے اونچے درجے توکل اللہ کے بارے میں اہم بات یہ ہے کہ اسے صرف اچھے اور سیدھے راستے میں ہی پانا ممکن ہے۔ صرف سچا اور کھرا انسان ہی اسے پا سکتا ہے۔

غلط راستے سے اسے پانے کی کوشش کرنے والے آدھے ہی سفر میں منہ کے بل گرتے ہیں۔ پھر یقین کو اونچے درجے تک لے جانے کے لیے مذہبی اصولوں کی پابندی (گو بے جا پابندی نہیں) بھی ضروری ہے۔

یقین کس طرح آپکی سب چیزوں پر اثرانداز ہوتا ہے اسکی مثال کے لیے صرف صحت پر ہی اس کے اثرات کا ذکر کرنا ہی کافی ہوگا۔ وہ اسطرح ہے کہ اگر آپکو اپنی لمبی عمر کا یقین ہے تو پھر لاشعوری طور پر ہی آپ ہر بیماری والی جگہ اور غلط خوراک سے بچتے چلے جائیں گے۔ اور اگر پیدائشی طور پر آپ میں کوئی بیماری یا کمزوری ہے تو پھر بھی آپ لاشعوری طور پر ایسی پروفیشنل اور ذہنی عادتیں اپنا لیں گے جو آپکو اس بیماری سے بچائیں گی۔

ایسی ورزش یا مشقیں کریں گے جو آپکی اس کمزوری کو ختم کر دیں گی۔ ایسی خوراک ہی انہیں پسند آئے گی جو انہیں صحت مند رکھے گی۔ صحت سے متعلقہ ہر ضروری معلومات انہیں کہیں نہ کہیں سے مل جایا کرے گی۔ اسی طرح دوسرے معاملات میں اپنی خوش قسمتی کا یقین انسان کے اندر بیٹھ جائے تو مالی معاملات میں ہر طرح کی معلومات اور لاشعوری طور پر اس میں آپکی دلچسپی اور پھر مہارت ہو جایا کرے گی۔ اور آپکے دماغ کے بند خانے کھل کر آپکی ہر مطلوبہ چیز میں آپکی مدد کریں گے اور ہر مطلوبہ لائن میں یقین اسی طرح آپکی مدد کریگا۔

(ملا اس لمبی زندگی کے بارے میں یہ کہے گا کہ موت کا تو ایک دن مقرر ہے۔ تو اسی ملا سے میری عرض یہ ہے کہ وہ جہاد کرنے عراق چلا جائے کہ دن تو مقرر ہی ہے اور اگر بیمار ہو جاتا ہے تو دوائی نہ لیا کرے) قرآن پاک میں تو قوموں کی زندگی کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ وقت آگے پیچھے نہیں ہوتا۔

سالکوں کے لیے یقین کے بارے میں ایک اہم ترین پیغام یہ ہے کہ انہیں اللہ پر یقین اسکے بعد اپنے سیدھے راستے پر چلنے کا یقین، اپنی روحانی طاقتوں اور صلاحیتوں پر یقین ہونا چاہیے اور پکا یقین ہونا چاہیے یہی سارے روحانی سفر میں انکا رہنما رہے گا۔



چیزوں کی فطری کشش

2001ء میں مجھے قیام پاکستان کے دوران اپنے چھوٹے بھائی کیپٹن خالد اقبال جو وزارت خارجہ میں پروٹوکول آفیسر تھا کے ساتھ اسلام آباد میں ساؤتھ افریقہ کی ایمبیسی کی ایک پارٹی میں جانے کا اتفاق ہوا وہاں پر مجھے ساؤتھ افریقہ کی ایمبیسی کا ایک افسر ملا اسکے ساتھ کافی گپ شپ رہی میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا کرتا ہے وہ کہنے لگا اس نے MBBS کیا پھر قانون کی ڈگری بھی لی لیکن اب معاشیات میں دلچسپی زیادہ ہوتی جا رہی ہے۔

میں نے اس سے پوچھا کے کاروبار کے لیے کیا چیز ضروری ہوتی ہے اور پھر اسکو بتایا کہ میں معاشیات کے اصولوں سے واقف ہوں اور طلب و رسد کے بارے میں نہیں جاننا چاہتا اور کاروبار میں ایمانداری اور عملی تجربے اور محنت کے اصولوں کو بھی جانتا ہوں۔ کہ بہت سے ذہین وفطین عالم فاضل عملی قسم کے لوگ بھی کاروبار میں فیل کیوں ہو جاتے ہیں۔

کہنے لگا کامیاب کاروباری لوگوں میں ایسی فطری صلاحیت ہوتی ہے کہ اگر انہیں کوئی کاروباری امکان یا چانس بتایا جائے تو وہ اسکے پیچھے چھپے ہوئے امکانات کو ڈھونڈ لیتے ہیں. یہ وہ صلاحیت ہے جو فطری ہوتی ہے اور اسے سیکھا نہیں جاتا۔

اسکی یہ بات بڑی حد تک صحیح تھی مگر درحقیقت آپ خود کو کامیاب کاروباری مان لیتے ہیں تو پھر آپکو ایسے امکانات نظر آنے لگ پڑتے ہیں کیونکہ خود کو اچھا کاروباری ماننے کے بعد ہی آپ لاشعور کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ آپکو کامیاب کاروباری بنائے۔ گو اسمیں عملی تجربے اور ماضی کی کامیابیوں کا ساتھ ہونا اسکی بنیاد کو مضبوطی دیتے ہیں. پھر انسان میں ایسی انرجی بھی ہوتی ہے جو ایک خاص حد تک مطلوبہ چیزوں کو اپنی طرف کشش کرتی ہے۔ یہ کچھ لوگوں میں پیسے سے متعلق ہوتی ہے کچھ میں شہرت وغیرہ سے متعلق ہوتی ہے اسی طرح دوسری چیزوں کو بھی اپنی طرف کھینچتی ہے یا انسان کو ایسے موقعوں پر لے جاتی ہے جہاں وہ مطلوبہ چیزوں کو پالیتا ہے۔ مگر خود کو اس چیز کے حاصل کرنے کے قابل مان کر ہی اس چیز کو حاصل

کرنے کا دروازہ کھلتا ہے ورنہ آپ اپنے لاشعور کو اسے حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیتے کیونکہ آگے دل میں ان چیزوں کے حاصل ہونے کا ڈر بیٹھا ہوتا ہے جو آپکو ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھانے نہیں دیتا کامیاب کاروباری ہر چیز میں امکانات بھی اسی طرح ڈھونڈ لیتا ہے مثلاً کپڑوں کے دو سیلز مین افریقہ کے دور افتادہ جزیروں میں بھیجے گئے تو وہاں جا کر انھوں نے دیکھا کہ تمام لوگ ننگے پھر رہے تھے ان میں سے ایک نے واپس کمپنی ٹیلی فون کیا کہ وہ واپس آرہا ہے یہ کیا فضول علاقہ ہے؟ یہاں پر تو کوئی بھی کپڑے نہیں پہنتا ہے یہاں کپڑے کون خریدے گا۔

دوسرا اسیلز مین مسرت سے چلایا کہ یہاں پر تو تمام لوگوں کو کپڑے کی ضرورت ہے میرا کام تو یہاں بہت خوب چلے گا اتنی بڑی مارکیٹ بغیر کسی مقابل کے خالی مل گئی ہے کتنا خوش قسمت ہوں۔

جب بھی کسی کاروباری کام کے بارے میں انسان کا ذہن مثبت سوچتا ہے تو پھر اسے اس میں چھپے ہوئے سب امکانات نظر آجاتے ہیں۔

کامیاب کاروباری منصوبے کے لیے صرف مثبت پہلو دیکھ کر اسے شروع کرنے کا فیصلہ کرلیتا ہے۔ اسکا مکمل تجزیہ کرتا ہے. مثبت اور منفی دونوں پہلو دیکھتا ہے پھر مثبت اور Optimistic سوچ کے ساتھ اسے شروع کردیتا ہے ہر کاروباری کو پہلے کاروبار کی Feasability بھی بنالینی چاہیے اور اس میں یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ دیکھ سکے کہ فلاں مقام پر کس نئی چیز کی ضرورت ہے یہ صلاحیت رکھنے والا انسان بالکل تھوڑے پیسوں کے ساتھ کامیابی سے کاروبار شروع کرلیتا ہے۔

کامیاب کاروباری انسان میں مضبوط یقین Faith ایمانداری اس کاروبار کی معلومات اور خصوصاً عملی تجربہ، محنت، مستقل مزاجی اور باقی سب مشاغل کی قربانی دے کر اسی چیز کے پیچھے پڑ جانا کامیابی کی ضمانت ہے۔

مادی اور مالی معاملات میں خوش قسمتی کیا ہے کسی بھی مالی یا کاروباری معاملہ میں اسمیں چھپے ہوئے امکانات اور فائدے کو محسوس کرلینا اور اس سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت ہونا۔

☆☆☆☆☆

طریقہ معاملات

اگر ہم لوگوں کی زندگی کا جائزہ لیں تو کئی دلچسپ قسم کے معاملات نظر آتے ہیں۔ مثلاً ہر شخص نے دوسرے لوگوں سے تعلقات میں ایک عجیب سا طریقہ کار (Strategy) بنائی ہوتی ہے۔ جو کبھی صحیح ہوتی ہے، کبھی غلط۔ لیکن ہر آدمی یہی سمجھتا ہے کہ اسکا طریقہ کار ہی مناسب ترین ہے۔

اس میں خصوصاً مادی معاملات اور کاروبار کے معاملوں میں ہر شخص کی اپنی اپنی سٹریٹجی ہوتی ہے۔ کچھ لوگ کسی دوسرے پر ذرا اعتبار نہیں کرتے۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ دوسرے سب لوگ انہیں استعمال کرنے یا دھوکہ دینے کے چکر میں ہی لگے رہتے ہیں۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ انکے ساتھ انکی ہر قسم کی احتیاط کے باوجود دھوکے اور فراڈ بھی ہوتے رہتے ہیں۔ کیونکہ جس قسم کا بھی آدمی ہوتا ہے اسی قسم کے لوگ اس کے آس پاس بھی جمع ہوتے رہتے ہیں۔ جب وہ خود کسی پر اعتبار نہیں کرتے اور ہر ایک کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو پھر اچھے اور صاف ذہن کے لوگ ان سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کہ وہ صاف دل لوگ ایسے الٹے ذہن والے کے ساتھ خود ریلیکس محسوس نہیں کرتے۔ جو ان پر شک کرتا ہے۔ صرف غلط ذہن والے لوگ ہی اس کے پاس رہ سکتے ہیں۔ یہ لوگ اسے دھوکا دینے کا موقع ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ اور آخر کار ان کا داؤ کہیں نہ کہیں چل ہی جاتا ہے۔ اس کے بعد دوسروں پر ہر معاملے میں شک کرنے والے کا یقین اس بات پر مزید پکا ہو جاتا ہے۔ کہ میں نہ کہتا تھا۔ کہ سب لوگ دوسروں کو استعمال کرتے ہیں۔

یہ لوگ خود کو تبدیل نہیں کرتے بلکہ اس غلط فہمی میں ہی رہتے ہیں۔ کہ دنیا میں بہت بڑی اکثریت غلط لوگوں کی ہے۔ اس طرح کچھ لوگ دوسروں پر اعتبار و بھروسہ کیا کرتے ہیں۔ گو مالی یا کاروباری معاملات میں ان کو بھی دھوکا ہو سکتا ہے۔ کہ یہ زندگی کا حصہ ہے مگر یہ لوگ آہستہ آہستہ اپنے آس پاس اچھے ذہن اور مثبت کردار والے لوگ جمع کر لیا کرتے ہیں۔ اور ایسے لوگ نقصانات اٹھا بھی لیں تو پھر سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کہ دوسرے کاروباری لوگ

ان کے اچھے ذہن اور کردار پر اعتبار کر کے پھر سے انہیں چانس دے دیا کرتے ہیں۔ یہ لوگ پہلی قسم کے لوگوں سے بہر حال فائدے میں ہی رہتے ہیں۔ کہ کم از کم ان کا ذہن ہر وقت دوسروں اور زندگی کے بارے میں منفی نہیں سوچتا رہتا۔ وہ کم از کم خوش تو رہ لیتے ہیں۔ اور جو خوش نہیں ہے وہ کامیاب زندگی گزارنے والا نہیں ہے۔ لوگوں اور دنیا کے بارے میں منفی سوچیں انسان کی تمام انرجی کھا جاتی ہیں اور انسان افسردہ اور پھر بیمار ہو جاتا ہے۔

ہم میں سے ہر شخص جو دنیا کے بارے میں سوچتا ہے۔ اسی قسم کے لوگ اپنے آس پاس جمع کرتا ہے۔ اور پھر اپنے انہی اچھے یا برے تجربات کے نتیجے میں اپنی اسی یقین کو پختہ کرتا چلا جاتا ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر شخص اپنے ہی قسم کے لوگوں میں خود کو آسودہ (Relax) محسوس کرتا ہے۔ اوپر بیان کردہ دونوں قسم کے لوگوں کو چاہیے کہ مادی و کاروباری معاملات میں ایک دفعہ بات کے دونوں پہلو دیکھ لیا کرے۔ گو دوسرے معاملات میں دوسرے لوگوں پر بھروسہ کرنا ہی بہتر حکمت عملی ہے۔ کہ جو کسی پر اعتبار نہیں کرتا سب لوگ آہستہ آہستہ اس پر بھی اعتبار کرنا چھوڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح آپ دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنے تعلقات دھونس دھاندلی کیساتھ مستقل طور پر صحیح نہیں رکھ سکتے۔ کہ دوسرے لوگ کسی مجبوری کی وجہ سے تو اس چیز کو برداشت کرتے ہیں۔ خوشی سے نہیں۔ اور مجبوری یا ضرورت ختم ہوتے ہی اپنا بدلہ لینے میں لگ جاتے ہیں۔ یہ لوگ آپ کے کام کے ماتحت بھی ہو سکتے ہیں۔ اور آپ کی فیملی کے لوگ بھی ممکن ہے کہ آپ کی شریک حیات ہی اس میں شامل ہو۔ سچائی، پیار، محبت، اور مفاہمت کا راستہ ہی ہمیشہ صحیح راستہ ہے، اور رہے گا۔ اپنی مستقبل کی عمارت کی بنیاد اسی پر رکھیں۔ غلط بنیادوں (نفرت، دھونس، دباؤ، دھوکا، اور جھوٹ) پر اس کو تعمیر نہ کریں۔ ورنہ جتنے بھی اونچے چلے جائیں گے اتنے ہی زیادہ بے چین اور ڈر میں رہیں گے۔

☆☆☆☆☆

وقت کی قدر

تیسری دنیا کے لوگ خصوصاً ہم پاکستانی بہت کم ہی کہیں وقت پر پہنچتے ہیں۔میرے جاننے والے کئی لوگ ایسے ہیں جو ساری عمر جہاں بھی پہنچنا ہوتو لیٹ پہنچتے ہیں اور اکثر وہ آخری منٹوں میں وہ اپنے گھر میں گمشدہ اور ضروری چیزوں کو تلاش کر رہے ہوتے ہیں عموماً دراصل یہ نروس اور کم خود اعتماد قسم کے لوگ ہوتے ہیں جو اس طرح کی غلطیاں کر کے خود کو مستقل نروس اور پریشان رکھتے ہیں اگر کوئی اپنی چیز پندرہ منٹ پہلے تیار کر کے رکھ لیتا ہے تو وہ مقررہ وقت پر منزل پر پہنچے گا۔ پریشر اور نروس رہنے سے بھی بچا رہے گا۔ بے شمار لوگوں کی بائیوگرافی پڑھنے کے بعد یہ پتا چلتا ہے کہ ان کی کامیابی میں بڑا دخل اس بات کا ہے وہ مقرر وقت سے چند منٹ پہلے اپنے دفتر یا کام کرنیوالی جگہ پر آجاتے تھے۔اور کام ختم ہونے کے دس منٹ بعد واپسی کے سفر پر نکلتے تھے۔پھر کامیاب لوگ اپنی تنخواہ یا حصہ سے زیادہ کام کرتے تھے بظاہر اپنے حصے سے زیادہ کام یا محنت کرنا انسان کو بے کار لگتی ہے لیکن ایسے انسان کچھ عرصے کے بعد دوسرے ساتھیوں کے مقابلے میں زیادہ ترقی کر جاتے ہیں اور ان کو ہمیشہ ترقی کے زیادہ مواقع ملتے ہیں اسی پرانے کام میں یا کوئی دوسرا باس اسے دوسرے کام میں بہتر تنخواہ و شرائط پر لے لیتا ہے۔پھر ایسے شخص کا ضمیر مطمئن رہتا ہے کہ وہ اپنی تنخواہ حلال کر رہا ہے اور محنت اور نیت کا پھل ہر شخص کو ہر حال میں مل کر ہی رہتا ہے۔

اپنے وقت کو صحیح طریقے سے استعمال کریں اس میں بھی اہم اور کار آمد (Productive) حصوں پر زیادہ محنت اور توجہ خرچ کریں۔کم اہم حصوں پر اس سے کم اور کچھ حصوں کو اپنے ساتھیوں اور ماتحتوں پر چھوڑ دینا ہی کافی ہوتا ہے۔بلکہ کچھ کاموں یا شغلوں کو چھوڑ دینا ہی عقل مندی ہوتی ہے۔پھر آپ کو چاہیے کہ ہر وقت سوچیں کہ اس وقت آپ کے کرنے کا اہم ترین کام کونسا ہو سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

احساس کمتری

اس دنیا میں شاید ہی کوئی شخص ہو جو احساس کمتری (کمپلیکسز) سے پاک ہو،ہم عمر کے ساتھ ساتھ ایک کمپلیکس کو ختم یا کم کرتے ہیں پھر دوسرے کے پیچھے لگ جاتے ہیں اسی چکر میں عمر تمام ہو جاتی ہے کمپلیکسز باقی رہ جاتے ہیں۔ہم سب ایک کمپلیکس کو پورا کر کے دوسرے کے پیچھے دوڑے جا رہے ہیں۔ہمارے معاشرے میں سب سے زیادہ لوگوں کو غریبی کا کمپلیکس ہے پھر طاقت کا،اسکے بعد شہرت،پھر پیار،اسی طرح خوبصورتی پھر سیانا بننے کا،تعریف سننے کا وغیرہ۔ان سے وہی شخص کسی حد تک بچ سکتا ہے جو اپنی انا ختم کر کے اپنی غلطی تسلیم کرے تنقید سنے اور ناراض نہ ہو،تعریف سے خوش نہ ہو خود پر ہنس سکتا ہو کسی دوسرے کو خود سے بہتر اور بڑا مان سکتا ہو۔اپنے موجودہ حالات پر شاکر ہو.(گو اسکے ساتھ ساتھ مستقبل کی بہتری کی کوششیں بھی جاری رکھے)۔

ان کمپلیکسز کی یاد ہمارے ماضی میں ہماری یادداشت میں کہیں گہرا دفن ہوتی ہے اگر ہم تنہائی میں بیٹھ کر اپنے ماضی کو یاد کریں تو یاد آجاتا ہے کہ ان کمپلیکسز کی بنیاد کونسے واقعہ سے بنی ہے یا ہم نے یہ کسی ایسے شخص سے بچپن میں ادھار لی تھی جس سے غالباً ہم متاثر ہوئے تھے پھر وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی اور ان پر سوچ بچار کرنے کے بعد آپ کے۔لئے حال میں ان سے چھٹکارا پانا آسان ہوگا ورنہ ہم اپنی زندگی کا سب سے زیادہ اور سب سے قیمتی حصہ انہی فضول کمپلیکسز کو پورا کرنے میں گزار دیتے ہیں۔

اس معاملے میں اگر آپ خود یہ تصور کریں کہ وہ چیز جسے پانے کے لیے مرے جا رہے ہیں آپ کے پاس آچکی ہے تو اس وقت آپکو یہ محسوس ہوگا کہ اسکی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔یہ انسانی فطرت ہے کو جو چیز پاس ہو وہ قدر کھو دیتی ہے اور جو چیز پاس نہیں اسکو پانے کے لئے مرے جا رہے ہیں۔یہی چیز ہے جو اس بے چینی کا اصل سبب ہوتی ہے آج کل کی ماڈرن اخلاق باختہ عورتیں بھی اسی اصول کو استعمال کر کے اپنی ویلیو اور قیمت بڑھاتی ہیں بلکہ ہمارے جعلی روحانی پیر بھی اسے استعمال کرتے ہیں۔حقیقت میں سب کمپلیکسز بے وقوفی میں

ہی آتے ہیں۔جنس مخالف کے پیچھے جانا بھی اسی کی نشان دہی کرتا ہے کہ آپ خود کو پسند نہیں کرتے ہیں اوراپنے احساس کمتری کا ازالہ کسی دوسرے کواپنی طرف مائل کر کے کرتے ہیں مگر نقص پھر بھی آپ میں موجود ہوتے ہیں۔

آپ خود کو کسی خوبصورت کے ساتھ جوڑ کر بڑا بننا چاہ رہے ہیں اسی لیے ہم اپنے اردگرد خوبصورتی کو اکٹھا کرنا پسند کرتے ہیں اسی طرح عزت اور پیسے کے بارے میں بھی احساس کمتری ہے۔ان سب کے بارے میں سوچیں اور انکا سامنا خود کریں خود کو انکے دباؤ انکے بوجھ سے نکالیں۔زندگی بہت بہتر ہوجائے گی درمیانہ راستہ ہی انکا آسان علاج ہے انا(Ego) نفس کو مار دینا آسان نہیں ہوتا اور صحیح بھی نہیں ہے۔بس ہر چیز میں درمیانہ راستہ ہی اختیار کریں۔



نیکی ،سچائی اور پیار کا راستہ

نیکی ، ایمانداری ،سچائی اور پیار کے راستے میں چاہے آپ دس برس ناکام ہی رہیں گیارہویں برس میں آپ کو اپنی سب پچھلی محنت کا پھل اکٹھا ملے گا اور اس میں برکت بھی رہے گی۔برائی جھوٹ اور فراڈ کے راستے میں آپ چاہے دس برس کامیاب اور خوش ہی کیوں نہ نظر آئیں گیارہویں برس میں آپ یہ سب کچھ سود سمیت واپس دیں گے اور سب کچھ گنوا دیں گے اور پھر برائی اور جھوٹ کے راستے میں آپ کو کبھی صحیح عزت نہیں ملے گی۔

اس دنیا میں اگر آپ چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی کسی کے ساتھ کریں تو اسکا بدلہ اس دنیا میں ہی پائیں گے اور اگر یہاں سے بچ گئے(جو بڑا ہی مشکل ہے)تو پھر مرنے کے بعد آخرت میں ضرور پائیں گے۔

قدرت کے اس اصول سے بچ نکلنا ناممکن ہے.اور پھر اندرونی سکون آپ کو نیکی کے راستے پر چل کر ہی ملے گا اندرونی سکون نہ ہو تو پھر آہستہ آہستہ سب کچھ کھو جاتا ہے انسان غلط راستوں پر چل پڑتا ہے.ہم سب کی روحیں ہوا کی طرح آپس میں ملی ہوئی ہیں اسلئے جو اچھائی بھی آپ کسی دوسرے کیساتھ کرتے ہیں اصل میں اپنے ساتھ کرتے ہیں اور جو برائی بھی کسی کے ساتھ کرتے ہیں وہ آپ اپنے ساتھ ہی کرتے ہیں کچھ وقت کے بعد اس نے واپس آپ کی طرف ہی آنا ہے بمع نفع یا سود۔جو بوگے وہی کاٹو گے۔قرآن پاک میں واضح لکھا ہے کہ:

’’کیا تم اس دن (قیامت) کے بارے میں شک ہے کہ جب اگر تم نے ذرا برابر نیکی اگر زندگی میں کی ہوگی تو اسے بھی دیکھ لوگے اور ذرا برابر برائی بھی اگر کی ہو گی تو دیکھ لوگے‘‘(سورۃ زلزال۔آیت نمبر7)

اس اصول کو نہ مان کر آپ چاہے آخرت میں سزا و جزا کو نہ مانیں پھر بھی دنیا میں خوش اور خصوصاً اندرونی سکون کے ساتھ رہنا ناممکن ہے۔ کیونکہ آپ کی خوشی کا بڑی حد تک دارومدار آپ کے آس پاس موجود لوگوں کے ساتھ تعلقات پر ہے اور آپ اپنے قریبی لوگوں سے تعلقات اپنی پوزیشن اور طاقت کے ناجائز استعمال اور دھونس دھاندلی سے نہیں صحیح رکھ سکتے

ان تعلقات کو صحیح رکھنے کیلئے پیار، محبت، رواداری اور انصاف کا استعمال لازمی ہے جیسے کسی قوم کو ظلم و جبر کیساتھ مفتوح نہیں کیا جاسکتا پیار و محبت ہی اسکا صحیح طریقہ ہے اس طریقے سے فتح کی ہوئی قومیں ہمیشہ کیلئے مفتوح ہوجاتی ہیں جیسے تاتاری ساری اسلامی دنیا کو بذریعہ تلوار ختم کرنے کے بعد بذریعہ پیار (تبلیغ) مسلمان ہوگئے تھے۔

غلط راستے پر چلنے سے انسان پر برکت ختم ہوجاتی ہے اور انسان نیکی سے ہٹ کر برے لوگوں کی محفل میں پھنستا چلا جاتا ہے بروں کی آپس میں باہمی کشش ہوتی ہے اور نیک لوگوں کی آپس میں برے لوگوں میں وہ گناہوں کی توجیہات کا بھی شکار ہوجاتا ہے جیسے شرابی کہتے ہیں ہم شراب پیتے ہیں کسی کا تو کچھ نہیں بگاڑتے کسی کا خون تو نہیں پیتے (گو بظاہر انکی توجیح خاصی معقول لگتی ہے مگر شراب کی ایڈکشن (Addiction) بڑھتی ہی چلی جاتی ہے اور صحت اور دھن قوت کی بربادی علیحدہ اور مستقل ہوتی ہے اسکے علاوہ شراب نوشی آپ کا اپنا ارادہ بھی کمزور کر دیتی ہے۔ اور صحت کی دشمن بھی ہے۔ اکثر اس کی عادت (Addiction) ہوجاتی ہے۔ جس کی وجہ سے مرد اور عورتیں شراب حاصل کرنے کے لیے ہر طرح کی گھٹیا اور غیر اخلاقی حرکتوں پر اتر آتے ہیں۔)

پھر انسان کا اس برے گروپ کو چھوڑنا مشکل ہوجاتا ہے اور اگر وہ انکا لیڈر بن جائے تو اور بھی محال ہوجاتا ہے جیسے ابوجہل ماننے کے باوجود اپنا گروپ نہ چھوڑ سکا تھا ایسا انسان پھر دوسرے نیک کاموں سے بھی ہٹنے لگ پڑتا ہے اور گناہ گاروں کو روکنے اور اصلاح معاشرہ سے بھی ہٹ جاتا ہے اور وہ اپنے ساتھیوں کو بچانے کے لیے انکے غلط کاموں کی بھی پشت پناہی کرنے لگ پڑتا ہے۔

جب کسی زمین پر اکثریت گناہ گاروں کی اور بے انصافوں کی ہوجائے تو اس علاقے کی برکت بھی ختم ہوجایا کرتی ہے قرآن پاک میں لکھا ہے "یہ اس لئے کہ جو نعمت اللہ کسی قوم کو دیا کرتا ہے جب وہ خود اپنے دل کی حالت نہ بدل لیں اللہ اسے نہیں بدلہ کرتا"۔ (الانفال 8)

☆☆☆☆☆

محنت کرنا

دنیا کے ہر کام میں کامیابی کا راستہ محنت ہی رہا ہے محنتی آدمی کسی بھی جگہ یا کسی بھی ملک میں ناکام نہیں رہتا۔ محنت میں بھی بہت زیادہ اہمیت دماغی محنت کی ہے اگر جسمانی محنت کرنے والا (مثلاً مزدور) سو روپے روز کے کماتا ہے تو (ذہنی) ذہنی محنت کرنے والا (مل کا منیجر) دس ہزار روپے روز کماتا ہے حالانکہ جسمانی محنت مزدور ہی زیادہ کر رہا ہوتا ہے۔

پہلے سکول اور کالج میں محنت کرنی چاہئے یعنی کوئی ڈپلومہ (انجینئر، ڈاکٹر وغیرہ) لے لیا جائے تو پھر ساری عمر محنت کا معاوضہ ملتا رہتا ہے۔ ان اداروں میں بھی وہی طلب علم نمایاں حیثیت حاصل کرتا ہے جو دوسرے طالب علموں کے کھیل کود یا اور مشاغل میں وقت صرف کرنے کے بجائے اپنے اصل مقصد (پڑھائی) پر زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرتا ہے۔ یہ کام ضبط نفس مانگتا ہے مگر محنت کا پھل بھی بالآخر انہیں مل جاتا ہے۔

ہمیں بارہا یہ چیز دیکھنے میں آئی ہے کہ اوسط درجے کی قابلیت رکھنے والے اشخاص اپنی محنت کی وجہ سے دوسرے قابل اور ٹیلنٹڈ لوگوں سے زندگی کی دوڑ میں بہت آگے نکل جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ پہلے اپنی خامیوں یا کمزوریوں سے آگاہ ہو کر ان کو ختم کرنے کے لیے محنت کریں پھر دوسرے معاملات کی طرف آئیں۔ اس کے بعد انہیں کامیابی سے کوئی نہیں روک سکتا۔

جو لوگ بھی اپنا کام محنت سے کرتے ہیں ماہر ہوجاتے ہیں اکثر Seniors یا Boss اپنے ماتحتوں کی ہر چیز اور ہر حرکت پر نظر رکھتے ہیں اور محنت اور صحیح کام کرنے والوں کو ترقی ملتی رہے گی اگر باس صحیح آدمی نہیں ہے اور محنت کی قدر نہیں کرتا تو وہاں آنے جانے والے دوسرے لوگ ہمیشہ ایماندار اور محنتی ورکر کی تلاش میں رہتے ہیں وہ انہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ محنت کا مطلب یہ بھی ہے کہ اپنے کام پر مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے موجود ہوں اور کام ختم کرتے ہی گھر کی طرف بھاگ نکلنے کی بجائے چند منٹ

مزید وہاں ٹھہر جائے اور پھر نکلے (بہت سے لوگ کامیابی کا راز انہی چند فالتو منٹوں میں بتاتے ہیں) اسطرح انسان کو دوسرے کاموں سے بھی واقفیت ہوجاتی ہے پھر دوسرے ورکرز کی غیر حاضری یا بیماری کی صورت میں انسان اسکی جگہ سنبھال سکتا ہے۔اسطرح ورکر اپنے باس کی ضرورت بن جاتا ہے۔کیونکہ وہ سب کام سمجھتا ہے اور ضرورت بن جانے والا شخص ہمیشہ زیادہ پیسوں اور بہتر شرائط پر کام کا معاوضہ طلب (Demand) کرسکتا ہے Seniors یا Boss کو چاہیے کہ اپنے ماتحت یا Workers کی محنت کی تعریف کیا کریں اور لوگوں کے سامنے مناسب طریقہ اور الفاظ استعمال کیا کریں محنت کرنے والے کو اس کا حق اور قدر نہ ملے تو وہ کام چور ہوجاتا ہے۔ہمارے ملک میں اکثر لوگ اس لیے کام چور ہوتے ہیں یہی لوگ دوسرے ملکوں میں جاکر انتہائی محنتی بن جاتے ہیں غربت یا ضرورت آپکو محنت کرنا سکھاتی ہے۔آپکی صلاحیتوں کو ابھارنا اور انہیں استعمال میں لانا سکھاتی ہے۔گو بچپن کی غربت اکثر اندر کے احساس کمتری (Inferiority Complex) بن کر بیٹھ جاتی ہے جو اکثر ساری عمر ہماری جان نہیں چھوڑتا۔امارت ہمیں کاہلی کی طرف لے جاتی ہے مگر جدید ترین معلومات اور تعلیم وسکول یا کاروبار کی انفارمیشن آپکو اوپر والے طبقے میں ہی ملیں گی انہیں لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے سے آپ کا ذہن اور طور طریقہ بہتر ہوگا۔

محنت Organize طریقے سے کریں یعنی سسٹم اور کام کرنے کا طریقہ کار بنا کر کریں جیسے آپ کو چاہیے کہ اپنے وقت کے اہم حصہ پر زیادہ توجہ دیں۔اس طرح آپ اپنا کام آسان بھی کرلیں گے اور زیادہ فائدہ مند بھی۔غیر اہم کام ماتحتوں یا دوسروں کو کرنے دیں۔اس طرح آپ اپنی توانائی اور وقت کے ضیاع سے بچ جائیں گے۔

پھر یہی توانائی آپ دوسرے زیادہ کارآمد اور فائدہ مند کاموں میں استعمال کرسکتے ہیں محنت اور ذہانت کا امتزاج ہو (جو بہت ہی کم دیکھنے میں آتا ہے) تو یہ شخص جس بھی شعبے یا میدان میں جائے گا انتہائی کامیاب رہے گا اور اگر اس کے ساتھ ساتھ روحانی طاقت بھی اس کی پشت پر (اپنی صلاحیت یا کسی خاص بندے کی دعائیں یا مدد) ہوتو اسے دنیا کے اپنے شعبے میں قابل اور کامیاب ترین لوگوں میں شامل ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

☆☆☆☆☆

انسان کا انفرادی اور اجتماعی ذہن

بعض اوقات ایک حادثے ایک واقعہ یا تجربہ انسانیت کے لیے نئی نئی سوچوں اور دریافتوں کے دروازے کھول دیتا ہے یہاں پر بھی میں ایک ایسے ہی دلچسپ سائنسی تجربے کا ذکر کررہا ہوں۔جاپان میں ایک جزیرے میں کچھ سائنسدان بندروں کے ایک گروہ کی سٹڈی کررہے تھے وہ انکے رہن سہن اور کھانے کا بھی جائزہ لیتے رہتے تھے وہ اکثر بندروں کو کھانے کی چیزوں (مچھلی، شکرقندی وغیرہ) دیا کرتے تھے شروع میں بندران چیزوں کو ویسے ہی اٹھا کر کھالیا کرتے تھے پھر ایک دن ایک بندر نے شکرقندی کے ٹکڑے کو پانی میں دھو کر کھالیا پھر دوسرا سارا گروہ بھی اسکے ساتھ شریک ہوگیا وہ ان سب ملنے والی چیزوں کو اب دھو کر کھاتے تھے۔

سائنسدانوں کے لیے یہ بات دلچسپی کا باعث تھی اور وہ دیکھ رہے تھے کے بندروں کے نئے پیدا ہونے والے بچے بھی ہر چیز دھو کر کھایا کرتے تھے جب کے پہلے کسی نے بھی انہیں ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا لیکن سائنسدان حیران اس بات پر ہوئے تھے کہ اس جزیرے پر میں موجود اس نسل کے بندروں کے دوسرے گروہ بھی اب چیز دھو کر کھا رہے تھے جب کہ ان کا پہلے گروہ سے کسی قسم کا میل جول نہیں تھا اور انکے ہر گروہ کے جدا جدا علاقے تھے۔اور ان میں سے کوئی بندر بھی اپنا گروہ یا علاقہ چھوڑ کر دوسرے گروہ میں نہیں گیا تھا۔

لیکن سائنسدانوں کی حیرانی کی اسوقت کوئی انتہا نہ رہی جب وہ دوسرے پڑوسی جزیرے میں اسی نسل کے بندروں کا جائزہ لینے پہنچے جن کا درمیان میں میلوں پانی کی موجودگی کی وجہ سے پہلے گروہوں سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق ہونیکا سوال بھی پیدا نہیں ہوسکتا تھا مگر اس پڑوسی جزیرے کے بندر بھی اب چیز دھو کر کھا رہے تھے سائنسدان اس تبدیلی کی وجہ معلوم کرنے میں لگ گئے مگر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ان بندروں میں سوچ کا تعلق تھا اور ایک گروہ سے سوچ دوسرے گروہ میں پہنچ رہی تھی اور اس نسل کے بھی بندر ارتقاء کی ایک سیڑھی اوپر چڑھ رہے تھے.پھر سائنسدانوں نے اس پر غور کیا تو ماضی میں بہت سے واقعات کی کڑیاں بھی اسی سوچ

کے مشترک ہونے سے ملتی چلی گئیں کے بہت سے لوگ ایک دوسرے سے خاصے فاصلوں پر ہونے کے باوجود بھی ایک چیز یا آئیڈے کے بارے میں سوچ رہے تھے ایک وقت میں دوسائنسدان ایک ملک میں یا دوسرے ملک ہی ایجاد پر کام کررہے تھے۔

گرام بیل نے ٹیلی فون ایجاد کیا مگر اسی وقت ایک دوسرا سائنسدان بھی ویسا ہی ٹیلی فون بنا رہا تھا مگر دونوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ ہی اسکی کوئی خبر تھی۔ گراہم بیل جب اپنی ایجاد (ٹیلی فون) رجسٹرڈ کرانے آیا تو دوسرا سائنسدان صرف پانچ منٹ لیٹ ہونے کی وجہ سے ٹیلی فون رجسٹرڈ نہ کراسکا اور ٹیلی فون کی ایجاد کا سہرا گراہم بیل کے سر بندھ گیا۔ اسی طرح آئن سٹائن جب جرمنی میں ایٹم بم پر کام کرر ہا تھا تو اسوقت امریکہ میں بھی اسی ایٹم بم پر کام ہورہا تھا مگر امریکن اسمیں پیچھے تھے پھر آئن سٹائن کے جرمنی سے فرار ہوکر امریکہ پہنچنے پر امریکہ والے اس تباہ کن ایجاد میں ہٹلر سے آگے نکل گئے ورنہ اگر ہٹلر اسمیں کامیاب ہو جاتا تو پھر غالباً ہیروشیما اور ناگا ساکی کے بجائے نیویارک لندن اور بہت سے اتحادیوں کے شہر کوئلہ بن کررہ جائے۔

امریکہ میں روحانیت پر چھپنے والی مشہور کتاب Conversation with God کے رائٹر کا کہنا ہے کہ وہ اس چار جلدوں پر مشتمل کتاب میں کوئی تین سال مشغول رہا مگر اسمیں کوئی اسی فی صد کام مکمل کرنے کے بعد ایک ایسا دوسرا امریکن ملا جو اس سے بالکل ملتی جلتی اور اسی ضخامت کی کتاب لکھ رہا تھا اور اسکا کام تقریباً مکمل ہو چکا تھا ان دونوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں تھا۔ اور وہ ایسی کسی دوسری کتاب کے لکھے جانے سے مکمل طور پر بے خبر تھے۔

اسی قسم کی بے شمار دوسری مثالیں اور واقعات بھی سائنسدانوں کی تحقیق میں آچکے ہیں۔

اب سائنس دانوں کو یہ معلوم ہوا کے ہر فرد انفرادی ذہن (Individual Mind) ہوتا ہے پھر اسکے گروپ کا ایک مشترک ذہن (Collective Mind) ہوتا ہے پھر انکی سوسائٹی یا کلچر کا ایک مشترک ذہن ہوتا ہے۔ انہیں مشترکہ ذہن سے لوگ ایک ہی قسم کی سوچ مختلف جگہوں پر ہونے کے باوجود لاشعوری طور پر پکڑ کر اسپر عمل شروع کر دیا کرتے ہیں۔

یہاں پر سائنسدانوں کا کام ختم ہوجاتا ہے اب ہم اسی مشترکہ ذہن کی بات لے کر آگے

بڑھتے ہیں۔ ہر جاندار مخلوق کی طرح انسان میں بھی اپنی زندگی برقرار رکھنے کی جبلت سب سے اہم ہوتی ہے اس بات پر سب فلاسفر بھی اتفاق کرتے ہیں۔

ہر سوسائٹی کلچر، قوم و مذہب کا بھی اپنا مشترکہ ذہن ہوا کرتا ہے ہر کلچر یا قوم ایسے لوگ پیدا ہوا کرتے ہیں جو اس کلچر کے مشترکہ ذہن کی سوچ اور خصوصاً ضروریات کے مطابق عمل اور کام کرتے ہیں۔ ہر قوم اپنی بقاء کی جدوجہد میں مصروف ہے جب اسمیں بقاء کا ضروری سامان اور خصوصاً توانائی (Energy) ختم ہوجاتی ہے تو وہ قوم ختم ہوجایا کرتی ہے یا دوسری قوموں میں مخلوط ہو کر نئی شکل اور نئی توانائی حاصل کرلیتی ہے جیسے مسلمانوں کے بجھتے چراغ نے عثمانی ترکوں کو ساتھ ملا کر نئی توانائی حاصل کی ایسی ہی بے شمار مثالیں آپکو تاریخ میں مل جائیں گی زیادہ بقاء کی توانائی رکھنے والی قوم میں نئے علم وٹیکنالوجی اور اپنی بچت کا ضروری ساز وسامان (خوراک وہتھیار) مل جایا کرتے ہیں میری اپنی سمجھ کے مطابق جس سے آپ کا بغیر تحقیق نے متفق ہونا ضروری نہیں ہے کہ دنیا کو تو اللہ نے ہی بنایا اور اسمیں کوئی چیز بھی بلا ضرورت نہیں بنائی ہر چیز کا کوئی نہ کوئی استعمال ہے (سائنسدان اور فلاسفر اس بات سے بخوبی واقف) ہیں اس دنیا کو بنانے کے بعد اسمیں خدا نے اپنے قوانین رائج کئے یہ دنیا انہی قوانین پر ہی چل رہی ہے۔ان میں عمل اور ردعمل کا قانون بھی ہے۔ پھر انہیں میں ایک بڑا اہم قانون قانون علم ہے یعنی جس شخص یا قوم کے پاس جتنا علم ہوگا وہ اتنی ہی دنیا میں ترقی کریگی سائنس وٹیکنالوجی بھی علم کا ہی ایک حصہ ہیں اسی طرح محنت کا قانون ہے یعنی جو شخص بھی محنت کریگا وہ محنت نہ کرنیوالے شخص سے زیادہ پائے گا۔

اسی طرح کشش کا قانون بھی ہے کہ جس چیز کو بھی آپ اوپر سے چھوڑیں وہ زمین کی طرف گرتی ہے اب یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی شخص یا روحانی ہستی اپنی ذہنی یا روحانی طاقت سے اس چیز کو زمین پر گرنے سے وقتی طور پر روک دے اور وہ چیز زمین پر نہ گرے مگر پھر بھی یہ قانون وقتی طور پر معطل ہوا ہے مگر وہ قانون پھر بھی اسی طرح جاری وساری ہے قوانین قدرت اپنی جگہ پر ہیں کہ آپ کھانے پینے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے صحت وبیماری بھی انہی کا حصہ ہے۔ان قوانین میں اہم قانون علم کا قانون ہے علم کیا ہے یہ عقل کے استعمال سے ملتا ہے بائبل میں لکھا ہے کہ خدا کا خوف عقل کی بنیاد ہے۔

جو قومیں علم میں آگے نکل گئی ہیں وہی دنیا پر حکومت کررہی ہیں۔

اور ہم ناکام کیوں ہیں

اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک میں ارشاد ہے میں نے ہدایت کی کتاب (تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے (آیت) اور نیکی کیا ہے اسکی تشریح آگے قرآن پاک میں ہوئی ہے اور قرآن پاک میں ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکی یہ نہیں کہ تم منہ کرو پورب کیطرف یا پچھم کیطرف بلکہ نیکی یہ ہے کہ قرضداروں کی مسافروں یتیموں، مسکینوں (ضرورت مندوں) کی مدد کرو اور سچی گواہی دے (البقرہ۔ 177) (یعنی سب لوگ ایک دوسرے کی مدد کریں اور انصاف قائم کریں) گو دوسری جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ نماز و عبادات اور قرآن پاک کا پڑھنا نیکی ہے مگر اصل اور بڑی نیکی وہی ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے۔

ہم مسلمان اللہ تعالیٰ کے اسی فرمان پر ہی عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہی دنیا میں ہر جگہ محکوم بنے ہوئے ہیں ہم نے اپنے ملک میں انصاف اور کمزور کی مدد والی نیکی تو شاید ہی کی ہو ہر اسلامی ملک میں انسانیت کے حقوق بری طرح سے پامال کئے جا رہے ہیں۔

ارسطو نے کہا کہ علم نیکی ہے کیونکہ جس شخص کو یہ علم ہوتا ہے کہ فلاں کام کرنا نیکی ہے وہ اس کام کو کرنے کی ضرور کوشش کرتا ہے اس لئے علم نیکی ہے۔ اور اس کی مخالفت جہالت بدی ہے یعنی انسان جہالت کی وجہ سے ہی گناہ کرتا ہے۔

کسی بھی زمین پر انصاف اور آپس میں پیار و محبت کی وجہ سے برکت پیدا ہوتی ہے (ہندو اسے شکتی اور بدھ اسے چی کہتے ہیں) اس برکت میں خدا کا کلام پڑھنے سے بھی اضافہ ہوتا ہے کلام الٰہی پڑھنے سے انسان کی اپنی بھی جسمانی و ذہنی اور روحانی توانائی میں اضافہ ہوتا ہے پھر اس زمین پر ہر علم (صنعت و حرفت و ٹیکنالوجی بھی آ جایا کرتا ہے یہی انرجی کا قانون دنیا کی ہر جگہ پر اپنی اپنی صورت میں عمل کرتا ہے اسی توانائی کی کمی کی وجہ سے انفرادی طور پر انسان ناکام ہوا کرتے ہیں اسی توانائی کی کثرت کی وجہ سے کچھ انسان بے حساب کامیابی حاصل کر لیتے ہیں اور اسی توانائی کا ملک کے حالات پر بھی اثر ہوا کرتا ہے یہی انرجی

کسی عام انسان سے شروع ہو کر بہت سے انسانوں میں بھی پھیل جاتی ہے اسی کی وجہ سے ماضی میں کسی پیغمبر یا بڑے لیڈر کے پیدا ہوتے ہی اس قوم و نسل میں ترقی کا دور شروع ہو جایا کرتا ہے۔

586 قبل مسیح میں جب بخت نصر کے یروشلم حملے سے ہیکل سلیمانی تباہ کر کے ساری یہودی قوم کو غلام بنا کر بابل لے جایا گیا تو کیا آپ اس چیز کو اتفاق کہیں گے کہ اس وقت ساری دنیا میں انسانیت کی تاریخ کا سنہرا دور شروع ہوا اسی دور میں مہاتما بدھ، مہاویر (جین مذہب کا بانی) فیثا غورث، لیوتن زو، زرتشت، کنفیوشش اور کیکوش (دارائے اول) پیدا ہوئے ہمارے خیال بلکہ یقین کے مطابق یہی انسان کی برکت کی یہی توانائی یروشلم میں یہودیوں کی غلط حرکات کی وجہ سے ختم ہو کر ساری دنیا میں پھیل گئی اسی وقت توانائی کا سنہری دور شروع ہوا مشرق میں ہنود میں بدھ اور مہاویر جیسے عظیم مصلح (Reformer) پیدا ہوئے جن سے دنیا میں انسانیت کی ایک نئی لہر دوڑ گئی دوسری طرف کنفیوشش اور لن تاؤ نے چین میں نئی فلاسفی اور مذہب کی بنیاد ڈال دی۔

اسی طرح اس وقت ایران میں زرتشت نے توحید کی شمع روشن کی گو بعد میں اس کی تعلیمات کو مانی کی تعلیمات کے ساتھ غلط سلط کر دیا گیا۔

ذہانت حاصل کرنے کے تین طریقے ہیں۔

(I) کچھ لوگ پیدائشی زیادہ ذہین ہوتے ہیں۔

(II) اچھی تربیت سکولنگ سے بھی ذہانت بڑھتی ہے اسی طرح ذہن لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے سے بھی انسان ان سے سیکھتا ہے۔

(III) تیسری اور سب سے اونچی ذہانت روح کی ذہانت ہوتی ہے عام انسان میں ذہانت کا تعلق وراثت، محنت اور اچھی تعلیم و تربیت سے تو ہوتا ہے مگر میرے ذاتی تجربے میں آیا ہے کہ ذہانت کا سب سے زیادہ تعلق روح سے ہوا کرتا ہے ذہانت دراصل روح میں پائی جاتی ہے۔ نماز و عبادات اسی توانائی اور ذہن میں اضافے کا سبب بنا کرتے ہیں مراقبات (Meditation) سے بھی کسی حد تک بڑھتی ہے پہلے بیان کردہ انفرادی فیملی

یا سوسائٹی کے ذہن سے سب لوگ مستفید ہوا کرتے ہیں اسی فیملی کے مشترکہ ذہن کی وجہ سے تہجد گزار والدین کی اولاد میں اکثر دنیا میں بہت ترقی کر جایا کرتے ہیں گو بظاہر انہوں نے خود کوئی خاص محنت یا کام نہیں کیا ہوتا۔

اس فیملی کی توانائی میں کمی کی وجہ سے وہ فیملی دنیا میں کمزور ہونا شروع ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی ختم بھی ہو جایا کرتی ہے۔ اسکی جگہ طاقت ور لوگ (زیادہ توانائی والے) لے لیا کرتے ہیں۔ کئی فیملیوں میں ان کے بچے مر جایا کرتے ہیں۔ اب یہ سو فیصد تو اللہ کو ہی پتہ ہے لیکن میرے مشاہدے میں آیا ہے کہ زیادہ روحانی توانائی رکھنے والوں کے بچے عموماً محفوظ رہتے ہیں اور کم انرجی رکھنے والوں کے بچے فوت ہو جایا کرتے ہیں گو کبھی کبھی کسی کا فوت ہو جانا درحقیقت خوش قسمتی کا باعث بن جاتا ہے اور کسی فیملی میں غلط کردار والے بچے کا زندہ رہ جانا اس فیملی کے لیے مستقل پریشانیوں کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ ''ہو سکتا ہے تم ایک چیز کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے لیے بھلا ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے بری ہو اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔'' (البقرہ ۲۱۵)

میرا یقین مجھے یہ بتاتا ہے کہ ہر نماز اور ہر عبادت کی انرجی اور برکت ہمارے اجتماعی ذہن کا حصہ بن جاتی ہے مگر اسکے صحیح استعمال کیلئے انصاف اور بیرونی سائنسی علوم کا ہونا لازمی ہے۔ پھر سیکھنے کا شوق ہونا بھی لازم ہے۔

☆☆☆☆☆

ارتقاء اور عقائد

ہمارا ایک انفرادی ذہن ہوتا ہے ایک اجتماعی یعنی ہم خود کو جس بھی گروپ یا سوسائٹی سے منسلک سمجھتے ہیں اسکا ایک ذہن ہوتا ہے سوسائٹی کے اس ذہن کی وجہ سے اس معاشرے میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کی اس سوسائٹی کو ضرورت ہوتی ہے میری سوچ کے مطابق یہ لوگ ایسی سوسائٹی یا گروپ کی بقائے حیات اور نشوونما میں مدد دینے کے لیے پیدا ہوتے ہیں اور سوسائٹی میں جتنی زیادہ بچاؤ کی جبلت ہوتی ہے اسکے پاس سامان ضرورت اور دفاع اتنا ہی زیادہ جمع ہو جاتا ہے ان میں نئی نئی ضروری ایجادات بھی زیادہ ہوتی جاتی ہیں کیونکہ ان میں ایسے سائنس دان بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں جو اسے بچاتے رہتے ہیں۔

نپولین کی فوجیں انگلینڈ کے خلاف جنگ کے لیے تیار کھڑی تھیں۔ نپولین کا جنرل اس سے کہنے لگا ''ہماری تیاری مکمل ہے۔ ہتھیار صحیح ہیں۔ فوج کا مورال بھی اچھا ہے۔ توپ خانہ بھی بہترین ہے۔ نامعلوم خدا بھی ہمارے ساتھ ہے یا نہیں۔''

نپولین نے جواب دیا ''خدا ان کے ساتھ ہوتا ہے جن کے پاس توپ خانہ ہوتا ہے۔''

ہم مسلمانوں کو گھوڑے تیار رکھنے کا حکم بھی اسی لیے دیا گیا ہے۔

میرے اپنے تجربے کے مطابق یہ ساری زندگی کی ساری بھاگ دوڑ کی وجہ جہدِ بقاء اور (Survival instant) ہی ہے۔ میرے خیال میں دماغ میں سوچ کے آنے کی وجہ بھی بچاؤ کی جبلت ہی ہے۔

معاشرے میں پائی جانے والی یہ توانائی مختلف علاقوں اور معاشرے میں ادلی بدلی بھی ہوتی رہتی ہے جہاں پر زیادہ شعور زیادہ تعلیم و تربیت اور سکون ملتا ہے۔

میرے خیال میں جس سرزمین پر زیادہ انصاف ہوتا ہے وہاں پر یہ توانائی زیادہ جمع ہونے لگ جاتی ہے اور انصاف کے فقدان اس سوسائٹی اور ملک کے اجتماعی ذہن اور بچاؤ کی توانائی کو آپس میں مخالفت و نفرت اور کھینچاؤ کی وجہ سے نقصان بھی ہوتا رہتا ہے ہمارے ملک

ہیں ہماری سماجی اور معاشی مشکلات کی ایک بڑی وجہ یہی منفی چیزیں ہیں ہم انسانوں کی طرح جانوروں کی بچاؤ کی جبلت بھی انکی مدد میں لگی رہتی ہے مثلاً کئی چھوٹے جانور اور کیڑے مکوڑوں کا موسم کے ساتھ یا ماحول کے ساتھ رنگ تبدیل کر کے کیموفلاج ہو جانا بھی اس میں زیادہ ہے۔

ایسے ہی جیسی ضرورت ہوتی ہے آہستہ آہستہ انسانی جسم میں تبدیل ہوتا جاتا ہے جیسے زیادہ پیدل چلنے والی قوموں کی ٹانگیں دوسری قوموں سے لمبی ہو جاتی ہے اور ان کی پنڈلیوں پر گوشت بھی کم ہوا کرتا ہے جیسے افریقہ کے کالوں میں آپ موٹی پنڈلی والا آدمی نہیں دیکھیں گے اسی طرح علاقے کے موسم کے حساب سے وہاں آ کر رہنے والوں کا رنگ بھی تبدیل ہو جاتا ہے جو کہ اس علاقے میں با آسانی رہنے (گرمی و سردی) کیلئے ضروری ہے جو پٹھان سرحد سے آ کر سرگودھا یا ملتان میں رہتے ہیں تین چار نسلوں کے بعد ان کا رنگ بھی علاقے کے لوگوں جیسے ہونے لگتا ہے یورپ کے لوگوں کا رنگ بھی اسی طرح ٹھنڈے علاقے میں رہنے کی وجہ سے گورا ہوتا ہے۔ جس علاقے میں سردی گرمی دونوں ہوں وہاں پر رنگ کم تبدیل ہوتا ہے گورے رنگ کے لیے سردی کا ہونا لازمی ہے۔ گرمی کتنی بھی ہو انسان برداشت کر لیتا ہے، مگر سردی سے بچاؤ انسانی جان کے لیے ضروری ہے اسی لئے علاقے میں سال کے چند دن سردی بھی رنگ سفید ہی رکھتی ہے۔

انسانوں کے مختلف گروپوں میں اجتماعی ذہن کی ایک دلچسپ مثال آسٹریلیا کے قدیمی لوگوں ایب اور یجنز میں ملتی ہے ایب اور یجنز صحرا اور بیابانوں میں رہتے ہیں اور ان کے گروپ کا ایک لیڈر ہوا کرتا ہے ایک برطانوی عورت جوان لوگوں کی زندگی پر تحقیق کر رہی تھی ان میں مل کر کچھ عرصہ جنگلوں میں پھرتی رہی تھی۔

اس نے دیکھا کہ ان کے گروہ کا لیڈر رات کو خواب دیکھا کرتا تھا اس خواب میں اس کو نظر آیا تھا کہ انکو بیابانوں میں کس جگہ پر انکی خوراک (گوہ سانڈے وغیرہ) صحرائی جانور ملے گی دوسرے دن وہ خواب میں دیکھی ہوئی جگہ پر پہنچ جایا کرتے تھے اور انکی خواب میں دیکھی ہوئی چیز انہیں مل جایا کرتی تھی یہ خواب دیکھنے والا لیڈر کچھ عرصے کے بعد تبدیل بھی کیا کرتے تھے اور کوئی دوسرا فرد لیڈر بن جایا کرتا تھا۔

پھر کچھ دنوں کے بعد انہوں نے اس انگریز عورت کو لیڈر بنانے کا فیصلہ کیا جب عورت

لیڈر بنی تو پہلی رات اسکو خواب نہ آیا سارا گروپ بھوکا اسی جگہ پر بیٹھا رہا اور دوسری رات بھی خواب کے بغیر گزر گئی گروپ اسی طرح بھوکا رہا تیسری رات خواب میں اس عورت کو کرلا (Lizard) وغیرہ نظر آئے تو سارا گروپ اس جگہ سے چلا اور مطلوبہ جگہ پر پہنچ کر اس کرلے کو ڈھونڈ لیا۔

انگریز عورت خوابوں کی روایات کو نہ ماننے والے معاشرے سے تعلق رکھتی تھی۔ اسے لیڈر بننے کے باوجود صحیح خواب نظر آنے میں تین دن لگے تھے۔ تیسرے دن وہ اجتماعی ذہن کا حصہ بن گئی اجتماعی ذہن میں مخصوص افراد کے پیدا ہونے کی ایک مثال آپ کو قدیم یہود میں بھی ملتی ہے. جن میں بڑا عرصہ تک راستہ دکھانے والے (نبی پیغمبر وغیرہ) پیدا ہوتے رہے کیونکہ ان کا عقیدہ اس بات پر تھا کہ ان میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے۔

تبت کے بدھ مت والوں میں بھی اس چیز کی واضح مثال ملتی ہے. جب انکا مذہب کا پیشہ (دلائی لامہ) شروع کر دیتے ہیں. اور مخصوص نشانیوں اور امتحانوں کی مدد سے نئے دلائی لامہ کو ڈھونڈ لیا کرتے ہیں (گو کبھی بھی وہ دلائی لامہ کی زندگی میں بھی نئے دلائی لامہ کو ڈھونڈ لیا کرتے ہیں) ان میں ایسے لوگ پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اسلام کی روحانی دنیا میں بھی یہ عقیدہ ہے کہ اس میں ابدال، غوث، قطب وغیرہ ہوا کرتے ہیں اور انکی یہ بات بھی کوئی ایسی غلط نہیں ہے۔ (گو ان روحانی لوگوں کی طاقت (یا تصرف) کے بارے میں اختلاف با آسانی کیا جا سکتا ہے اور صحیح کیا جا سکتا ہے)۔

آپ کسی بھی روحانی گروپ کے انفرادی ذہن سے توانائی لینے والے کو اس گروپ کا قطب کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ یہاں تک ہوتا ہے کہ اسی طرح کی اجتماعی عبادت اور یقین کی مدد سے کسی صاحب مزار کو بھی (یا اس کے جن کو) بنا سکتے ہیں چاہے اس قبر میں کوئی بندہ دفن ہی نہ ہو۔ بلکہ یہی بزرگ یا جن پھر آپ کو خوابوں اور مراقبوں وغیرہ میں بھی مل لیا کرے گا۔

اگر اسی طرح بہت سے لوگ کسی ایک بھی مزار پر صاحب مزار کو زندہ سمجھ کر دعا کرتے

رہیں گے تو پھر وہاں کچھ نہ کچھ ایسی انرجی اور زیادہ سوچ کی طاقت استعمال ہو تو کوئی جن نما چیز وہاں کری ایٹ اور سٹور ہو جاتی ہے۔اور کئی زیادہ حساس لوگ اسے محسوس کر کے زندہ صاحب مزار ہی قرار دیتے ہیں۔

بہر حال میں یہاں اس بحث میں نہیں جانا چاہتا۔کہ صاحب مزار زندہ ہے یا نہیں (گو میں خود اسے زندہ نہیں مانتا) مگر آپ ماضی کی کسی بھی شخصیت کا تصور خود پر طاری کر سکتے ہیں۔یہ انسانی روح کی ایک عام صلاحیت ہے۔ماضی میں جو بھی انسان پیدا ہوا اس کی وائبریشن (ارتعاش) کائنات میں کہیں نہ کہیں رہ جاتی ہے آپ اس وائبریشن سے رابطہ بھی کر سکتے ہیں۔اگر آپ نے روحانیت میں کچھ ترقی کر لی ہو اور اس چیز کی مشق بھی کی ہو تو یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

اس اجتماعی ذہن کے اثر کی وجہ سے اکثر کئی خاندانوں میں ایسے بچے پیدا ہوتے رہتے ہیں جو کہ ان کی زیادہ ترقی یا تنزلی کا باعث بنتے ہیں۔اور کبھی کبھی اسی اثر کی وجہ سے کئی نوجوان یکا یک برے راستوں سے تائب ہو کر اپنی فیملی کی بہت بڑی مدد اور ترقی کا باعث بن جاتے ہیں۔یہ اکثر نیک اور سچے والدین کی اولادوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔اسی وجہ سے اکثر معمولی ذہانت رکھنے والے کبھی کبھی غیر معمولی کامیابیاں حاصل کر لیتے ہیں۔اسی اجتماعی ذہن کی بدولت سوسائٹی میں عجیب وغریب ذہنی صلاحیتیں رکھنے والے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں جیسے ہم بہت حد تک قسمت کا نتیجہ ہی سمجھتے چلے آئے ہیں۔اسی وجہ سے کئی بار بہت سے بظاہر بڑے باصلاحیت لوگ ناکامیوں کا مسلسل شکار ہونے لگ پڑتے ہیں کیونکہ انکی فیملی وغیرہ کا اجتماعی ذہن اور انرجی وغیرہ بہت کمزور ہو چکی ہوتی ہے دراصل ہم اکیلے نہیں ہوتے ہم سب کی قسمت اور رزق اکٹھا ہو جاتا ہے۔ماں باپ بھائی بہن، بیوی سب کا رزق ہمارے ساتھ ہوتا ہے اور قسمت سانجھی ہوتی ہے جس چیز کو ہم قسمت کہتے ہیں وہ بہت حد تک ہمارا یقین، ہماری محنت، عملی تجربہ، خود اعتمادی، ذہانت، ہمارے وسائل اور تعلقات، مستقل مزاجی

اور والدین یا عزیزوں کی دعائیں ہوتی ہیں۔یہ سب عوامل مل کر انرجی بناتے ہیں۔اس میں سے برے عمل (لوگوں کی بددعائیں) وغیرہ منفی کر لیں۔جس شخص میں بھی یہ انرجی زیادہ ہو وہی شخص زندگی میں کامیاب ہوا کرتا ہے۔ہم ایسے شخص کو خوش قسمت کہا کرتے ہیں۔میرے تجربے اور مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ تہجد گزار فیملیاں دنیاوی طور پر ترقی کر جایا کرتی ہیں۔اس چیز کو سمجھ لینے کے بعد آپ کو معلوم ہوگا کہ بہت سی ایسی چیزیں جنہیں ہم تقدیر سمجھتے آئے ہیں ان کی مختلف وجوہات ہوا کرتی ہیں۔

روزگار شہرت اور سیاسی مقابلوں میں آپ دیکھتے ہیں کہ جب بھی کسی انسان کی انرجی دوسرے انسان کی انرجی سے ٹکراتی ہے (دونوں کی متحدہ آپس میں) تو زیادہ طاقت رکھنے والا انسان جیت جایا کرتا ہے۔آپ انسان کی شخصیت کو تو دیکھ سکتے ہیں مگر اس کے پیچھے موجود انرجی (دعاؤں یا بددعاؤں) کو کم ہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں اسی طرح دو قوموں کے ٹکراؤ میں بھی زیادہ انرجی (توانائی) والی قوم ہی جیتتی ہے۔

☆☆☆☆☆

صبروشکر

خوشی اور خوش قسمتی کے لیے سب سے اہم چیز صبروشکر ہوتی ہے۔ ہم اپنی زندگی کا سب سے زیادہ حصہ ان چیزوں کے انتظار میں گزار رہے ہوتے ہیں جو ابھی ہمیں نہیں ملیں۔ یہ انسان کی نفسیات کا حصہ ہے کہ جو چیز اس کے پاس ہو وہ قدر کھو دیتی ہے اور جو پاس نہ ہو وہ پرکشش لگتی ہے اور جو پہنچ سے باہر ہو وہ تو اور بھی پرکشش ہو جاتی ہے کہ ہمیں اس کے تصور کا نشہ سا پڑ جاتا ہے۔ ویسے بھی ہم اپنا زیادہ تر وقت ایسی چیزوں کے انتظار میں ہی ضائع کررہے ہوتے ہیں جو ابھی ہمیں کچھ عرصے بعد ملنی ہیں اور جب تک ہم انھیں حاصل نہیں کرلیتے اس وقت تک ہم اپنی موجودہ چیزوں سے مطمئن اور خوش نہیں ہوتے اور جب ایک عرصے انتظار کے بعد ہمیں وہ چیز مل چکتی ہے تو اس وقت تک ہمارے ذہن پر پھر سے ایسی ہی دوسری چیز سوار ہو چکی ہوتی ہے اور ہم اپنا زیادہ تر وقت اسی طرح نا مطمئن گزارتے ہیں۔ یہ چیز اللہ کی ناشکری بھی ہے۔

اس کا نفسیاتی پہلو یہ ہوتا ہے کہ آپ اسی وقت خوش قسمت بن سکتے ہیں جب آپ خود کو خوش قسمت مان لیتے ہیں کہ آپ کا لاشعور جب خود کو لکی مان لیتا ہے تو اس وقت ہی وہ آپ کو خوش قسمت بننے کی اجازت دے گا اور آپ کو خوش قسمت بنا دے گا۔ پاس موجود نہ ہونے والی چیز کے تصور میں زیادہ وقت کھوئے رہنے والا خود کو کبھی خوش قسمت نہیں مان سکتا۔

اس لیے خود کو لکی مانیں تو پھر ہی آپ لکی بن پائیں گے۔ اپنی موجودہ چیزوں کے ساتھ خوش اور مطمئن رہنا سیکھیں اور دوسری مطلوبہ چیزوں کی کوشش بھی جاری رکھیں پھر انشاء اللہ آپ کو وہ سب چیزیں آسانی سے مل جائیں گی۔ یہ روحانیت میں ایک بہت ہی بڑا اور اہم سبق ہے۔

اس کے بعد آپکو ایک عجیب قسم کا سکون قلب ملے گا اور لوگوں کے بارے میں ہر قسم کی منفی سوچوں (حسد وغیبت، خواہ مخواہ مقابلہ وغیرہ) سے بھی پکی جان چھوٹ جائے گی۔ منفی سوچوں سے بچنا اور مثبت سوچ کو اپنانا آپ کو بے پناہ ذہنی اور جسمانی توانائی بھی دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

کامیابی اور خوشی

زیادہ تر انسانوں کیلئے دو ہی اہم مسئلے ہیں پہلا روزی کمانا اور دوسرا خوش رہنا (یہ بھی یاد رکھیے کہ آپ کو خود کو ناخوش رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے)۔

اکثر لوگ ان میں سے اگر ایک مسئلہ حل کر بھی لیں تو دوسرے میں ناکام ہو جاتے ہیں اور اگر دوسرا مسئلہ حل کرنا سیکھ بھی لیں تو پہلا انہیں نہیں آتا اور روزی کا مسئلہ حل کیے بغیر کوئی چند دن بھی خوش نہیں رہ سکتا۔

کچھ بد قسمت لوگ دونوں میں ہی ناکام ثابت ہوتے ہیں۔

اگر کوئی شخص روزی کمانا سیکھ بھی لیتا ہے اور وہ خوش نہیں ہے تو کامیاب زندگی گزارنے والا نہیں کہلا سکتا اور اگر کوئی آدمی خوش رہنا سیکھ بھی لے اور روزی کمانا نہ سیکھے تو پھر بھی اسکی خوشی چند روزہ ہوتی ہے۔ زندگی صحیح طریقے سے گزارنے کیلئے ہمیں یہ دونوں کام سیکھنے پڑتے ہیں۔ مادی کامیابیوں اور روزی کمانے کے بارے میں اس کتاب میں آگے بہت کچھ لکھا گیا ہے اس کے بغیر آپ مستقل طور پر خوش ہو ہی نہیں سکتے یہاں پر خوشی کی وضاحت کی گئی ہے۔

ہم میں سے بہت سے لوگ خوشی کو وقتی چیزوں کے پیچھے ڈھونڈنے کی کوشش میں ہیں۔ جیسے کچھ نوجوان یہ سوچتے ہیں کہ اگر ان کے پاس ایک اچھی سی کار یا بڑا سا خوبصورت گھر ہو وہ خوش ہوں گے۔ لیکن جب وہ بڑی جدوجہد اور قیمتی وقت لگا کر یہ چیزیں پا بھی لیتے ہیں تو چند روز کے بعد ان کی یہ خوشی ختم ہو جاتی ہے اور وہ پھر اس نوعیت کی دوسری مادی چیز کے پیچھے خوشی تلاش کر رہے ہوتے ہیں اور وہ اپنی ہی عمر کا تخلیقی اور اہم ترین حصہ وہ اس قسم کی چیزوں کے حصول میں لگا دیتے ہیں ان لوگوں کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ وہ جس چیز کے پیچھے خوشی ڈھونڈ رہے ہیں وہ چیزیں انہیں وقتی طور پر خوشی دے سکتی ہیں مستقل نوعیت کی خوشی نہیں۔

اور خوشی کے پیچھے ایک اور چیز ہوتی ہے اور وہ چیز ہے دلی سکون۔ یہ چیز خوشی سے بھی زیادہ اہم ہوتی ہے کیونکہ خوشی تو سراب کی طرح ہوتی ہے دلی سکون دائمی ہے۔

خوشی کی تعریف بہت سے لوگ اپنے اپنے طریقے سے کرتے ہیں پیاسے کو پانی ملنا

،پرانے دوست سے اچانک ملاقات، بگڑے ناراض اور روٹھے ہوئے محبوب کا دوبارہ فون آجانا (قلندر کہہ رہا ہے قیدی کا جیل سے چھوٹنا یا پاکستانی بچوں کا سکول سے چھوٹی ہونے کا وقت) وغیرہ وغیرہ بلکہ ہم میں سے بہت سے لوگ بجائے حقیقی طور پر خوشی محسوس کرنے کے بجائے اپنے پاس موجود لوگوں کو یہ دکھانے میں مصروف رہتے ہیں کہ وہ خوش ہیں اکثر لوگ ناخوش اس لیے ہیں کہ وہ نہیں جانتے کہ وہ خوش ہیں۔

خوشی آپ کو اندر سے ہی ملے گی جبکہ آپ اسے باہر ڈھونڈتے پھر رہے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اپنے موجودہ حالات سے خوش رہنا سیکھنا چاہیے۔آپ کے پاس ہمیشہ خوش رہنے کے لیے کافی کچھ ہوتا ہے مگر ہم لوگ آدھے بھرے ہوئے گلاس کو آدھا خالی تصور کرتے ہیں کہ یہ آدھا خالی کیوں ہے بجائے خدا کا شکر ادا کرنے کے کہ یہ آدھا تو بھرا ہوا ہے یا پھر ایسے ہی کہ ہمارے پاس نئے فیشن کے جوتے نہیں ہیں. بجائے یہ شکر ادا کرنے کے کہ صحت مند ٹانگیں اور پاؤں تو موجود ہیں۔آپ اپنی موجودہ چیزوں کے ساتھ خوش ہونا سیکھیے تو پھر ہی آپ خوش رہ پائیں گے۔اور پھر ہی آپ اللہ کے شکر گزار بندے بنیں گے۔(گو اس کے ساتھ ساتھ اپنی مطلوبہ چیزوں کی کوشش بھی ضرور جاری رکھیے)۔

خوش خدا کا قناعت پسند بندہ ہی ہوسکتا ہے لالچ کی تو کوئی حد ہی نہیں ہے۔ایک آدھ مشکل یا خواہش تو آپ کا زندگی بھر پیچھا ہی نہیں چھوڑے گی۔کچھ لوگ تو صرف اندرونی سکون کی بات کریں گے لیکن میرے خیال میں سیدھے راستے پر چلنا اور نماز پڑھنا ہی اس کے لیے کافی رہتا ہے۔

آپ کی خوشی کا بڑا دارومدار اپنے قریبی لوگوں سے تعلقات پر ہے۔ہمیں ان سے توجہ محبت اور ریسپیکٹ چاہیے یہ ان سے اسی صورت میں آپکو ملے گی اگر آپ انہیں یہی چیزیں دیتے ہیں۔

آپ کو چاہیے کہ مہینے میں ایک بار خاموش بیٹھ کر اپنے آس پاس کے لوگوں سے اپنے تعلقات کا جائزہ لیں ضرورت ہو تو تعلقات کو رفو کریں۔کچھ اچھے اور کام کے لوگوں سے مہینے میں ایک آدھ بار فون پر حال چال پوچھ لیں یہی کافی ہوسکتا ہے۔

اپنے کلاس فیلوز کے ساتھ تعلقات قائم رکھیں۔وہ آپکے بہن بھائیوں اور عزیزوں کی طرح ہی ہوتے ہیں۔لوگوں سے ملتے وقت خوشی کا اظہار کیجئے۔

پُرمعنی مگر بے ضرر مذاق کیجئے (مذاق میں یہ مت بھولیے کہ کسی کی دل آزاری بہت بڑا گناہ ہے) کسی کو کمتر ہونے کا احساس نہ دلائیے۔ان کی تعریف کیجئے انکا حوصلہ بڑھائیے۔

بہت سے لوگوں میں ناخوشی کی وجہ ضرورت سے زیادہ حساسیت ہے۔عزت نفس کا زیادہ خیال چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناخوش ہوجانا اور کڑھتے رہنا۔اور اکثر ماضی کی گزری ہوئی باتوں پر بھی کڑھتے رہتے ہیں کہ ماضی میں ان سے فلاں کوتاہی ہوئی یا فلاں انسان نے ان سے زیادتی کی یہ اس چکر سے نکل ہی نہیں پاتے. یہ بات حال میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہونے سے بدتر ہے۔کہ ماضی کو تو آپ تبدیل ہی نہیں کرسکتے۔اور اس طرح ضرورت سے زیادہ حساس لوگ ماضی کی کوتاہیوں یا شرمندگیوں کا سوچ سوچ کر ہی خود کو ذہنی مریض بنالیتے ہیں. ماضی کی ایسی باتوں پر مٹی ڈالیں۔دوسروں کی اپنے بارے رائے (Opinion) اور خیالات کی ضرورت سے زیادہ پرواہ کرنا ہی ناخوشی کی سب سے بڑی وجہ ہوتا ہے۔

یہ عادت ختم کر کے ہی انسان خوش رہ سکتا ہے اسلیے کھال تھوڑی سی موٹی کرلیں چاہے آپ اچھی نیت سے کوئی کام کریں یا بری نیت سے لوگ باتیں کرنا کبھی بھی ختم نہیں کریں گے۔

دوسروں سے خوامخواہ مقابلہ کرنے والا اور ضد کرنے والا کبھی خوش نہیں رہ سکتا اور ان سے بچنا لازمی ہے۔زندگی کو آرگنائز کر کے ہی خوشی اور سکون کی حالت میں رہا جاسکتا ہے۔مثلاً اگر آپ آٹھ گھنٹے کام کرتے ہیں تو پہلے گھنٹے میں آپ اپنا پسندیدہ کام ختم کرلیں پھر باقی 7 گھنٹے آپ بڑے مزے میں گزاریں گے. بجائے ناپسندیدہ کام کو آخر میں رکھ کر اپنے سر پر ایک بوجھ اٹھائے رکھنے کے اصول یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو آپ کو خوش کرے وہ صحیح ہے اور جو اداس کرے وہ غلط ہے۔صرف آپکی خوشی کسی دوسرے کی ناخوشی کی قیمت پر نہیں ہونی چاہیے۔

اگر آپ نے مادی زندگی میں کامیاب ہونا ہے تو اسکا ایک ہی شارٹ کٹ ہے اور لمبی چوڑی باتوں (جیسے صحیح سوچ، محنت، صبر اور حوصلہ وغیرہ) کے بجائے صرف خوش رہنا سیکھ لیجئے آپکے آدھے سے زیادہ مسائل حل ہوجائیں گے اور باقی آدھوں کا بھی حل نکل آئے گا۔

قلندر کہہ رہا ہے کہ ہنستے کھیلتے جنت مل سکتی ہے تو روتے دھوتے اسے تلاش کیوں کی جائے۔

روحانیت میں سراب

عملی روحانیت میں انسان کے بھٹکنے کے بہت زیادہ امکانات ہوتے ہیں پھر اسمیں بہت سے اس لائن کے متلاشی لوگوں کو یہ معلوم ہی نہیں ہو پاتا کہ وہ کیا تلاش کر رہے ہیں مثلاً بے شمار لوگ (اور صوفیوں کی اکثریت بھی) خدا کو ملنے (یا پانے) ہی کو روحانیت کی انتہا سمجھتے ہیں حالانکہ یہ کام صرف مراقبے میں ہی ہوا کرتا ہے ہندو اور بدھ مت اس کیفیت کو نروان کہتے ہیں مگر یہ کوئی مستقل کیفیت ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ جسمانی ضروریات انسان کو یہ کیفیت کو ختم کر کے واپس لے آیا کرتی ہیں پھر بے شمار لوگ اس کیفیت سے واپس آئے مگر ان میں سے بھی بہت کم لوگ کشف و کرامات تک پہنچ پائے۔

بہت سے لوگ اس تلاش میں چلے اور ان میں سے خود کو کامیاب نظر کہنے والوں کو ایک روشنی نظر آئی تھی اسمیں مہاتما بدھ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بھی شامل ہیں۔

مگر یہ روشنی تھی جو لازمی طور پر خدا نہیں ہوتا ہے۔

دراصل انسانی دماغ خود کو ہپناٹائز کرنے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے مراقبے یا خواب کی کیفیت میں کبھی کبھی انسان جو خواہش رکھتا ہے وہ اسے نظر آجایا کرتی ہے گو کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوا کرتا کچھ اسی طرح کی کیفیات میں انسان اپنی خواہشات کے مطابق چیزیں بھی دیکھ لیتا ہے جیسے وہ خود کو اپنے سے بڑے ولی اللہ یا بزرگ سے بڑے درجے پر دیکھتا ہے حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا یہ صرف اسکی خواہش کی وجہ سے نظر آرہا ہوتا ہے اپنے کامیاب روحانی تجربات (کامیابیوں اور قبول دعا اور کرامات) کی مدد سے اپنی روحانیت کو پرکھ لیا کریں۔

مغرب میں کچھ لوگ اور مکتبہ فکر انسان میں موجود ذہنی الجھنوں اور کمپلیکسز کی بنیاد واپس ماضی بعید (یا اوائل عمری) کے واقعات میں تلاش کرتے ہیں وہ ان ذہنی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے ہپنوتھراپی (Hypno Therapy) وغیرہ کی مدد لے کر باری باری ایک واقعہ ماضی کو یاد کرا کے ذہن سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اسمیں بہت دیر اور محنت لگتی ہے انسان

طریقہ ورد و اذکار کے ذریعے اپنا انرجی لیول اوپر لے جانا ہے پھر ماضی کی وہ کمزوریاں ہمیں تکلیف نہیں دیتیں اور انہیں دور کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

اوپر لے انرجی کے لیول میں آپ کو ہر مشکل کا حل اور ہر قسم کی معلومات آسانی سے مل جاتی ہیں۔اس لیول پر پہنچنے کے بعد بہتر ہوگا کہ آپ اپنی صلاحیتیں کسی بلند یا کم از کم کسی بڑے مقصد کے لیے لگائیں.بڑے روحانی لیول پر کسی بھی کام کا کامیابی سے کرنا ممکن ہوتا ہے۔صرف آپ ساتھ ساتھ اپنے منتخب شدہ شعبے میں متعلقہ دنیاوی علوم (اسکی تعلیم اور عملی تجربہ) بھی کریں۔تو پھر دنیا میں بڑے سے بڑا کام پایہ تکمیل تک پہنچانا آپ کے لیے ممکن ہوگا۔ کچھ لوگ روحانی معاملات میں زیادہ لفظی معلومات یا اصولوں کے جاننے والے کو ہر بڑا روحانی سمجھ لیتے ہیں گو عملی طور پر ایسے لوگ کسی کی ذرا سی بھی جسمانی اور روحانی مدد نہیں کر سکتے مگر باتوں میں سب کو ہرا لیتے ہیں اس معاملے میں فلاسفر سب سے خطرناک ہیں یہ باتوں میں کسی کو بھی نہیں جیتنے دیتے۔

ایسے کچھ فلاسفر روحانیت میں بھی آگھستے ہیں مغرب میں ماضی قریب میں اسکی ایک مثال شری رجنیش (Osho) تھا جس نے مغرب میں کروڑوں لوگوں کو پیچھے لگا لیا مگر خود کسی قسم کی توانائی کا ماہر نہیں تھا مگر اپنے چیلوں وغیرہ کی مدد سے لوگوں کو ہپناٹائز وغیرہ کر کے انہیں ذہنی طور پر اپنے زیر اثر لے آیا کرتا تھا آج کل کچھ اور انڈین گرو بھی مغرب میں لوگوں کو باتوں کے چکر میں الجھائے ہوئے ہیں۔

روحانیت کا دعوی کرنے والے اور زیادہ باتیں کرنے والے کو ہی فقیر مت مانیں بلکہ دیکھیں کہ وہ کسی کے حالات (بیماری یا دوسرے حالات) بھی تبدیل کر سکتا ہے یا نہیں وہ یہ بذریعہ دعا یا ورد وغیرہ دے کر کیا کرتا ہے اور اسکے پاس جانیوالے اگر سو فیصد نہیں تو کم از کم پچاس فیصد لوگوں کو فائدہ یا افاقہ ہونا چاہیے۔

گو روحانیت کا ایک اصل کام لوگوں کو انکے مسائل اور اسکے حل کا شعور دینا بھی ہے مگر خود کو روحانی کہلانے والے میں کچھ روحانی صلاحیتیں بھی ہونی چاہیں۔

☆☆☆☆☆

شریعت اور طریقت

ہمارے بہت سے لوگ عمر کا خاص حصہ مذہبی قسم کے مشغلوں میں لگانے کے باوجود شریعت اور طریقت (اسلامی روحانیت) کا فرق معلوم نہیں کر پاتے۔

شریعت اسلام کے بنیادی ارکان اور فرائض پر عمل کرنے کو کہتے ہیں جیسے پانچ وقت نماز ادا کرنا، روزہ رکھنا، زکوۃ دینا، حج کرنا اسی طرح کسی سے ظلم وزیادتی نہ کرنا، رزق حلال کمانا، حقوق العباد پورے کرنا وغیرہ۔

طریقت کو صوفیائے کرام اللہ کی تلاش بھی کہتے ہیں زیادہ لوگوں کی روحانیت سے مراد یا خود میں مخفی خدا کی عطا کردہ صفات کو سمجھنا انہیں بڑھانا اور انہیں استعمال کرنا ہے میں خود بھی روحانیت سے یہی مراد لیتا ہوں۔ روحانیت کے اسلامی طریقے (ورد، اذکار، مراقبات وغیرہ) کو طریقت کہتے ہیں۔

اسلام کے موجودہ دور کے بڑے عالموں میں مولانا مودودی شریعت کے بہت بڑے عالم تھے جبکہ طریقت سے ان کا واسطہ نہیں تھا۔ طریقت میں پیر مہر علی شاہؒ یا مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب شریعت وطریقت دونوں کے ماہر تھے۔

میرے خیال میں شریعت میں ہم نے اتنے الجھاؤ ڈالے ہوئے ہیں (اتنے زیادہ فرقے) کہ باریکیوں میں جانا اکثر وقت کا ضائع ہونا ہے۔ آپکو طریقت میں بس شریعت کا اتنا علم چاہیے جو بھٹکنے سے بچائے اور یقین اتنا چاہیے کہ جتنا بھی ملے کم ہے طریقت کے شروع میں شریعت میں زیادہ الجھاؤ میں مت پڑیں۔ طریقت کی بنیاد اور آخر یقین کامل ہی ہے جس کی سب سے اونچی جگہ تو کل الی اللہ ہے۔

قرآن پاک ہمیں اس دنیا اور آخرت میں کامیاب زندگی کیلئے جو پیغام دیتا ہے اس کے چار حصے ہیں اور قرآن پاک میں اس کی مکمل ہدایات موجود ہیں۔ یہ ہدایات مندرجہ ذیل ہیں۔

1-ایمان 2-روزی وکاروباری معاملات 3-معاشرتی زندگی

4-اصلاح نفس وروحانی ترقی (طریقت)

اس میں ہمارے زیادہ تر شرعی علماء صرف پہلے تین پر ہی بیٹھے ہیں اور زیادہ تر صوفی پہلے تین کو تقریباً بھول کر صرف ورد واذکار اور مختلف روحانی مشقیں (ان میں مختلف مذاہب سے لیے ہوئے مراقبات اور مشقیں بھی شامل ہیں) کو ہی مذہب کی تکمیل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہاں دونوں ہی غلط ہیں اور آپ ان چاروں چیزوں پر عمل کر کے ہی ایک کامیاب دنیاوی وآخرت کی زندگی پا سکتے ہیں۔

لیکن طریقت والوں کو شروع میں شریعت میں زیادہ گہرا جانا یا الجھنے کے بجائے شریعت اتنا علم حاصل کرنا ہی کافی ہو جو انہیں بھٹکنے سے بچائے۔ مگر یقین جتنا بھی مل جائے کافی ہے۔

جو لوگ طریقت پر چلتے ہیں ان کی بھی آگے دو شاخیں ہو جاتی ہیں ایک شاخ تو ورد واذکار اور مراقبات کرتے ہوئے اپنا سفر جاری رکھتے ہیں دوسری قسم کے لوگ مختلف قسم کے چلے و عملیات وغیرہ شروع کر دیتے ہیں ان میں بھی ایک نوری عملیات کرتے ہیں اور دوسرے سفلی عملیات بھی کرنے لگ جاتے ہیں عملیات والے لوگ جن، موکل یا ہمزاد وغیرہ قابو کرنے میں لگے رہتے ہیں اور کبھی کبھی ان میں کچھ کامیابی بھی حاصل کر لیتے ہیں پھر یہ جن یا موکل انہیں غیب کی باتیں بتاتے ہیں یا کچھ صورتوں میں کچھ روپیہ پیسہ یا دور کی چھوٹی موٹی چیزیں لا دیا کرتے ہیں یہ لوگ اکثر تعویز گنڈے وغیرہ بھی کیا کرتے ہیں۔ اور ان تعویزوں میں اکثر قرآنی آیتوں کے بجائے جنتر منتر بھی لکھتے ہیں۔ یہ عملیات والے روحانیت والوں سے کم درجے والے (خصوصاً سفلی عملیات کرنیوالے بلکہ دوسرے بھی) ہی رہتے ہیں اور ان کی بتائی ہوئی باتیں کبھی صحیح ہوتی ہیں اور کبھی بالکل غلط ہوتی ہیں۔ پھر ان کے موکلات اور جن انہیں تنگ کرنے میں لگے رہتے ہیں اکثر انکے بچے فوت ہوتے رہتے ہیں۔ بیویاں بیمار رہتی ہیں خوشی میں انہیں شاذونادر ہی دیکھا گیا ہے اپنے گزراوقات کرنے کے لیے یہ لوگوں سے پیسے بٹورتے ہیں اور پھر کام نہ ہونے کی صورت میں (جو اکثر نہیں ہوا کرتا) اپنے پیسے واپس مانگنے والوں سے بچتے بھاگتے اور ان کی بدعاؤں کی وجہ سے مختلف قسم کی پریشانیوں، مشکلات اور حادثات میں پھنستے ہوئے اپنا وقت کاٹ رہے ہوتے ہیں۔ اسکی تصدیق بہت سے عالموں کو ذاتی طور پر ملنے اور کچھ کے حالات پڑھنے کے بعد ہوئی ہے اور یہ بہرحال کروڑ پتی یا عرب پتی بھی نہیں بن پاتے ہیں۔

یہ معلومات مجھے برسوں کی ذاتی تحقیقات کے بعد ملیں۔ اور دوسرے روحانی لوگوں نے

بھی اسکی تصدیق کی۔

روحانیت کے شائقین کو چاہیے کے وہ عملیات وغیرہ سے بچیں اور وردواذکار (قرآنی آیتوں کا ذکر) کرنے سے انسان کی روحانی توانائی (اور جسمانی) بھی بڑھتی ہے اور پھر کچھ وقت اور تھوڑی مشق کے بعد کچھ غیبی باتیں معلوم ہونے لگ پڑتی ہیں۔

کچھ روحانی ترقی کے بعد جو بھی سوال ہو اسکا خود بخود ذہن میں آنے والا پہلا جواب ہی صحیح ہوتا ہے۔یہی اسکا طریقہ ہے اگر آپ کو اسمیں شروع میں ناکامی بھی ہو پھر بھی اعتماد کے ساتھ یہی مشق کرتے جائیں۔کچھ روحانی ترقی کے بعد جو کچھ بھی ذہن میں آتا جائے تیزی سے بولتے چلے جایئے۔اپنے شعور کو بیچ میں دلیل (Logic) کی رکاوٹ نہ ڈالنے دیجیئے۔یعنی اس دوران تیزی میں جو بھی نقطہ یا خیال ذہن میں آئے اسے بولتے جایئے۔تھوڑے ہی عرصے میں آپ کے ذہن میں صحیح اور مستقبل میں ہونے والے واقعات (جو بہت حد تک صحیح ہونگے) بھی آنے لگ پڑیں گے۔آہستہ آہستہ بولنے کی صورت میں انسان کا شعوری دماغ بیچ میں دلیل اور (Logic) کی روکاوٹ کھڑی کردیا کرتا ہے۔تیز بولنے کی صورت میں شعور کو مداخلت کا وقت ہی نہیں ملتا ہے اور لاشعور اپنا پیغام بھیجنے کے لیے آزاد ہو جاتا ہے۔

اس پریکٹس کو جب بھی کریں تو اس وقت یہ سوچ اور یقین رکھنے کی کوشش کریں کہ آپ یہ کام کامیابی سے کرلیتے ہیں پھر یہ کرنا آسان ہو جائے گا۔

غیبی باتیں معلوم ہونے کا اسلامی روحانیت میں سب سے مستند طریقہ سچے خواب ہیں جو کے بعد میں کچھ مشق کے بعد آپ دن کے وقت بھی یہ کیفیت طاری کر کے دیکھ سکتے ہیں۔ (طریقت والے یہ مراقبے کی صورت میں کرتے ہیں) اسطرح دوسرے بہت سے کام بھی (لوگوں کا جسمانی علاج، مدد وغیرہ) عملیات کے بغیر طریقت والے کرلیا کرتے ہیں۔وہ اکثر لوگوں کیلئے دعا کرتے ہیں یا انہیں قرآنی آیات یا اللہ کے نام وغیرہ ورد کرنے کے لیے دے دیا کرتے ہیں زیادہ ترقی کرنے کے بعد یہ لوگ بہت سے مافوق الفطرت کام (جیسے موسم بدلنا یا دور سے مدد کرنا وغیرہ) کرلیا کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

روحانیت انرجی ہے

یہاں پر میں کچھ روحانیت سے متعلقہ ایسی باتیں بتانے لگا ہوں جو میں نے کہیں بھی نہیں پڑھیں مگر غور وفکر کرنے اور تجربات میں آئی ہیں۔

زیادہ وردواذکار اور مراقبات کرنے سے انسان کے اندر ایک اور انرجی جمع ہونے لگتی ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے انسان کے اندر ایک اور نوری انسان بننے لگ پڑتا ہے جو کے زیادہ ترقی کی صورت میں کبھی کبھی جسم سے نکل کر دوسری جگہ بھی اسی انسانی صورت میں چلا جاتا ہے۔حالانکہ انسان درحقیقت اپنے گھر ہی میں موجود ہوتا ہے (اور کبھی کبھی تو ایسے شخص کو خود اسکی کوئی خبر بھی نہیں ہوتی) یہی نوری جسم خاصی قسم کی کرامات (جیسے ذہن میں چیزیں خود بخود اٹھ جانا دور سے فوری علاج ہو جانا وغیرہ) کی وجہ بھی ہوتا ہے اس صورت میں یہ نہیں نظر آیا کرتے یہی انسان کا اپنا نوری جسم جن بھی کہلاتا ہے اور یہ جن خود کسی دوسرے فوت شدہ بزرگ کی شکل میں خود انسان کو بھی نظر آجایا کرتا ہے خواب میں بھی اور کبھی جاگتے میں بھی۔

"جس سے بھی انسان روحانی طور پر متاثر ہو یہ اسی کی شکل اختیار کرلیتا ہے"

انسان کے اندر یہی نوری جسم کبھی کبھی انسان کے قابو سے کچھ باہر ہو کر بولنا بھی شروع کردیتا ہے اور پیش گوئیاں وغیرہ بھی کرنا شروع کردیتا ہے جو اکثر صحیح بھی نکل آیا کرتی ہیں اور یہی نوری جسم اگر زیادہ غلبہ پائے تو کبھی کبھی شعور کو معطل بھی کردیتا ہے ایسی مستقل کیفیت کو مجذوبیت کہا جاتا ہے وقتی طور پر ایسی کیفیت کو جذب کہتے ہیں. گو کچھ ایسے بھی مجذوب ہوتے ہیں۔جو کہ اپنے خواب وخیال کی دنیا سے باہر ہی نہیں آنا چاہتے۔اس میں ان کا لاشعور ان کی اس شدید خواہش کی تکمیل کرتا ہے۔یہ لوگ دنیا سے غافل رہتے ہیں۔

اگر کوئی سالک چند دن خاموش رہ کر اپنی ساری توانائی بچاتا رہے تو پھر چند دن کے بعد اگر وہ کوئی بھی بات منہ سے نکالے گا اسکے پورے ہونے کے امکانات خاصے زیادہ ہوتے ہیں بشرطیکہ انسان مضبوط ذہن اور ارادے کا مالک ہو مجذوبیت کے اصولوں میں بھی یہی بات ہوتی ہے کہ وہ بہت کم بولتے ہیں۔

گو مجذوب کے بارے میں سب ہی صوفیاء کی متفقہ رائے ہے کہ بڑے سے بڑا مجذوب بھی ولائیت صغری میں رہتا ہے ولائیت کبری میں اسکی رسائی نہیں ہوتی۔

کچھ مجذوبوں میں کشف کی کچھ صلاحیت بھی پائی جاتی ہے وہ کسی انسان کو ایسی بات کہہ دیتے ہیں جو اس کے ساتھ ہونے والی ہوتی ہے۔ ہمارے زیادہ تر سیدھے سادے مسلمان اس بات سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مجذوب کا تصرف ہے۔ حالانکہ مجذوب کسی ایسی بات پر تصرف رکھنے کے قابل نہیں ہوتا۔ گو اس پر اندھا اعتقاد رکھ کر اور اپنے یقین کی مدد سے آپ اسکی کسی بھی بتائی ہوئی بات کو تخلیق کر سکتے ہیں۔

نارمل روحانی انسان کے اندر موجود توانائی دوسرے آس پاس موجود انسانوں میں بھی ٹرانسفر ہونے لگ پڑتی ہے اسکا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ اس روحانی شخصیت سے متاثر (Impress) ہوں امپریس ہونے کی صورت میں یہ اندرونی توانائی با آسانی دوسرے انسان میں منتقل ہوجاتی ہے پھر وہ انسان بھی پہلے روحانی انسان والی صفات (چاہے یہ صرف کشف ہو یا کرامت یا دونوں) کا مظاہرہ شروع کر دیتا ہے روحانی لوگوں کی توجہ بھی اسی طریقے سے آیا کرتی ہے۔

یہی چیز مشرق میں پیر اور مرید، گرو اور چیلا کے تعلق کی وجہ ہے کہ یہی روحانی ترقی کی آسان ترین صورت ہے اس بنیاد پر گرونانک صاحب نے فرمایا ''گرو بن گیان نہیں ملدا'' (گرو کے بغیر گیان نہیں ملتا) اور بابا بلھے شاہ کہتے ہیں جاگ بنا دودھ نہیں جمدا۔ بھانویں لال ہوئے کڑھ کڑھ کے (جاگ کے بغیر دودھ نہیں جم پاتا چاہے وہ کڑھ کڑھ کے لال ہوجائے) علامہ اقبال، سلطان باہو، مولانا روم سبھی نے گرو کو روحانیت میں اشد ضروری قرار دیا ہے۔

گو میرے ذاتی تجربے میں آیا ہے کہ بغیر گرو یا پیر کے بھی خالی قرآنی آیات کو پڑھنے سے بھی انسان میں یہی انرجی جمع ہونے لگ پڑتی ہے گو آسان ترین طریقہ یہی پیر و مرید اور گرو چیلا کا ہے۔ کسی بھی طاقتور روحانی شخصیت سے کوئی ورد لیا جائے تو اس ورد کو دہرانے سے اور زیادہ تر وقت اسی شخصیت کا تصور کرنے سے انسان کے اندر جیسے اس شخص کی روحانی انرجی کا پیوند لگ جاتا ہے اور انہی ورد و اذکار کو دہرانے سے یہ

بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس لیے کسی کامیاب روحانی انسان سے ورد لینا زیادہ بہتر اور آسان طریقہ ہوتا ہے۔

اس انرجی کو انسان اپنے شوق یا ضرورت کے مطابق کسی بھی (مادی، ذہنی، آرٹ، سائنس، وغیرہ) طرف لگ سکتا ہے۔ یہی روحانی انرجی جس میں جتنی زیادہ ہو وہ اتنا ہی ذہین بھی ہوتا ہے۔ خالی زیادہ کتابیں پڑھ لینے سے انسان انسائیکلوپیڈیا ہی بن کر رہ جاتا ہے۔ ذہانت یا تخلیق (Creativity) کیلئے انسان کو یہی توانائی چاہیے ہوتی ہے۔ اس توانائی کے بغیر زیادہ مطالعہ اکثر انسان کو الجھا اور پھنسا دیتا ہے۔

یہی روحانی انرجی زیادہ ہو تو انسان اپنے دماغ (اور ذہن) میں موجودہ معلومات میں اس وقت کی ضرورت کے مطابق مطلوبہ معلومات نکال اور چھانٹ کر اسے فوری طور پر استعمال کر سکتا ہے اور دوسروں کو بتا سکتا ہے عام رہنماؤں خصوصاً بحث مباحث کرنے والوں اور سیاسی رہنماؤں کو یہ توانائی بہت مدد گار ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆

مردہ تصوف

اگر ہم تاریخ کا بغور جائزہ لیں تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ جب بھی قوموں پر زوال آیا انہوں نے بے عملی، رہبانیت، یوگ یا بے عمل تصوف کے پیچھے پناہ لینے کی کوشش کی یا پھر اپنی ماضی کی عظمت کی داستانیں دھرانے یا شعروشاعری میں وقت ضائع کرنے لگے۔ تصوف میں اہمیت اندرونی علم کی ہے اور اندرونی علم بیرونی علم سے کسی بھی طرح کم اہم نہیں ہے مگر دونوں کو ملا کر ہی زندگی مکمل ہوتی ہے اہل تصوف اکثر بیرونی علموں میں کورے ہوتے ہیں۔ انکا رجحان رہبانیت کی طرف ہوتا ہے۔ اسلام میں دنیا چھوڑ دینا (رہبانیت) حرام ہے اس دنیا میں رہ کر مسلمانوں کو اپنی قوم کا ساتھ دینے کا حکم ہے۔

ہندوپاک میں اسلام پھیلانے کا سہرا صوفیائے کرامؒ کے سر جاتا ہے مگر اب ان کا کام مکمل ہو چکا ہے صوفیائے اسلام نے اسلام کو کچھ اچھی چیزوں کے علاوہ کچھ بدعتیں اور کچھ غیر اسلامی چیزیں بھی دیں جسمیں پیر پرستی، مردہ پرستی اور قبر پرستی بھی شامل ہے۔ ایسی کچھ چیزیں دراصل ہمیں پرانے ایرانی مذہب سے تحفے میں ملی تھیں۔

مثلاً جیسے زرتشت کے کہنے کے مطابق ہر ہزار سال کے بعد ایک پیغمبر آیا کرے گا اور قیامت سے پہلے ایک مسیحا آئیگا جو ساری دنیا میں حق کو فتح دلوائے گا اس چیز پر ہمارے کئی فرقوں نے اپنے عقائد کی بنیاد رکھی اسی طرح ایرانی مانی مت کے عقائد بھی اسلام میں آگئے۔

فتح ایران کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فتح ایران سے یہ نہیں ہوا کہ ایران مسلمان ہو گیا بلکہ اسلام ایرانیت میں رنگا گیا اب صوفیائے کرام اپنا کام مکمل کر چکے ہیں۔ ہمیں کئی غیر اسلامی رسمیں اور بدعتیں دین سے نکالنی ہوں گی صوفیائے کرام کو ملتے جلتے عقائد ہونیکی کی وجہ سے مقامی لوگوں میں گھلنے ملنے اور انہیں اسلام قبول کرنے کے کام میں آسانی رہی تھی۔ جیسے امریکہ کے پہلے مسلمان شروع میں بلیک مسلم کہلائے اب صحیح اسلام پر آگئے کہ اب وقت صحیح اسلام پر آنے کا ہے۔

علاقوں کے کلچر کبھی ختم نہیں ہوا کرتے بلکہ یہ وہاں آنے والے مذہب کو اپنا لباس پہنا دیتا

ہے ہمیں ہندوؤں سے ذات پات (بشمول سید، یعنی برہمن) اور مقدس جگہوں پر جانا اور تعزیے نکالنا و شب برات، جہیز دینا اور تیاگ دنیا علاقے کے کلچر سے ملا۔ اسی طرح پڑوسی ایرانیوں سے ہمیں قبر میں زندگی کا تصور تحفے میں ملا۔ کہ ان کے عقیدے میں ان کے سب آئمہ کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور تصرف کرر ہے ہیں۔ اسی عقیدے کو ہمارے بریلوی مکتبہ فکر کے لوگوں نے بھی اپنا لیا ہے۔

اب وقت ہے کہ ہم ان غلط رسموں رواج اور مردہ تصوف کو چھوڑ کر اصل مذہب اور زندہ تصوف کی طرف آئیں زندہ تصوف کی مثال آپ کو جناب محی الدین سید عبدالقادر جیلانیؒ سے ملتی ہے جو صوفی بھی تھے اور اسلام میں سے بدعتیں ختم کر کے اسے نئی زندگی دینے والے بھی تھے آپ شریعتی عالم اور کئی اسلامی کتب کے مصنف بھی تھے آپ ہفتے میں چھے دن کاروبار اور کام کاج اور ساتویں دن (جمعہ) کو لوگوں کو ہدایت دیتے تھے کسی دوسرے کے مال و دولت پر زندگی گزارنے کے بجائے انہوں نے شراکت پر کئی کاروبار بھی کرر کھے تھے اسلام دولت سے منع نہیں کرتا بلکہ اسے اللہ سے زیادہ پیار رکھنے سے روکتا ہے اسلام دنیا میں اچھی زندگی گزارنے کا بتاتا ہے اور آخرت میں بھی اچھی زندگی کا بندوبست کرنے کا حکم بھی دیتا ہے.

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (سورۃ البقرہ 201)۔

(اے رب ہمیں دنیا میں اچھی زندگی دے اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا)۔

زیادہ تر لوگوں کے تصوف کا مقصود منتہی فنافی اللہ ہے جو کہ مسمریزم (ہپناٹزم) کی طرح کا سیلف ہپناٹزم (گہرے مراقبے کیطرح) ہوتا ہے جو کے مستقل کیفیت ہو ہی نہیں سکتی ہماری جسمانی ضروریات اسے چھوڑنے پر مجبور کرتی ہیں۔ مہاتما بدھ (جو نروان کے خالق بھی ہیں) نے بیان دیا کہ میں نے یہ نہیں کہا کہ ادھنت (نروان) موت کے بعد بھی موجود رہتا ہے کیونکہ یہ اخلاقی طور پر فائدہ مند نہیں ہے اور نہ ہی اس سے کوئی اعلیٰ حکمت عملی حاصل کی جاسکتی ہے۔

تصوف میں ضرور مصروف رہیں لیکن ساتھ ساتھ اپنے دنیاوی کام و کاروبار بھی پوری

طرح انجام دیں یہی زندہ تصوف کا حصہ ہے۔

تصوف کو اسلام میں لائیں اسلام کو تصوف میں مت لائیں زندہ تصوف کا مطلب شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے روحانیت میں ترقی کا ہے پھر مردہ تصوف کا طریقہ یہ بھی ہے جو بھی کسی مشکل میں مبتلا پیر (یا سالک) کے پاس آیا بغیر اس کی ذہنی حالت بہتر بنانے کے اور اسے اسکے حالات کا شعور دینے کے اس کے ہاتھ میں تعویز پکڑا دیا یا کوئی دعا پڑھنے کو دے دی اور اگر ان کی مدد ہو بھی جائے تو بھی ایسی چیزیں لوگوں کو پیر و تعویز و گنڈے و کرامات پر بھی انحصار کرنا سکھاتی ہے یہی لوگ ہر مشکل کا حل ایسی ہی چیزوں میں ڈھونڈتے ہیں چاہیے تو یہ کہ اسے (پیر) مشکلات کیوجہ بتائے اور مشکلات کا حل یا علاج مریض خود کرے اور اگر پھر بھی افاقہ نہ ہو۔ تو پیر اسکا روحانی طریقے سے علاج کرے یا کسی ماہر یا ڈاکٹر سے رجوع کرنے کا کہے گو کے میرے تجربے کے مطابق مستقل جسمانی تکلیفوں کا ڈاکٹر کی بجائے روحانی و نفسیاتی علاج اور پرہیز ہی اکثر زیادہ بہتر رہتا ہے لوگوں کو سائنس کی معلومات سے مستفید ہونا چاہیے اور تصوف سے بھی۔

ذہنی و جسمانی محنت بھی پوری طرح کی گئی اور روحانی اور توکل کو بھی استعمال کیا جائے مجھے یقین ہے کہ پھر ہم لوگ مغرب سے بھی کئی گنا زیادہ تیز رفتاری سے ترقی کر سکیں گے علامہ اقبال نے اپنی اشاعری میں زندہ تصوف کا پیغام دیا ہے، فرماتے ہیں۔

"نقل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری۔۔ کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ دلگیری"

رسم شبیری یعنی ظلم کے خلاف جنگ کا بتایا ہے یعنی کسی چیز کے لالچ میں مت آئیں لوگ علامہ صاحب پر شریعت کے معاملے میں اعتراضات کرتے ہیں دراصل علامہ صاحب زندگی کی ابتداء میں وحدت الوجود پھر وحدت الشعور اور بڑھاپے میں پھر وحدت الوجود پر چلے گئے تھے۔ (قلندر کہہ رہا ہے کہ بڑھاپے میں اکثر لوگ یہی کچھ کیا کرتے ہیں)۔

آپ کسی چیز کے زیادہ لالچ میں نہ پڑیں مگر ترجیح دیں مثبت سوچ کو منفی پر، امارت کو غریبی پر، صحت کو بیماری پر، خوشی کو غمی پر، ہنسی کو رونے پر، پیار کو نفرت پر، دوستی کو دشمنی پر، چستی کو کاہلی پر، بھرے پیٹ کو بھوک پر، کام کو فراغت پر، صبر کو بے صبری پر، دنیا کو ترک دنیا پر، علم کو جہالت پر، صلح کو جھگڑے پر، تدبیر کو تقدیر پر، بیرونی علم کو اندرونی علم پر (غیر روحانی لوگ

بیرونی علم کو ہی ترجیح دیں جبکہ کچھ روحانی ترقی کے بعد اندرونی علم ہی زیادہ اہم اور قابل اعتماد ہو جاتا ہے)۔

ہمارے ملاؤں کے پاس لوگوں کو غلط پٹری پر لگانے کے لئے کئی مثالیں اور طریقے موجود ہوتے ہیں۔ مثلاً حضرت محمد ﷺ کے گھر میں کئی کئی دن فاقے رہتے تھے اسی لیے مسلمانوں کو بھی اسی طرح کے کام کرنے چاہیے۔ حالانکہ آپ ﷺ مکہ کے کامیاب ترین تاجروں میں سے تھے پھر حضرت خدیجہؓ سے شادی کے بعد آپ ﷺ کی مالی حالت اور بھی مضبوط اور Stable ہو گئی تھی۔ اسی طرح کے اور بھی بہت سے واقعات (اکثر صوفیائے کرام کے) سنا سنا کر وہ مسلمانوں کو اسی طرف لگا رہے ہوتے ہیں۔

روحانی مشاغل میں مصروف لوگوں کی جب روحانی ترقی (قبول دعا اور کشف و کرامات) شروع ہو جاتی ہے تو پھر انہیں اپنے کچن سے فارغ ہو کر (یعنی معاش کو صحیح کر کے) اسے اپنے یقین پر عقل اور دلیل (Logic) کا کنٹرول ختم کرنا ہی اسے بڑی روحانی ترقی کی طرف لے جائے گا ورنہ معاشی پریشانیاں بہت بڑی اکثریت کیلئے روحانی ترقی کے راستے میں سب سے بڑی دیوار ثابت ہوتی ہیں۔ بلکہ ذریعہ معاش کا زیادہ کمزور ہونا روحانیت میں مصروف بہت سے شاہین صفتوں کو گدھوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ مجھے اس بات کا بہت سے روحانیت میں مصروف لوگوں کی زندگی میں دیکھنے کا اتفاق ہو چکا ہے۔ بلکہ پہلے یہ مسئلہ حل کر کے پھر ہی روحانیت کی طرف آئیں۔ ایسے لوگ اپنی دلیل (Logic) کی وجہ سے اپنے یقین اور روحانیت کو کمزور مت کریں۔

مگر عملی دنیا میں مصروف خصوصاً ہمارے سربراہ مملکت، کاروباری، فوجی اور انتظامیہ کے سربراہوں کیلئے دلیل یا (Reason) کو ختم کرنا ملک کی تباہی کا سبب ہی ہوگا۔ گو یقین، مثبت سوچ، (Optimism) کے ہتھیار کے ساتھ محنت اور آرگنائزیشن پر انہیں پورا زور دینا اور عمل کرنا چاہیے۔

☆☆☆☆☆

سحر جادو اور وہم

پاکستان میں بہت سے لوگوں سے ملنے کے بعد مجھے یہ اندازہ ہوا ہے کہ ہمارے ملک میں خاصی بڑی تعداد میں لوگ خود کو جادو کا شکار سمجھتے ہیں گو میرے ذاتی مشاہدے اور تجربات میں آیا ہے کہ پاکستان میں گراہ اور جادو کے شکار 98 فیصد لوگ صرف وہم کا شکار ہوتے ہیں۔

اسکی مثال اسطرح ہوتی ہے جیسے بہت سے لوگ یہ شگون لیا کرتے ہیں کہ صبح صبح فلاں منحوس شخص میرے "متھے" لگا تھا اب سارا دن برا گزرے گا اور اکثر ان کا دن برا ہی گزرتا ہے اس لیے، بہت سے دوکاندار صبح سویرے کسی کو سودا ادھار نہیں دیتے یا کسی کو صبح پیسے بھی ادھار نہیں دیتے۔

یہ دراصل آپکے لاشعور کی طاقت ہی ہے جو یہ فیصلہ کرتی ہے کہ آج کا دن اچھا گزرے گا یا برا۔اگر آپ کسی وجہ سے اس وہم میں پڑ جاتے ہیں کہ آپ کا دن برا گزرے گا تو لاشعور آپکے دن کو برا بنا کر چھوڑے گا۔

ہمارے ملک میں وسائل کی کمی ہے مسائل زیادہ ہیں بہت زیادہ تعداد میں لوگ اپنے کاموں کی ترقی کی جو رفتار چاہتے ہیں وہ انہیں نہیں ملتی (اکثر ہم لوگ اپنے کام پرنس چارلس کی طرح ہوتے دیکھنا چاہتے ہیں) تو انہیں یہ وہم پڑ جاتا ہے کہ ان پر کوئی گرہ یا جادو ہے اور جب یہ وہم دل میں بیٹھنے لگتا ہے تو پھر اپنے راستے کی ہر دشواری ہر سر درد، ہر ناکامی کو یہ جادو کے پلڑے میں ہی ڈالتے چلے جاتے ہیں اور ان کا وہم ان کے دل میں گہرا اترتا چلا جاتا ہے اور اس وہم کے نتیجے میں ان کے کام الٹے ہونا شروع ہو جاتے ہیں یہ خود پر خود ہی مسلط کئے ہوئے (Self imposed) جادو کے شکار ہو چکے ہوتے ہیں۔

اشتہاری عاملوں کا تو کام ہی یہی ہوتا ہے کہ اپنے پاس آنے والے ہر آدمی کو جادو ہونے کا بتا کر انکی جیبیں ہلکی کریں کیونکہ ان کے پاس تقریباً سارے اسی وہم میں مبتلا لوگ جاتے ہیں جب بھی کوئی آدمی ان کے کمرے میں داخل ہوتا ہے تو وہ پہلے اس کے معا

معاملات کی بندش کا بتاتے ہیں (جو کہ پاکستان میں 80 فی صد لوگوں کا مسئلہ ہے) اکثر ان کا تکہ صحیح بیٹھتا ہے .ورنہ وہ اسی بات کو گھما کر بدمزگی اور پریشانی کا بتاتے ہیں کہ یہ جادو کی وجہ سے ہے۔

اب چھ سات بندوں کی اوسط فیملی میں ان میں سے اگر یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے تو یہ ایک معجزہ ہے خصوصاً اگر اس گھر میں پرائے گھر سے آئی ہوئی بہو بھی موجود ہو۔بہت سے عاملوں کے پاس تجرباتی طور پر جانے کے واضح ہوا کہ ان سے کوئی بہت ہی مضبوط عقیدے کا آدمی بچ کر آ سکتا ہے۔میرے تجربے کے مطابق اشتہاری عاملوں کے پاس جانا بہت بڑی حماقت ہے (بہر حال اشتہاری عاملوں کی تعداد میں روز بروز اضافے کی وجہ ہمارے غلط عقائد ہیں)۔ میں خود بہت سے پیروں (خودساختہ اور اصلی) اور نام نہاد اشتہاری عاملوں کو مل چکا ہوں۔مزے کی بات یہ ہے کہ جب بھی یہ میرے ساتھ کھلے تو ان میں اکثریت نے خود پر جادو ہونے کی شکایت کی اور مجھ سے اس میں مدد مانگی۔ان کے کہنے کے مطابق ان کے دوسرے "کاروباری رقیبوں" نے ان پر گرہ جادو کیا ہوا تھا۔

جادو کے وہم میں مبتلا لوگ اگر کسی غیر پیشہ ور حساب کرنے والے یا لوگوں کے مفت مسائل حل کرنے والی نیم روحانی یا روحانی شخصیت کے پاس اپنے مسائل لے کر جاتے ہیں تو وہ بھی انہیں یہ ہی بتاتے ہیں کہ ان پر جادو ہوا ہے اور در حقیقت وہ انہیں غلط نہیں بتا رہے ہوتے کہ ان پر جادو ہوا ہے کیونکہ ان کے پاس آنے والی شخصیت اپنے دل میں جادو کا وہم مسلط کر چکی ہوتی ہے۔ایسے لوگوں کے منہ سے جادو ہونے کا سن کر تو ان کا وہم مزید پختہ ہو جاتا ہے اور پھر ان کے ذہن میں ہر چیز کے بارے میں منفی خیالات بھی آتے رہتے ہیں جسکے نتیجے میں ان کے سب کام الٹے ہونے لگ پڑتے ہیں زندگی میں کامیابی کیلئے مثبت اور پر امید رہنے کی اشد ضرورت ہوتی ہے جادو کے وہم میں مبتلا شخص امید و ہمت گنوا کر ناامیدی اور مایوسی کی دلدل میں پھنس کر رہ جاتا ہے حالانکہ مایوسی کو کفر بھی کہتے ہیں۔پھر یہ شخص اسے اپنے بچوں کو نہ پڑھنے ،بچیوں کے رشتے نہ ہونے بیوی کی بیماری اور ہر طرح کی پریشانی کو جادو کے کھاتے میں ہی ڈالتا چلا جاتا ہے ان میں سے بہت زیادہ وہمی طبیعت کے لوگ تو یہ بھی یاد کر لیتے ہیں کہ ان کے گھر کے اندر پچھلے سال کوئی بکری کا کان پڑا ہوا ملا تھا یا ان کے کپڑوں پر چند ماہ پہلے

خون کے دھبے ملتے تھے۔اور یہ سب جادو ہونے کی نشانیاں ہیں(حالانکہ بکری کا کان انکے پڑوسیوں کی بلی قصاب کی دکان سے اٹھا کر لائی تھی اور خون کے دھبے غالباً مچھروں سے لگے تھے)برادران خون لگے ہوئے یا کپڑے کٹے ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہاں بھوت یا بدروح بذات خود بیٹھی ہوئی ہے۔

صرف دو فیصد لوگوں پر اصلی جادو ہوا ہوتا ہے یا بد دعا لگی ہوتی ہے دراصل یہ دونوں سوچ کی ہی طاقت ہوتی ہے کسی بھی چیز کو مان لینا اس کے امکانات کے دروازے کھول دیتا ہے جو لوگ جادو نہیں مانتے ان پر اصلی جادو بھی بہت کم اثر کرتا ہے یا بالکل اثر نہیں کرتا جبکہ ماننے والے پر اسکا بہت زیادہ اثر ہوا کرتا ہے اس کتاب کے ختم کرنے سے کچھ دن پہلے چکوال میرے گھر ایک نوجوان مجھے ملنے آیا غریب سے گھر کا یہ نوجوان مجھے پہلے بھی دو تین بار مل چکا تھا۔

حال چال پوچھنے کے بعد مجھے بتانے لگا میری ماں بیمار رہتی ہے۔اسے سائے کی تکلیف ہے۔میں بڑا خرچہ کر چکا ہوں مختلف عاملوں کے پاس سے ہو کر آچکا ہوں پچھلے دنوں چکوال چینل پر آنے والے لوکل مشہور عامل عرف ''ڈھوڈر'' کے چکر میں لگا رہا ہوں وہ مجھ سے کوئی بیس ہزار روپے لیکر ہضم کر چکا ہے اور ماں وہی بیمار کی بیمار ہے۔

ڈھوڈر سے شکایت کی تو وہ مجھے دوسرے لارے دینے لگا کہ میں تمہیں روزگار میں مدد کردوں گا اس سے سختی سے بات کرنے یا اسے پیٹنے سے ڈر لگتا ہے کہ وہ مجھ پر ہی کوئی جادو ہی نہ کردے۔مجھے یہ سن کر افسوس بھی ہوا اور ہنسی بھی آئی۔بہرحال اسے بتایا''کسی دن آنا اکٹھے چلیں گے۔وہ ڈھوڈر مجھے جانتا ہے وہ پیسے واپس کرے گا۔یا میں اسکا صحیح بندوبست کروں گا''

مجھے پہلے بھی ایسے کئی نقلی اور اصلی عاملوں کی ٹنڈ کرنے کا خاصا تجربہ ہے۔

پھر اسے بتایا کہ اس کی ماں پر سایہ، جادو یا آسیب کچھ بھی نہیں۔وہ صرف وہم میں مبتلا ہے۔لیکن اب تم اسے لاکھ بتاؤ کے اسے وہم ہے کوئی سایہ وغیرہ نہیں۔وہ تمہاری بات نہیں مانے گی۔

اب تم نے یہ کرنا ہے کہ ایک ڈبہ لیکر اس میں آٹے کا بنایا ہوا پتلہ رکھنا ہے۔اور اس میں پرانے چھوٹے رنگ برنگے کپڑوں کی کترنیں ڈال کر اس ڈبے میں مختلف رنگ اور مصالے ڈالنے ہیں۔پھر اس پتلے کے سر میں اور اس جگہ پر زنگ آلود پرانی سوئیاں گھاڑنی ہیں۔جس مقام پر ماں کو درد کی شکایت ہے۔اب اس پتلے کو گھر میں کہیں بھی صحن میں دفن کر دینا ہے۔

پھر اگلے چند دن کسی مشہور عامل بابا کی تعریف کرنی ہے۔اور اس کے بعد ماں کو بتانا ہے کہ اس بابے نے مجھے گھر میں وہ جگہ بتائی ہے جہاں پر جادو دفن ہے۔

تم نے پہلے دن غلط جگہ کھودنی ہے۔ناکام ہونے پر پھر بابے کے پاس جانے کا ڈھونگ کرنا ہے اور پھر نئی اصل جگہ سے کھود کر''کالا جادو''نکال لینا ہے۔پھر اسے باہر کہیں دور کسی کنویں میں پھینک دینا ہے۔

ماں یہ سب کچھ دیکھ کر خود ہی صحت یاب ہو جائے گی۔

پھر اس کے بعد تم نے خود ہی پانی پر 19 بار آیت الکرسی پڑھ کر وہ پانی کونوں میں 11 دن تک صبح شام چھڑکنا ہے۔اور ماں کو مصروف رکھنے کے لیے کوئی بھی قرآنی آیت دن میں دو بار آدھے گھنٹے تک پڑھنے کا بتانا۔اور کہنا کہ جلالی عامل بابے کا حکم ہے کہ اس پر ضرور عمل کیا جائے۔

وہ نوجوان میری تجویز پر خوش ہوا اور عمل کرنے کا وعدہ کرکے چلا گیا۔

میں پہلے بھی کئی بار ایسا ڈرامہ کر کے کئی عورتوں کی جادو اور سائے وغیرہ سے''جان بخشی''کروا چکا تھا۔یہ اسلیے کرنا ہوتا ہے کہ جن کو یہ وہم ہو چکا ہو کہ وہ خالی باتوں سے نہیں مانتے۔انہیں عملی طور پر ہی کچھ دیکھنے کے بعد ہی یقین آیا کرتا ہے۔

گو نئے لوگ میری باتیں سن کر جادو کے وہم میں پھنسنے سے ضرور بچ جاتے ہیں۔لوگوں کو چاہیے کے وہ جادو کے وہم سے بچیں۔پھر اپنے مستقبل کے منصوبے بھی تکمیل سے پہلے لوگوں کو بتا کر انہیں حسد کا شکار نہ کریں۔منصوبہ پورا ہو گیا تو لوگ خود بھی دیکھ لیں گے۔اور جسکو جادو کا وہم ہوا اسکو چاہیے کہ سورہ فلق مغرب کے بعد ہر شام 101 بار پڑھ کر پانی پر پھونک کر خود اور گھر والوں کو مہینہ بھر پلائیں اور گھر کے کونوں میں بھی چھڑکیں اور پھر سب اثر ختم

ہوجائے گا بہتر ہے کہ ایسے لوگوں کو کسی نہ کسی ورد یا ذکر میں مصروف رکھیں یہی انکا علاج ہوتا ہے۔

جادو اور سحر کا وجود تو ہوتا ہے لیکن اسے نہ ماننے والے پر (یا یہ سوچنے والے پر کہ اس پر جادو نہیں ہوسکتا) اسکا اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔اصلی عامل کے کیے ہوئے جادو کا اثر نہ ماننے کی صورت میں 10% سے زیادہ نہیں ہوتا جبکہ خود پر جادو ہوا مان لینے کے بعد یہی اثر بڑھتا بڑھتا 90% تک چلا جاتا ہے۔

کاش وہ لوگ جو جادو کے وہم کا شکار ہیں اسی شدت سے یہ یقین کرلیں کہ انکی زندگی میں کامیابیاں اور کامرانیاں ملیں گی کیونکہ انہوں نے کسی سے کوئی زیادتی نہیں کی تو میرا دعوی ہے کہ انکو تھوڑے دنوں کے بعد ہر طرف سے کامیابیاں ملیں گی۔اشتہاری عامل مکمل فراڈ اور ٹھگ ہوا کرتے ہیں۔ان میں سے اکثر حکمت میں ناکامی کے بعد عملیات میں آئے ہوتے ہیں میں ان میں سے بیسیوں کو مل کر ان سے حقیقت دریافت و معلوم کر چکا ہوں بہر حال پھر بھی پیشہ ور عاملوں اور جادو ٹونے کے ماہروں سے میرے دوست قلندر کی درخواست ہے کہ وہ صدر بش پر بھی جادو کر کے دکھائیں تا کہ ساری دنیا کی اس سے جان چھوٹے۔

جو لوگ خود کسی پر جادو ٹونے کرنے اور انکا نقصان کرنے کے چکر میں رہتے ہیں وہ یہ یاد رکھیں کہ دنیا کا پکا قانون ہے کہ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

جو مشکل آپ کسی کے لیے کھڑی کر رہے ہیں وہ جلد یا بدیر آپ کے پاس واپس آئے گی ایسے ٹونہ وغیرہ کرنے والے (عام لوگ یا عامل) یہ سمجھتے ہیں کہ انکے شکار کو کیسے معلوم ہوگا کہ ان پر جادو کس نے کیا ہے یہ سوچنا دراصل عقل کا ہی گھاٹا ہے.تو بیوقوف شیطانو! جس پر ظلم ہوا اسکی بددعا سیدھی ظالم کے گھر پر پہنچتی ہے بددعا کو گھر معلوم کرنے یا کسی سیانے عامل یا بابے کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ سیدھی آلگتی ہے۔کسی پر بھی جادو ٹونہ مت کریں بعض دفعہ مشکلات کے شکار لوگوں کی بددعائیں ساری عمر پیچھا نہیں چھوڑتیں۔جادو کے وہم میں مبتلا لوگوں کو ایک احتیاط ضرور کرنی چاہیے کہ وہ مالی مشکلات سے نکلنے کیلیے راتوں رات امیر بننے کے پلان چھوڑ کر قدم بقدم کاروباری ترقی کا سوچیں۔پھر وہ ان نقصانات سے نکل آئیں گے میں نے اکثر ان لوگوں کے دل میں راتوں رات مالدار ہونے کا خیال

دیکھا ہے.جو کہ عملی دنیا میں بہت کم ہی پورا ہوتا ہے اسی چکر میں وہ مزید نقصانات کرتے رہتے ہیں۔

پڑھے لکھے انسان کو سمجھانا کافی ہے کہ اگر وہ خوشی کی سوچ زیادہ ذہن میں گھمائے گا تو کچھ عرصہ کے بعد خوش قسمت بن جائے گا اور بدقسمتی گھمائے گا تو بدقسمت۔اسی طرح جادو بدقسمتی کی سب سے بری قسم ہے جو انسان کو نہ صرف مالی بلکہ ہر معاملے میں روکتی ہے۔

آج کل اصلی جادو کہیں بھی نہیں پایا جاتا اسے ماننے سے انکار کردیں (قلندر کہہ رہا ہے کہ اس معاملے میں وہابیوں کی سوچ سے ہی فائدہ اٹھائیں تو بہت بہتر ہوگا) ایسی سوچ کہ مجھ پر جادو ہو ہی نہیں سکتا سب سے بہتر، صحیح اور دانشمندانہ سوچ ہوتی ہے پھر آپ پر کسی ایسی چیز کا اثر نہیں ہوگا۔

آخر میں آسان لفظوں میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہر انسان کے اندر ایک خود اعتماد اور طاقتور شخصیت اور حصہ (ونر) ہوتا ہے۔اور ایک شخصیت کا کمزور اور غیر خود اعتماد حصہ (لوزر) ہوتا ہے۔انسان جو کام بھی ونر کی حالت میں کرے وہ نوے فی صد ہو جاتا ہے اور لوزر کی حالت میں کیا گیا کام نوے فی صد نہیں ہوا کرتا۔خود اعتماد اور طاقتور حصے کے سو جانے کو جادو کہا جاتا ہے چاہے یہ کام کسی نے دور سے اپنی سوچ یا عمل کی طاقت سے کیا ہو یا یہ سوچ انسان نے خود پر مسلط کر لی ہو۔جب یہ ونر کا حصہ سو جاتا ہے تو انسان پر جادو ہوا سمجھیں اور اس مضبوط اور طاقتور (ونر اور شیر والے) حصے کے جاگنے کو جادو کا خاتمہ سمجھیں۔

☆☆☆☆☆

غلط روحانی عقائد

برسوں پہلے مغرب میں لکھی ہوئی روحانیت کی ایک کتاب پڑھنے کا اتفاق ہوا اس میں رائٹر (مصنف) نے لکھا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کو ضرورت ہوتی تو وہ ایک اشارہ کرتے تو بنی بنائی کار سامنے آجاتی اسی طرح میرا ایک ہندوستانی دوست نیٹو جو روحانیت میں دلچسپی رکھتا ہے کہنے لگا آجکل کی سائنسی ترقی کچھ بھی نہیں ہے یہ سب کچھ کہیں نہ کہیں موجود ہے اور مستقبل میں انسان اسے بغیر مشینوں کے بھی کیا کرے گا۔

اس پر میں نے دفتر میں پڑی فیکس مشین کیطرف اشارہ کرکے کہا۔ یہ جو دوسرے ملکوں میں یہاں سے صفحے سیکنڈوں میں چلے جاتے ہیں۔ یہ کچھ بھی نہیں ہے اور اسے بغیر مشین کے بھی کیا جاسکتا ہے۔ نیٹو کہنے لگا کہ یہ اب بھی کچھ لوگ کرسکتے ہیں اور مستقبل میں خاصے زیادہ لوگ کرسکیں گے یا اگر کوئی نہیں کرپائے گا تو اسکا کوئی قریبی دوست اسکی مدد کریگا۔ اس پر مجھے وہی برسوں پہلے سوچی ہوئی بات یاد آگئی کہ چند لوگ تو بغیر ٹرانسپورٹ کے سینکڑوں میل کے فاصلے پر چلے جاتے تھے (یعنی روحانی اور فقیر لوگ) اسی طرح فاصلے پر دوسری چیزیں کرنا بھی ممکن ہے. لیکن یہ تو سائنس کا ہی کمال ہے کہ کار، ہوائی جہاز جیسی ایجادات کو گھر گھر پہنچایا تاکہ جس کا دل چاہے جب چاہے سینکڑوں میل دور چلا جائے۔ پہلے لوگ بے موسم پھل لاسکتے تھے لیکن اب فریج ہر گھر میں موجود ہے. ہمارے بے شمار بزرگوں اور سیانوں نے تو ساری عمر ہی کیمیا گری جیسی شارٹ کٹ ڈھونڈنے میں لگادی جبکہ لوہے سے بنی ہوئی بندوق آجکل وزن کے حساب سے سونے سے مہنگی بکتی ہے اور یہ مغرب والے برسوں پہلے کارخانوں میں سینکڑوں کی تعداد میں بناتے ہیں۔ روحانی علاج کرنے والے آج بھی موجود ہیں لیکن دوائیاں گھر گھر پہنچانا بھی سائنس کا کام ہے۔

بالفرض اگر ہم روحانی طاقت سے بھی ان کاموں کو کرتے رہیں تو پھر دنیا کی ساری سائنسی ترقی ہونا بند ہوجائیگا اور پھر مطلب یہ بھی ہے کہ سائنس دان پھر فقیروں (روحانی طاقت والے) سے بھی بڑے فقیر ہوئے۔

گو سائنس کی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے مغرب کی ساری ترقی کا راز اسی میں پوشیدہ ہے مگر دوسری طرف انسان کی کچھ ایسی صلاحیتیں ہیں جو روحانیت میں آتی ہیں جیسے وجدان کے بارے میں بیسویں صدی کے مشہور فلاسفر "برٹرینڈ رسل" نے اپنے آخری دنوں میں کہا دنیا کے بڑے فلاسفروں نے سائنس اور باطنیت کی ضرورت کو تسلیم کرلیا ہے عقل صرف ہم آہنگی پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ تخلیقی قوت نہیں ہے خالص منطقی دنیا میں بھی انسان کا وجدان ہی پہلے حقیقت پر پہنچا ہے (عقل نہیں)۔

دنیا کے عظیم ترین سائنس دان آئین سٹائن کی کامیابی کا راز بھی ذہانت سے زیادہ وجدان ہے یہ بات اس نے خود مانی تھی۔

ہم میں سے اکثر لوگ کشف وکرامات وغیرہ کو اپنے روزمرہ کے کاموں (مالی مسائل وغیرہ کو) نبٹانے کے لیے حاصل کرنا چاہتے ہیں حالانکہ ان مسائل سے نمٹنے کا آسان اور یقینی راستہ کام میں محنت اور کاروبار ہیں۔

اسی یقینی راستے کو اپنائیں نا معلوم آپ کرامات تک پہنچ پائیں گے یا نہیں مگر یہ یاد رکھیں کہ ذہنی اور جسمانی محنت کے امتزاج کی کرامات لازمی طور پر کام کرتی ہیں ایسے شخص کیساتھ قدرت بھی مدد پر آجایا کرتی ہے۔

☆☆☆☆☆

روحانی درجات

"احوال مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور"

(اقبال)

روحانیت میں روحانی ہستیوں نے مختلف روحانی درجات کا بتایا ہے جن کے مختلف نام بھی بیان کئے جاتے ہیں جیسے اوتار، نجباء، قلندر، قطب، قطب مدار، قطب ارشاد، غوث، صدیق وغیرہ۔

اسے ولائیت صغریٰ اور ولائیت کبریٰ میں بھی بانٹا جاتا ہے۔

بہرحال یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ ہر علاقے میں کچھ ایسی ہستیاں ضرور رہتی ہیں جو علاقے کی خیر و برکت کا سبب بنتی ہیں انکی دعا سے علاقے میں بارش وغیرہ بھی ہو جاتی ہے (گو دعا کے بغیر بھی خدا ہر رنگ و نسل اچھے یا برے پر بلا امتیاز بارش برساتا ہے)۔ مگر ایسی ہستیاں ہر رنگ و نسل کے لوگوں میں ہوتی ہیں۔ گو اسے نہ ماننے والوں کو خود اس کا علم نہیں ہوتا۔

ایسی کچھ ہستیوں کو انہیں جگہ کا قطب بھی کہا جاتا ہے گو انکو ہر دفعہ اسکا علم نہیں ہوتا میں نے اس معاملے میں جو تحقیق کی ہے وہ آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں۔ (گو اس معاملے میں حتمی بات کرنی خاصی مشکل ہے) میری اپنی تحقیق میں روحانیت کے کوئی چودہ درجے ہوتے ہیں اور ہر درجے کے چار علیحدہ علیحدہ حصے ہوتے ہیں۔

دنیا میں عام انسان پہلے اور دوسرے درجے میں ہوتے ہیں۔ تیسرے درجے میں انسان کو معلوم ہو چکا ہوتا ہے کہ وہ روحانی طور پر کچھ طاقت رکھتا ہے۔ ایسے لوگ عام لوگوں سے زیادہ ذہین اور فورس فل بھی ہو جاتے ہیں۔

چوتھے درجے میں اسے معلوم ہو چکا ہوتا ہے کہ وہ روحانیت میں جم چکا ہے۔ یہ لوگ دوسرے لوگوں کو چھوٹی موٹی مشکلات میں اکثر فی سبیل اللہ مدد بھی کیا کرتے ہیں۔

پانچویں درجے کے لوگ راولپنڈی اسلام آباد جیسے شہروں میں چار پانچ ہوا کرتے ہیں (یہ دوسروں کو روحانی سفر میں مدد دے سکتے ہیں بیماریوں کے روحانی علاج (دم) کی اہلیت ان میں لازمی ہوتی ہے)۔

چھٹے درجے کے لوگ لاہور شہر میں ایک آدھ ہی ہوتے ہیں (انکے پاس بیٹھتے ہی اکثر انسان سرور میں آجاتا ہے اداسی ختم ہو جاتی ہے۔ انکی زبان سے نکلی ہوئی بات اکثر پوری ہو جایا کرتی ہے یعنی سیف زبان ہوتے ہیں)۔

ساتویں درجے میں سارے ملک میں ایک دو لوگ ہی ہوا کرتے ہیں میرے حساب میں زندہ پیر گھمکول شریف ساتویں درجے کے آخر میں تھے۔ (یہ لوگ فاصلے سے مدد کرنا دور کی چیزیں واضح معلوم ہونا وغیرہ کر لیتے ہیں) یہاں سے انسان کے سب کام خود بخود ہونے لگ جاتے ہیں اسکا خرچہ چاہے ہزاروں کا ہو یا لاکھوں کا خود بخود پورا ہونے لگ پڑتا ہے۔ آٹھویں اور نویں درجے کے لوگ پوری دنیا میں ایک دو ہی ہوا کرتے ہیں ماضی کے بزرگوں میں اکثر بڑے بڑے نام انہی درجوں میں سے تھے۔ دسویں گیارہویں درجے میں میرے خیال میں پورے ہندستان کی تاریخ میں تین چار ہستیاں ہی ہیں۔ (یہ لوگ زماں اور مکاں کے قانون میں بھی دخل دے سکتے ہیں گو وقتی طور پر ہی)۔

بارھویں درجے میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے علاوہ چندہ لوگ ہی اور محسوس ہوئے تھے۔

تیرواں درجہ نبوت اور رسولوں کے لئے ہے اس درجے کی کیفیات محسوس کرنا بہت مشکل ہے۔ مگر بڑا روحانی انسان بھی تیرہویں درجے میں جا سکتا ہے۔

چودھویں درجے کا راستہ غالباً صرف رسولوں کیلئے ہی کھلا ہوتا ہے۔۔

یہاں میں یہ بات بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ خدا ایسے انسان بھی ہر جگہ اور ہر قوم میں پیدا کر دیتا ہے جو کہ پیدائشی طور پر کسی ایک آدھی روحانی علم میں بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ گو بڑی بڑی روحانی شخصیات پر بھی کبھی کبھی کشف و کرامات زیادہ تواتر کے ساتھ واقع ہوتی ہیں اور کبھی کبھی ان کی یہ صلاحیتیں ساتھ نہیں دیتی۔



عظیم توانائی اور ڈر وخوف

انسانی روح کے اندر عظیم توانائی چھپی ہوئی ہے ہمیں اسکا علم نہیں ہے۔ پھر اس توانائی کو ہم ڈر وخوف کے تلے دبائے رکھتے ہیں ڈر وخوف کا بوجھ ہٹتے ہی یہ سب توانائی باہر آنے لگ پڑتی ہے۔ یہی توانائی پھر انسان کے ہر قسم کے کام خود بخود ہونے میں مددگار ہوتی ہے۔

مشہور رائٹر نپولین ہل نے سات قسم کے خوف بتائے ہیں لیکن دراصل بے شمار قسم کے خوف انسان کو گھیرے رکھتے ہیں۔

دنیا میں ڈر وخوف ساری کشمکش اور جدوجہد کی وجہ ہے۔ ہر آدمی ہر ملک مستقبل سے ڈرا ہوا ہے۔ انسان کو موت کا، غربت کا، ناکامی، بیماری، بڑھاپا اکیلے پن کا، حسن وکشش کھونے کا ڈر، شہرت وطاقت کھونے کا ڈر، کرتوتوں کے فاش ہونے کا خوف، تنقید کا ڈر، پیاروں کے بچھڑنے یا علیحدگی کا خوف، بیوی کے چھوڑ جانے کا ڈر، اولاد کی نالائقی اور ناکامی کا ڈر، لوگوں کے سامنے کسی چیز یا ناکامی کی شرم کا ڈر، جہنم کا ڈر، ان کے علاوہ بھی سنکڑوں قسم کے خوف انسان کو گھیرے رکھتے ہیں۔ پریشانی بھی ڈر کی ایک قسم ہے۔ ریلیکس نہ رہنا بھی ڈر کی وجہ سے ہوتا ہے۔

کل کا ڈر آج کی بھی لذت ختم کر دیتا ہے مصیبت کا سامنا ایک بار ہوتا ہے لیکن اسکا ڈر سینکڑوں بار انسان کو اسکی تصویر دکھاتا ہے اسکا سامنا کرتا ہے مصیبت کے بارے میں سوچنا دراصل مصیبت کے سامنا کرنے کے ہی برابر ہے روحانیت میں نفس کو ختم کرنے کے بجائے ڈر کو ختم کرنا ہی بڑا اہم سبق ہوتا ہے انسانی روح میں چھپی اس توانائی کو ڈر کے بوجھ سے نکالنے کے بعد اسے استعمال کرنے کیلئے یقین کامل کی ضرورت ہوتی ہے اور سب سے زیادہ صحیح استعمال کیلئے توکل خدا کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ اعتماد میں ہی آتا ہے مگر جو انسان خود پر اعتماد یقین نہیں کرتا وہ خدا پر کیا اعتماد توکل کرے گا۔ روح کی بے پناہ توانائی طاقت بڑھانے کا طریقہ یقین کامل ہے۔

اور یقین کامل کے اونچے درجے حاصل کرنے کا یقینی راستہ باقاعدگی سے ورد واذکار کرنا ہے انکی بڑی طاقت ور وائبریشن ہوتی ہے۔ قرآنی آیتوں یا سورتوں کے ورد دنیا میں سب سے طاقت وراثرات رکھتے ہیں۔ کہ انہیں دنیا بھر میں کسی بھی کتاب سے

زیادہ ایک ہی زبان اور تلفظ میں چودہ سو سال سے لگاتار پڑھا جا رہا ہے۔ ان کی بہت طاقت ور انرجی یا موکلات ہوتے ہیں۔ خدا کے بتائے ہوئے یہ لفظ اپنی اصلی زبان اور اصلی طرز و ترتیب میں موجود ہیں۔

آپ چاہے شعوری طور پر ورد کو سنیں آپکا لاشعور (اور اپنی اندرونی شخصیت بھی) اسے سنتی رہتی ہے انہیں پڑھنا ضائع نہیں جایا کرتا۔ (بہرحال بہتر طریقہ اسے صحیح کیفیت طاری اور ریلیکس رہ کر سننے کا ہی ہے) صرف ورد کو پڑھنے کے دنوں پر سکون اور خوش رہنے کی کوشش کریں۔ اور صبر سے کام لیں صبر کا مطلب منصوبہ بند عمل اور اپنے ساتھ ہونیوالی ہر اچھی یا بری چیز کے پیچھے اللہ کی بہتری ہی سمجھنا ہوتا ہے۔ پھر راستہ خود ہی صاف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جو لوگ پریشان رہتے ہیں انکی توانائی بھی ورد واذکار سے بڑھنے لگ پڑتی ہے اور ذہنی کھینچاؤ یا ڈپریشن وغیرہ بھی غائب ہو جائیگا آپ صرف لا الہ الا اللہ کا ورد کرنا ہی کافی سمجھ لیں سو بار (تسبیح پوری) کرنے کے بعد ایک بار آخر میں **محمد الرسول اللہ** پڑھ کر کلمہ پورا کر لیں رات کو (نماز عشاء کے بعد) ایک دفعہ یا پانچ سو یا ہزار دفعہ پڑھ لیا کریں۔ باقی سارا دن جب بھی وقت ملے اسکا ورد (گردان) کرتے ہیں یا پھر آپ درود ابراہیمی کا ورد رات کو 100 دفعہ اور دن میں جب بھی وقت ملے کرتے رہا کریں۔

ورد کی سائنسی توجیح یہ ہے کہ ہم دراصل تصویروں میں سوچتے ہیں ورد کا دھرانا ہمارے لاشعور کے سامنے ہمارے مقصد کی تصویر دھرانا ہوتا ہے خالی خاموشی ارتکاز توجہ سے یہ مقصد زیادہ حاصل نہیں ہو پاتا انسان تھک جایا کرتا ہے کچھ دنوں کے بعد آپ اسکا اثر خود ہی محسوس کریں گے۔

مراقبے میں آپ قرآنی آیتوں کا ورد کرتے ہیں تو آپ میں موجود اللہ کا نور جاگنے لگ پڑتا ہے۔ جو اللہ نے اپنے نائب کی حیثیت سے انسان کو عطا کیا ہے اس نور کی یہ صفت ہے کہ یہ آپ کی جسمانی، ذہنی اور روحانی انرجی کو بے پناہ بڑھا دیتا ہے۔ پھر آپ کی اداسی بھی ختم ہو جاتی ہے اور آپ کی ذہنی طاقت اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ آپ کا ہر کام خود بخود ہونے لگ پڑتا ہے۔ اگر ساتھ یقین اور مثبت سوچ کی طاقت بھی شامل ہو تو پھر ہر قسم کی کرامات شروع ہو جایا کرتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

ناقابلِ توجیح واقعات

ورد کا اثر کیا اور کس طرح ہوتا ہے اور ورد دینے والے کا روحانی اثر کس طرح ورد دینے والے کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔ اسکے لئے میں آپ کو اپنے دوست کی مثال دیتا ہوں حاجی جاوید صاحب (مان پور ضلع سیالکوٹ) میرے قریبی دوست اور مہربان ہیں انکے کاروباری حالات کئی برسوں سے کمزور تھے میں نے انہیں درود ابراہیمی پڑھنے کو دیا تو کوئی مہینے بھر کے بعد میں نے ان سے ان کی کیفیت پوچھی تو کہنے لگے کچھ اندرونی طاقت میں فرق سا محسوس ہو رہا ہے. پھر کوئی تین مہینے کے بعد ان سے پوچھا تو کہنے لگے میں کسی کو بتانا نہیں چاہتا مگر کوئی دو ہفتے پہلے اپنے سنیک بار کی صفائی کرتے وقت میرے ہاتھ کورٹوٹ جانے کی وجہ سے 300 سینٹی گریڈ کے ابلتے ہوئے تیل میں چلا گیا تیل ہاتھ کے چاروں طرف پورا لگ گیا نارمل حالت میں ساری جلد جل جاتی یا وہاں ہی رہ جانی چاہیے تھی مگر میں نے ہاتھ واپس کھینچا تو ذرا برابر بھی نہیں جلا ہوا تھا۔ اور اس پر معمولی نشان تک بھی نہیں تھا.اس پر میں نے انہیں بتایا کہ ان کا کام شروع ہو گیا ہے اب وہ سوچ دعا اور بد دعا وغیرہ میں خاص خیال اور احتیاط رکھیں یعنی سوچ خصوصاً مثبت ہی رکھنی چاہیے۔

اسی طرح 2003ء چکوال میں اٹھارہ انیس سالہ روحانیت کا شائق نوجوان مجھے ملنے آیا میں نے اسے درود شریف کا ورد دیا جو اس نے شام کو مختلف تصورات کے ساتھ پڑھنا تھا (اس میں میرا تصور بھی شامل تھا) وہ اسے پڑھنے لگ پڑا۔

تقریباً میں تین ماہ بعد ہالینڈ سے واپس آیا تو اس سے کیفیت پوچھی وہ کہنے لگا مجھے اس ورد کو پڑھتے وقت اور میرا تصور کرتے وقت ایسے محسوس ہوتا تھا کہ میرے جسم سے نور اسکے جسم میں منتقل ہو رہا ہے تھوڑے دنوں کے بعد اسکی جسمانی توانائی بڑھنے لگ گئی پہلے توانائی اسکے کمزور حصوں میں گئی جو کہ اسکی کمر تھی اور اسکا کمر درد ختم ہو گیا پھر یہ یہی نور یا توانائی اسکے باقی سارے جسم میں بھرنے لگ گئی اور سارا جسم انرجی سے بھر گیا۔

پھر کچھ عرصے کے بعد وہی لڑکا دوبارہ ملنے آیا اور بتانے لگا کہ کچھ دن پہلے وہ رات ورد

کرتے کرتے سو گیا تھا کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا صبح آنکھ کھلی تو دروازہ کھلا تھا اور ایک چاکلیٹی رنگ کا کبوتر کمرے میں موجود تھا اور اس کبوتر کے پاؤں میں چھلہ تھا جو کہ پالتو کبوتروں کے پاؤں میں لوگ ڈال دیا کرتے ہیں۔ اور اسکی چونچ میں ایک تعویز تھا اس نے وہ تعویز کبوتر کی چونچ میں سے نکال اور کبوتر کو اڑا دیا وہ کہتا ہے کہ جس دن سے وہ تعویز میرے پاس آیا اس دن سے میرے پاس پیسے جمع ہونے لگ گئے اس پر میں نے لڑکے سے سوال کیا کہ تم تو طالبعلم ہو تمہیں پیسے کہاں سے مل جاتے ہیں تو وہ کہنے لگا میں نے کافی عرصے سے جن لوگوں کو ادھار دیا ہوتا وہ اب واپس کر جاتے ہیں ابھی وہ پیسے ختم نہیں ہوتے ہیں تو اور پیسے کہیں نہ کہیں سے مل جاتے ہیں۔

خود میرے ساتھ بھی ایسے بہت سے واقعات اکثر ہوتے رہتے ہیں۔

ڈر و خوف کی اتنی قسمیں ہیں کہ یہاں پر نہیں لکھی جا سکتی ہے مگر آسان بات یہ ہے کہ کوئی بھی کام کرتے وقت انسان اپنی عزت، بے عزتی، شرمندگی، خوف، سب ذہن سے نکال کر مثبت سوچ رکھ کر اس کام کو کرے تو اسکی منزل بھی آسان ہو جائیگی اور روحانی ترقی بھی بڑی جلدی ہوگی کام کو کرتے وقت اچھی نیت کا ہونا آپ کو بے عزتی و شرمندگی سے بچانے کے لیے کافی ہے۔

بہت سے لوگ کامیاب لوگ کام کرتے وقت کام کا آخر (یعنی کامیابی پورا ہونا) ذہن میں رکھتے ہیں اور انکا کام اکثر پورا ہو جایا کرتا ہے۔ آپ بھی یہی کیا کریں یعنی تصور میں وہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنا کام کامیابی کے ساتھ پورا کر چکے ہیں اور اس کامیابی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ ایسا ہونا وہ دن میں ایک بار تصور کرتے ہیں۔ ایسے کرنے سے اس کام کی تکمیل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

یہ لاشعور یا روح کی طاقت کا کام ہوتا ہے۔

گو سالکوں کیلئے کسی بھی کام کو کرتے وقت خود کو یہ پختہ یقین دلانا کہ یہ کام ضرور ہوگا۔ کیونکہ نہیں ہوگا، لازمی ہوگا، ہی کامیابی کیلئے کافی مشق ہے۔



سیلف کنٹرول اور کامیابی

جس سے خود پر کنٹرول کرنا (ضبط نفس) سیکھ لیا۔ اس نے زندگی کا ایک بڑا اہم سبق سیکھ لیا۔

اپنے مقصد کے حصول کے لئے دوسری چیزوں اور دلچسپیوں کو مقصد پر قربان کر دینا۔ سیلف کنٹرول (ضبط نفس) کہلاتا ہے۔ اگر آپ کاروبار میں مصروف ہیں تو اس میں آپ کو اپنے دوسرے من پسند مشغلوں کو چھوڑ کر اپنے کاروبار کو ہی وقت دینا پڑے گا ورنہ آپ کی کاروبار میں ترقی مشکوک ہوگی۔

پھر آپ کو شروع کاروبار میں ہمیشہ اور بعد میں اکثر اپنا خرچہ کنٹرول کرنا پڑتا ہے ورنہ بچت نہیں ہوتی اور نقصان یا مندے کی صورت میں آپ کے پاس فالتو پیسہ ہی نہیں ہوگا۔ جو آپ کو اس وقت سے بچا سکے۔ یہی فالتو پیسہ آپ کو بہت سی چھوٹی موٹی الجھنوں، پریشانیوں اور وقت کے ضیاع سے بچائے گا۔ ورنہ یہی الجھنیں آپ کا بہت سا وقت اور توانائی ضائع کرتی رہیں گی۔ پھر فالتو پیسہ آپ کو راستے میں آنے والے نئے فائدہ مند مواقع سے فائدہ اٹھانے میں مددگار ہوگا۔

کاروبار میں کامیابی ہونے کے بعد ہی اگر آپ میں خود پر کنٹرول نہ ہو تو آپ برے راستوں (جوئے، نشے، یا طوائفوں کے چکر) میں پھنس کر اپنی کامیابی کو ناکامی میں تبدیل کر دیں گے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ پیسہ کمانا ایک فن ہے اور اسے سنبھالنا تین فن ہیں۔

جو طالب علم اپنا وقت باقی مشغلوں مثلاً کھیل، ٹی وی، تفریح وغیرہ کو دینے کے بجائے پڑھائی پر دیتے ہیں وہ دوسرے طالب علموں سے آگے نکل جاتے ہیں، یہ محنت انہیں خصوصاً میٹرک، ایف اے، بی اے کے امتحانات سے پہلے لازمی کرنی چاہیے۔ چھوٹی کلاسز اتنی اہم نہیں ہوتیں۔

جو بھی ورکر اپنا کام توجہ سے کرتا ہے وہ دوسرے ورکروں سے زیادہ اہمیت پا لیتا ہے۔

روحانیت کے شغل میں ضبط نفس نہ ہو تو آپ کا سفر شروع ہی نہیں ہو پا[illegible]

روحانی سکول آف تھاٹ غیر ضروری طور پر ہی نفس کو مارنے اور زندگی کو ناخوش کرنے میں ہی لگے رہتے ہیں)۔

عملی دنیا میں ہر آدمی کو چاہیے کہ شام کو تھوڑی تفریح اور ریفریش منٹ ضرور ہوتا کہ کل کے کام کیلئے توانائی مل سکے۔ دوسری دنیا (آخرت) کی تیاری میں ہی یہی ضبط نفس آپ کو لالچ اور شیطانی وسوسوں سے بچاتا ہے۔

اپنی عادت کے خلاف چلنا یا ناپسندیدہ کام میں زیادہ عرصہ لگے رہنا مشکل ترین کام ہوتا ہے اور ہمارے ملک میں ہمیں اکثر وسائل کی کمی سے کرنا پڑتا ہے۔ (یا زیادہ صحیح لفظ میں ہمارے ملک کے وسائل صحیح طرح استعمال نہ ہونے کی وجہ سے) یہ کام ضبط نفس کے بغیر نہیں کیا جاسکتا اس سے بھی زیادہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے پسندیدہ کام کو کوشش اور مسلسل اپنی سوچ کی طاقت دے کر پسندیدہ کام میں تبدیل کر لیں۔ ایسا مستقل مزاجی سے کیا جائے تو یہ بالکل ممکن ہے پھر پسندیدہ کام کرنا بڑا ہی لطف اندوز فعل ہوتا ہے۔ پسندیدہ کام میں ہی آپ اپنے دماغ، دل اور روح کی تمام توانائی مستقل مزاجی کے ساتھ لگا سکتے ہیں۔

دنیا میں آج تک کوئی بھی آدمی ضبط نفس کی عدم موجودگی میں کوئی بڑا کام نہیں کر پایا۔ اس دنیا میں آپ ہر چیز حاصل کر سکتے ہیں اگر آپ کو اسے حاصل کرنے کا یقین ہو اور پھر آپ اس چیز کی قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں۔ یہ قیمت ضبط نفس ہی ہوتی ہے کہ اس چیز یا مقصد کو حاصل کرنے کے لیے دوسرے سب من پسندیدہ مشغلوں پر وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنے مقصد کو حاصل کرنے پر ہی توجہ دینا اور اسی پر ذہنی محنت کرنا ہی اسکی قیمت ہوتی ہے۔

اس میں سب سے پہلے یہ فیصلہ کر لیں کہ کیا آپ یہ قیمت ادا کرنے کو تیار ہیں۔

☆☆☆☆☆

آپس میں مقابلہ

دُنیا میں ہر شخص دوسرے کو جتانے میں مصروف ہے کہ میں تم سے بہتر ہوں۔ آپس میں مقابلہ کرنا انسان کی فطرت ہے بلکہ جانور بھی اس سے مبرا نہیں ہیں۔

یہ ایک ایسی انسانی فطرت ہے کہ اگر یہ زندگی میں نہ ہو تو زندگی بالکل بے مزہ سی ہو جاتی ہے۔ انسان اسی کی کسی نہ کسی صورت سے زندگی کو دلچسپ بناتا ہے۔

مقابلہ اور مسابقت دُنیا میں ترقی کی بنیاد ہے مگر درحقیقت یہی زندگی کا ایک بڑا عذاب بن جاتا ہے اور اگر اس مقابلے کو عقل سے کنٹرول نہ کیا جائے تو پھر مصیبت در مصیبت ہے۔

پاکستان میں خاندان کے اندر اکثر عورتوں کا آپس میں مقابلہ اس کی ایک واضع مثال ہے۔ یہ آپس میں ہر چیز میں خواہ مخواہ مقابلے میں لگ کر آخر کار سارے خاندان کی آپس میں ناراضگی و دشمنی کروا دیتی ہیں۔ ان کا مقابلہ کپڑوں اور زیور سے لے کر پیسے عزت شہرت ہر چیز میں ہوتا ہے اور حقیقت میں اس کا کوئی سر پیر ہی نہیں ہوا کرتا ہے۔ یہ عقل اور باتوں میں بھی مقابلہ کرتی ہیں۔

دو بہوؤں کا آپس میں ہر چیز میں مقابلہ آپ اکثر دیکھیں گے۔ بہن بھائی تو آپس میں اکٹھے گزارہ کرنے کے عادی ہو چکے ہوتے ہیں اور انہیں حسد وغیبت سے کم ہی واسطہ ہوتا ہے مگر بہوئیں باہر سے آئی ہیں انہیں کوئی مجبوری نہیں ہوتی یہ بھائیوں کو آپس میں پہلے دن سے ہی دور کرنے میں لگ پڑتی ہیں اور آہستہ آہستہ وہ ان ''نیک مقاصد'' میں کامیاب ہونے لگ پڑتی ہیں۔

ہمارا ساس بہو کا روائتی مشہور مقابلہ بھی اسی وجہ سے ہوتا ہے۔ پہلے ساس گھر کی مالک بنی ہوتی ہے پھر اس کی چیلنجر بہو آجاتی ہے۔

مقابلے کی سب سے بُری صورت حسد ہوتی ہے۔ حاسد دل کا چھوٹا اور کمینہ ہوتا

ہے کسی دوسرے آدمی کو آگے دیکھ کر بجائے اللہ سے یہ مانگے کہ مجھے بھی اتنا ہی دے یا زیادہ دے الٹا یہ مانگ رہا ہوتا ہے کہ اس آگے بڑھنے والے کو پیچھے کھینچ کر میرے برابر لے آ۔ یہ رشک کے بجائے حسد کو چن رہا ہوتا ہے۔ ہم پاکستانیوں میں اکثر یہ کمزوری ہوتی ہے کہ اگر ہم زیادہ پیسے کما لیں تو اپنے قریبی لوگوں کو خود سے کمتر، بے وقوف یا گھٹیا سمجھنے لگ پڑتے ہیں۔

یہی چیز اکثر ہمارے قریبی عزیزوں اور دوستوں میں یہ سوچ پیدا کرتی ہے کہ اب یہ کامیاب ہونے والا شخص انہیں گھٹیا ہی سمجھے گا اور کوئی بھی شخص خود کو گھٹیا سمجھنا برداشت نہیں کرتا۔ ہمیں اپنے اندر سے یہ سوچ ختم کرنی ہوگی اور اپنے آس پاس کے لوگوں کو شروع ہی سے یہ احساس دلانا ہوگا کہ وہ بھی ہم جیسے قابل عزت ہیں اور رہیں گے۔

اگر آپ محفل میں کسی کی تعریف شروع کریں تو پاس موجود لوگوں میں سے کوئی شخص اس کی بدخوئی شروع کر دیتا ہے عموماً وہ اس دوسرے شخص سے مقابلہ کر رہا ہوتا ہے۔ اور حسد کرتا ہوتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر شخص اپنی تعریف پسند کرتا ہے اور دوسروں کی تعریف ناپسند کرتا ہے۔

یہ انسانی فطرت میں شامل ہے۔ اکثر دوسروں سے مقابلے کی وجہ یہی ہوا کرتی ہے۔

اسی طرح خاصے ذہین اور سمجھدار لوگ اگر کوئی ان کے ساتھ کسی بات میں اختلاف کرے تو اپنی بے عزتی سمجھ کر مقابلہ پر اُتر آتے ہیں اور اپنے ماحول میں کھچاؤ اور بے آرامی پیدا کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اگر اپنی غلطی ہو تو تسلیم کرنے میں انسان کی بڑائی ہے اور اگر اپنی غلطی نہیں تو دوسرے کی نیت کو سمجھ کر اسے جواب دینا چاہیے۔

گھر کی مثال ایک دفتر یا فوجی یونٹ سے لے لیں۔ اسمیں ڈسپلن چاہیے ہوتا ہے۔ جس گھر میں ڈسپلن (نظم وضبط) نہیں وہاں ہر وقت بے آرامی و بے چینی رہے گی۔ اس یونٹ میں کمانڈر ہوتا ہے جسے آپ گھر کا بزرگ یا گھر یا اہم ترین فرد سمجھ لیں۔ عموماً یہ وہ ہوتا ہے جو گھر کے گزارے و خرچے کا ذمہ دار ہوتا ہے اس کے بعد جو ملنے جلنے والوں رشتہ داروں سے

اچھے تعلقات رکھتا ہے اسی طرح اس میں گھر کے ہر فرد کی اپنی اپنی جگہ ہوتی ہے یہ سب فرائض تبدیل بھی ہوتے رہتے ہیں جوں ہی کوئی بچہ جوان ہونے لگتا ہے وہ خود ہی اپنی اہلیت کے حساب سے کوئی فرض سنبھال لیتا ہے اسی طرح شادی کے بعد گھر میں کوئی نیا فرد داخل ہوتا ہے جو کہ ہمارے معاشرے میں عموماً شادی کے بعد بہو یا بھابی کی صورت میں ہوتی ہے ہمارے گھروں میں عموماً گھر کا اندرونی انتظام ساس کے ہاتھ میں ہوتا ہے اس میں بہو حصہ دار بن جاتی ہے اور یہاں سے بھی دونوں میں روائتی کش مکش کا آغاز ہو جاتا ہے۔

ساس بہو کو اس کی جگہ دینے پر بھی تیار نہیں ہوتی اور بہو عموماً اپنے جائز حصہ سے زیادہ لینا چاہتی ہے۔ ان کا یہ مقابلہ شروع ہو جاتا ہے اور بڑھتا چلا جاتا ہے اس میں اکثر بہو کے ماں باپ بھی شامل ہو جاتے ہیں اپنا گھر بھی دو پارٹیوں میں بٹ جاتا ہے اور اس میں پسنے والا اکثر خاوند ہوا کرتا ہے۔ اگر یہ دونوں عقلمندی سے اپنا اپنا حصہ اور فرائض بانٹ لیں اور ایک دوسرے کا شروع سے ہی احترام کریں تو پھر گھر سکون کا گہوارا بن جاتا ہے اس میں دونوں کو ہی تحمل و برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ بہو کو چاہیے کہ اس گھر کو اپنا گھر سمجھ کر قدم رکھے اور ساس کو بھی چاہیے کہ بہو کو اپنی بیٹی سمجھے۔

اگر گھر میں عورت خوش نہ ہو تو وہ گھر تباہی کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہے اسی طرح گھر کے ہر فرد کو آپس میں تحمل و برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ چھوٹی موٹی ناراضگیاں اختلافات ہر گھر میں ہوا کرتے ہیں ان کی باہر لوگوں کو کم سے کم خبر ملنی چاہیے۔

یہی مقابلہ ہر ایک آدمی ہر ایک آفیسر ہر ایک حکمران اپنے اپنے حساب سے جاری رکھتا ہے اس میں غور کرنے والی بات یہ ہے کہ کیا اس کا بھی کوئی فائدہ ہے اور اس کا اثر یا نقصان آس پاس موجود لوگوں ماتحتوں یا عام لوگوں پر کیا ہو رہا ہے ہم میں سے اکثر لوگ فضول قسم کے مقابلوں میں الجھ کر اپنے مقصد سے بہت ہٹ جایا کرتے ہیں۔

مقابلہ کرنا انسان کی فطرت میں شامل ہے اور فطرت سے بغاوت کرنا آسان کام نہیں مگر پھر بھی یہ مقابلہ صحت مندانہ ہونا چاہیے۔ پھر اپنے کام میں مقابلہ کریں پروفیشن اور

کھیلوں میں کریں نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر کریں۔

نوجوان آپس میں مقابلہ کر کے ہی خود کو آگے بڑھاتے ہیں چاہے یہ تعلیم کا میدان ہو یا سائنس یا فنون لطیفہ چاہے روحانیت ہی کیوں نہ ہو۔

نوجوان لڑکے لڑکیاں آپس میں ہر چیز کا مقابلہ کرتے ہیں۔ (اس کی وجہ اکثر تعریف سننا ہوتی ہے) دونوں کا اپنا اپنا ایک گروپ ہوا کرتا ہے اور اس گروپ میں ان کے بظاہر کچھ تفریحی مشاغل ہوا کرتے ہیں اور ان نوجوانوں میں سے دوسروں سے تیز اور ذہین ہوتے ہیں وہ ان مشاغل میں ان کے آگے آگے یا ان کے لیڈر ہوا کرتے ہیں اور دوسرے سب نوجوان اپنا سارا زور اس مقابلے میں لگا رہے ہوتے ہیں کہ وہ ان آگے جانے والوں کو کاٹ جائیں۔

ماڈرن نوجوان لڑکے لڑکیوں کے آپس میں یہ مقابلے اکثر نئی موٹر سائیکلوں، کاروں اور مہنگے نشوں میں بھی ہوا کرتے ہیں اور جنس مخالف کے معاملات میں بھی۔

دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ ان نوجوانوں کو اس بات کا شعور کم ہی ہوتا ہے۔ کہ یہ مقابلے انہیں کس طرف لے جا رہے ہیں۔ کیا یہ مفید ہیں۔ یا وقت کا ضیاع یا پھر وہ غلط طرف ہی جا نکلتے ہیں۔

"یہ چیزیں ان کے بڑے یا بزرگ ہی انہیں سمجھا سکتے ہیں۔"

یہ قوم کے لیڈروں کا کام ہے کہ وہ اپنے نوجوانوں کو صحیح سمت میں راغب کریں۔ ادیبوں اور شاعروں کا بھی یہ فرض ہے کہ انہیں صحیح طرف کو لگائیں۔ انہی کا کام ہے کہ نوجوانوں کو چاہے مائیکل جیکسن یا میڈونا بنائیں۔ یا تاریک الدنیا درویش، نیوٹن یا آئین سٹائن بنائیں اور یہی لوگ انہیں عملی دُنیا میں رہنے والے اور آسمانوں پر کمندیں ڈالنے کا عزم و حوصلہ رکھنے والے مرد مجاہد بھی بنا سکتے ہیں۔

مقابلے کی دلچسپ بات یہ ہے کہ مرد تو یہ مقابلہ اکثر اپنی ہی منتخب شدہ لائن میں کیا کرتے ہیں۔ جب کہ عورت کا مقابلہ ہر عورت سے ہر وقت ہوا کرتا ہے۔

آپ کو چاہیے کہ اپنی پروفیشنل یا لائن (یا شغل) میں چوٹی کے لوگوں سے مقابلہ کریں اور اگر ہمت اور حوصلہ ہو تو دُنیا میں چوٹی کے لوگوں سے مقابلہ رکھیں۔

ہم سب کو معلوم ہے کہ پاکستان میں قانون ابھی تک صرف غریب ہی کے لیے رہا ہے اور مادی زندگی کی ہر آسائش امیر کے حصے ہی میں آئی ہے اور پیسے والا ہی عقل مند بھی کہلاتا رہا ہے۔

مگر اس کے باوجود مقابلے کی اس بے تکی اور بے ڈھنگی دوڑ سے نکل کر ہی آپ لوگوں کی زندگی سکون کا گہوارہ بن سکتی ہے اور اس سے نکلنے کے بعد ہی آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ حقیقت میں آپ کس کس چیز میں خواہ مخواہ اس دوڑ میں لگے ہوئے تھے اور درحقیقت آپ کو بہت کم چیزوں کی ضرورت تھی باقی مقابلہ ہی تھا۔ خواہ مخواہ مقابلے کی بڑی وجہ انسان کا احساس کمتری ہوا کرتا ہے اور ایسا انسان اپنی اہمیت جتا کر یا اپنی تعریف سن کر اس احساس کمتری کی تسکین کرنے اسی عجیب وغریب طریقے سے لگا رہتا ہے۔

صاحبان مقابلے کی دوڑ تو لامحدود ہے۔ ضروریات اصل میں خاصی محدود ہوا کرتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

اسلام اور دہشت گردی

مغربی دُنیا والے اسلام کو دہشت گرد مذہب کے طور پر دیکھ اور سمجھ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں اور اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو ان کی یہ بات غلط بھی نہیں ہے۔

دورِ جدید میں چند ایک دوسرے جھگڑوں اور برائیوں کو چھوڑ کر ہر جگہ مسلمان بھی اس میں شامل ہیں۔ اور ایران عراق یا عراق کویت جنگ چھوڑ کر مسلمانوں کو ہر جگہ اپنے غیر مسلم ہمسائیوں سے جھگڑا چل رہا ہے بلکہ اپنے مذہب مگر مختلف فرقوں والوں کو بھی نہیں بخشتے جس کی ہمارے ملک میں ہی مثال سندھی، مہاجر جھگڑا اور سنی شیعہ فساد ہے ان کے علاوہ بھی بلوچستان میں پٹھان بلوچ اور دوسرے جھگڑے چلتے رہتے ہیں۔

پاکستان سے باہر بھی دور حاضر میں کوئی 70 فی صد لڑائیاں مسلمانوں نے لڑیں وجہ کچھ بھی ہو فلسطین ہو یا کشمیر، سوڈان ہو یا افغانستان، چیچنیا ہو یا بوسنیا، کاراباخ ہو یا فلپائن، کرد ترک لڑائی ہو یا کرد عراق، تیمور ہو یا نائجیریا۔

ہر جگہ مسمان ہی اپنے ہمسائیوں کے ساتھ دست گریبان ہیں (گو ان میں کچھ جنگوں کا واقعی صحیح جواز موجود ہے) اگر غور سے دیکھا جائے تو ان سب علاقوں میں اختلاف تو بڑے عرصے سے چلے آرہے ہیں مگر انہوں نے زور 1980ء کی دہائی مین پکڑا اس کی سادہ سی وجہ افغانستان کی جنگ تھی اس جنگ میں اہم ترین فریق تو روس اور افغانستان تھے مگر افغانستان کے پیچھے امریکہ اور سعودی عرب کا پیسہ تھا پھر امریکہ کی ٹیکنالوجی تھی اور مغربی یورپ جاپان اور دوسرے بہت سے مسلمان ممالک کی امداد شامل تھی۔

پھر اس جنگ میں ساری دُنیا سے مسلمان مجاہدین آئے پاکستان اور افغانستان میں ٹریننگ اور عملی لڑائی میں حصہ لیا یہ کوئی 35000 سے زیادہ تعداد میں تھے۔

اس وقت مغرب والے کمیونسٹ روس کے ساتھ بظاہری ہاری ہوئی جنگ لڑ رہے تھے کہ روس اس وقت گرم سمندروں اور دُنیا میں تیل کے سب سے بڑی ذخیروں کے سر پر آ بیٹھا تھا

اور اس کو قابو کرنے میں مغرب نا اُمید ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ روس نے ہمارے بلوچ نوجوانوں اور لیڈروں کو بھی افغانستان میں کیمونزم کی تربیت دینا شروع کر دیا تھا بلکہ انہیں علیحدگی پر بھی بھڑکا رہا تھا۔

اس وقت صدر ضیاء الحق نے صحیح فیصلہ کیا کہ افغانستان میں مجاہدین یا حکومت مخالف اتحاد کو مدد دی جائے جو کہ روس سے براہ راست ٹکر لینے کا فیصلہ تھا مگر ضیاء الحق صاحب کا یہ موقف تھا کہ اگر یہ لڑائی افغانستان میں نہ لڑی گئی تو چند سالوں کے بعد پاکستان میں ہو گی۔

اس لڑائی کی تفصیل میں جانا میری کتاب کا مقصد نہیں ہے مقصد یہ بتانا ہے کہ مغرب اس وقت کیمونزم کو روکنے میں بظاہر ناکام ہو چکا تھا اور اسے افغان مجاہدین کی صورت میں سنہری موقع ہاتھ آ گیا کہ وہ اس خطرے کا توڑ کر سکے۔

انہوں نے اس مقدس جنگ میں اپنے مالی وسائل اور ٹیکنالوجی دل کھول کر دی پاکستان کے مستند اخبارات اور رسائل کے مطابق اس جنگ کے دوران کوئی ساٹھ ارب ڈالر کے لگ بھگ رقم پاکستان میں آئی۔ غیر مصدقہ ذرائع اسے 100 ارب ڈالر سے 200 ارب ڈالر کے درمیان بتاتے ہیں (اور میری تحقیق کے مطابق یہی آخری دیئے ہوئے Figures صحیح ہیں۔

اس جنگ کے دوران ساری اسلامی دُنیا سے جو 35000 مجاہدین افغانستان لڑنے کے لیے آئے اور یہ سب مجاہدین جنگ کے خاتمے پر (جو روس کی شکست اور بالآخر کار روس کے ٹوٹنے کا سبب بنی) اپنے اپنے ملکوں میں واپس چلے گئے اس جنگ میں فتح یابی کو مغرب نے اپنے پلے باندھا اور مسلمانوں نے اسے اپنی عظیم فتح جانا اور اپنے پلے باندھ لیا اس میں دونوں کا حصہ تھا۔

گو روس اسی دن جنگ ہار گیا تھا جس دن افغان مجاہدین کو سٹینگر میزائل ملے تھے۔ روس کی تباہ ہوتی ہوئی معیشت کو یہ آخری دھکا تھا۔

اس جنگ میں فتح یابی کے بعد مسلمان مجاہدین کے حوصلے بہت بلند تھے وہ روس جیسے ملک کو توڑنے کے بعد اپنے چھوٹے چھوٹے ملکوں میں بظاہر غیر اسلامی حکومتوں کو ختم کر کے

وہاں اسلامی نظام لانا چاہتے تھے۔ اپنے اپنے ملکوں میں انہوں نے واقعی ایک اسلامی لہر سی پیدا کر دی۔

اس دوران افغانستان میں روس کے نکل جانے کے بعد لمبی خانہ جنگی چلتی رہی۔ جو کہ آخر کار پاکستان کے مدرسوں کے پڑھے ہوئے گروپ طالبان کی فتح اور حکومت بنانے پر ختم ہوئی۔ اس دوران بہت سے اسلامی ملکوں کے آئے ہوئے مجاہدین بھی افغانستان موجود رہے اور مجاہدین اور پھر طالبان کے شانہ بشانہ لڑتے رہے۔

طالبان کی فتح کے بعد ساری دُنیا کے مسلمان مجاہدین کو طالبان کی اسلامی حکومت کی صورت میں ایک امدادی قوت میسر آ گئی خصوصاً یہاں موجود ارب پتی عرب مجاہد شیخ اسامہ بن لادن اس قوت کا مرکزی کردار تھے۔

طالبان کی حکومت کی خرابیاں ان کا سخت رویہ، عورتوں کا زبردستی پردہ، ان کی تعلیم اور کام پر پابندی کے علاوہ رجم وغیرہ کی سزائیں بتائی جاتی ہیں مگر سادہ دل اور مخلص طالبان کو مذہب جس صورت میں دکھایا گیا تھا انہوں نے اسی صورت میں لاگو کرنا تھا۔

اسلامی شریعت کے بارے میں اپنے محدود سے علم کے باوجود میں یہ کہوں گا کہ یہ سزائیں قرآن میں بیان شدہ سزائیں نہیں ہیں۔ قرآن میں عورتوں کے پردے میں چہرہ چھپانا نہیں لکھا ہوا اور زنا کی سزا سو کوڑے ہے رجم کی سزا قرآن میں نہیں ہے یہ تو فقہا کی بتائی ہوئی سزائیں ہیں یہ قرآنی سزائیں نہیں ہیں۔

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ افغانستان کی ایک ہزار سالہ تاریخ میں (علاوہ ظاہر شاہ کے دور حکومت کے) پہلی بار افغانستان کو امن نصیب ہوا۔ افغانستان کی تاریخ میں پہلی بار افیون کی کاشت ختم کی گئی پھر ان کا گورنر خلیفہ اسلام کی طرز پر رہتا تھا اس کے گھر کے دروازے ہر مصیبت زدہ کے لیے ہر وقت کھلے رہتے تھے اور افغانستان میں امن و امان کی حالت تھی کہ آپ پیسوں سے بھری جیب لے کر ایک سرے سے افغانستان کے دوسرے سرے تک بے خوف وخطر جا سکتے تھے امن و امان (لاء اینڈ آرڈر) ہی ترقی کی بنیاد پر ہوتا ہے پھر طالبان مرد

و عورتیں سب کی تعلیم کی طرف بھی آ رہے تھے کہ ان کی حکومت ختم کر دی گئی طالبان کو امریکہ نے نہیں بنایا تھا بلکہ ان کے پیچھے پاکستانی فوج کی پشت پناہی تھی مگر ان کے کچھ طاقت پکڑنے کے بعد امریکہ بھی ان کی پشت پناہی پر آ گیا تھا اس کی وجہ اس علاقے میں امریکہ کے مفادات تھے جو چاہے سنٹرل ایشیاء کی ریاستوں کے تیل و گیس کے ذخائر اور پائپ لائنیں اور دوسری معدنیات ہوں چاہے ایران یا چین دشمنی ہو۔

1996ء تک امریکہ خود طالبان کی عملی طور پر امداد کرتا رہا اس کے بعد ان ڈائریکٹ لی یہ کام کرتا رہا اور طالبان حکومت کو اسامہ بن لادن گروپ نے ہائی جیک کر لیا تھا اس وقت ساری دُنیا میں مسلمان مجاہدین کو افغانستان میں موجود اسامہ بن لادن گروپ کی پشت پناہی حاصل تھی جو کہ پیسے کے علاوہ مجاہدین اور اسلحہ کی صورت میں بھی تھی۔

ہر سال کوئی ایک ارب ڈالر کے لگ بھگ رقم عرب اور مغربی ملکوں سے بذریعہ ہنڈی آتی رہی اور افغانستان میں طالبان کی مدد کے علاوہ ساری دُنیا میں اپنے اپنے ملک میں موجود اسلامی گروپوں کو ملتی رہی۔

امریکہ میں پینٹا گون اور سی آئی اے اس رقم کے آنے اور اس کے استعمال سے بھی واقف تھے۔ لیکن انہوں نے اسے نہ روکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ روس کے بعد وہ ان مجاہدین (اور ان کے تبلیغی گروپ) کو چین کے مسلمان علاقے سنکیانگ میں اسلامی گروپوں کو چینی حکومت کے خلاف لڑائی شروع کروانے میں استعمال کرنا چاہتے تھے۔ پھر وہ ان ہی مجاہدین کو کشمیر میں بھیج کر انڈیا کو طاقت ور ہونے سے روکنا چاہتے تھے وہ انڈیا کو دوسرے چین کی صورت میں ابھرتا نہیں دیکھنا چاہتے تھے پھر انڈیا کو کشمیر کے ذریعے کمزور کر کے اسے اپنی باتیں سننے یا ماننے پر مجبور کر سکتے ہیں اور اسے اپنے مفت میں ملے روسی اسلحہ کی جگہ امریکی اسلحے کی منڈی بنا سکتے ہیں اور انڈیا کچھ کمزور ہو تو ان کی بات سنے گا اور مستقبل میں چین کا امکانی مدمقابل بن سکتا ہے جو کہ متحد مگر اقتصادی طور پر کمزور انڈیا بھی مجبور ہو کر کر سکتا ہے۔
اسی طرح روس کو اپنی جگہ اسی طرح رکھنا چاہتے تھے۔ انہی وجوہات کی بنا پر انہوں نے ملاووں

کے ہر ''تلوار'' کے جہاد کی سرپرستی جاری رکھی۔

مسلمان مجاہدین کے اپنے اپنے ملک واپس جا کر ان میں اسلامی تشخص کی لہر پیدا کی لیکن اکثر جگہ بغیر مناسب تعداد میں لوگوں کو اپنا حامی بنائے حکومتوں کے ساتھ سیدھی یا بلاواسطہ جنگ بھی شروع کر دی۔ چونکہ ہر جگہ یہ لوگ اسلامی نظام لانا چاہتے تھے اور اس نظام کے آنے کا مطلب وہاں سے دوسرے نظاموں (بادشاہت، ڈکٹیٹر شپ، یا جمہوریت) کا خاتمہ تھا اس لیے تمام دوسرے نظام ان کے دشمن بن گئے اور انہیں ہر طریقے سے دبانے کی کوشش کی گئی جواب میں ان مجاہدین نے ہر جگہ جہاد کا اعلان کر دیا حالانکہ اپنے ملک میں معقول تعداد میں لوگوں کو صحیح تعداد میں لوگوں کو صحیح مسلمان بنا لیا جائے تو پھر حکومت خود بخود اسلامی ہونے لگ پڑتی ہے اور سیاست دان اسلام پسندوں کے ووٹوں کی خاطر انہی کے نظریے اپنانے لگ پڑتے ہیں گو مسلمانوں میں عدم برداشت کا ہونا ان مسلمان گروپوں میں باہمی جھگڑوں کا سبب ہوا کرتا ہے اور اسی سبب سے لوگ مسلمانوں کو ظالم اور دہشت گرد قوم کے طور پر دیکھنے لگ پڑے ہیں۔

اسلام میں اتنی کشش اور طاقت موجود ہے کہ اگر اسے صحیح طریقے سے مغرب کے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے تو ان کے پاس اسے قبول کرنے کے سوا کوئی اور راستہ باقی نہیں ہے۔ صحیح طریقہ اسلام کو پرامن اسلام کے طور پر پیش کرنے کا اور مسلمانوں کی کچھ تعداد کا قول و فعل میں یکساں مسلمان بن کر مغرب کے سامنے پیش ہونے کا ہے میں خود بڑا لمبا عرصہ یورپ میں رہنے اور ان کے مختلف طبقات کے لوگوں سے بات چیت کر کے اس حتمی نتیجے پر پہنچ چکا ہوں کہ مغربی لوگوں کو مسلمان بنانے کا یہی ایک صحیح طریقہ ہے۔

ووٹروں کی اکثریت ہونے کے باوجود پاکستان میں اسلامی نظام نہیں آ پاتا۔ کیونکہ ان میں اتحاد نہیں ہوتا وہ سیاسی طور پر لڑتے رہتے ہیں وجہ دوسروں کو برداشت نہ کرنا ہے۔

اسلام کا جہاد پانچ قسم کا بتایا جاتا ہے۔ زبان، مال، قلم، نفس اور تلوار کے ساتھ۔

تلوار کے ساتھ اسلام کا جہاد دراصل مدافعتی جہاد ہے۔

حقیقت میں تلوار کے ساتھ جہاد صرف ایسی حالت میں فرض ہوتا ہے جب آپ کو اپنے مذہبی فرائض کے ادائیگی سے بھی روکا جائے اور تبلیغ سے بھی۔ ہمارے بے وقوف ملاوؤں نے جہاد کو صرف اور صرف تلوار کا جہاد بنا دیا ہے اس افغانی اور روس کے دوران ساری دُنیا میں مسلمانوں نے اپنے اپنے متنازعہ مسائل پر جھگڑے شروع کر دیے مسلمانوں کے سب سے زیادہ جھگڑے اور لڑائیاں اسی دوران میں ہوئے مگر یہ مت بھولیں کہ کسی بھی اسلامی نظریے، فرقے یا عقیدے میں یہ اجازت نہیں ہے کہ ان میں معصوم غیر مسلم مردوں، عورتوں یا بچوں کو قتل کیا جائے یا مسلمانوں کا خون بہایا جائے۔

اب حالت یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہر جگہ دہشت گرد اور وحشی قوم کے طور پر دیکھا جاتا ہے اور اگر ہم اس دور کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات کوئی غلط بھی نہیں ہے مسلمانوں میں تحمل و برداشت بہت ہی کم رہ گیا ہے اس سرد جنگ میں ہمیں تلوار کے ساتھ جہاد کا ہی پتہ چلا ہے۔ تبلیغ یا علم کے ساتھ جہاد ہمیں بھول چکا ہے۔ پھر دہشت گردی اور جہاد میں فرق ہوتا ہے۔

گو آج کل تلوار کے ساتھ علاقے فتح کرنا ممکن نہیں رہا لیکن اخلاق کردار اور دوستی کے ساتھ تبلیغ کر کے دوسروں کو فتح کرنے کا میدان کھلا ہے مگر اس میں ہمارے مسلمانوں میں برداشت کا نہ ہونا اور صبر و تحمل کا نہ جاننا ہماری تبلیغ میں واحد رکاوٹ ہے مسلمان ہر جگہ جھوٹی موٹی بات پر ہی جھگڑے پر اُتر آتے ہیں پھر انہوں نے اپنے اپنے ملکوں میں بھی دوسرے ہم مذہبوں مگر مختلف فرقوں اور قوموں کے ساتھ جھگڑے اور جنگیں شروع کی ہوئی ہیں مغربی حکومتوں کے اپنے مفادات ہوتے ہیں اور انہیں اپنے مفادات کے تحفظ کا حق حاصل ہے مگر مسلمانوں نے ہر جگہ مختلف قسم کے جھگڑے اور جنگیں چھیڑی ہوئی ہیں کہ مغربی ملکوں کے لوگ (جن میں خاصی تعداد عیسائی مذہب والوں کی ہے) انہیں وحشی قوم کے طور پر دیکھنے لگ پڑے ہیں۔ گو مسلمانوں کی باہمی لڑائی کے باوجود بے شمار لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے آج کل بھی یہاں روزانہ بیسیوں لوگ مسلمان ہو رہے ہیں۔

مگر ہمیں خطرہ دراصل بے کردار اور (Hepocret) مسلمان سے ہے۔ لوگ کسی

مذہب کے پیغام کو پڑھنے کی بجائے اس کے پیروکاروں کی حرکات سے متاثر ہوتے ہیں۔ اسلام کے بارے میں برنارڈ شاہ نے کہا تھا۔ ’’اسلام بہترین مذہب ہے لیکن مسلمان بدترین قوم ہیں‘‘ برنارڈ شاہ نے ہی اسلام کے مغرب پر غالب آنے کی پیشین گوئی کی تھی اس کے علاوہ بے شمار مغربی دانشوروں نے اسلام کی بڑی تعریف کی ہے۔

آج ہمیں اسلام کے اصولوں کا مغرب کے لوگوں سے مقابلہ نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ مسلمان کا مغرب کے لوگوں کے کردار سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ اس لیے ہم ہار رہے ہیں عمل و کردار ہی یکساں اور تحمل و برداشت والے مسلمان جس دن مغرب کے سامنے پیش ہونگے وہ لازمی طور اسلام قبول کرلیں گے۔

دُنیا میں بے شمار حملہ آور قوموں نے بذریعہ تلوار ملک فتح کئے مگر بعد میں اپنے مفتوحوں کے طاقتور کلچر کے ہاتھوں مار کھا کر ہار گئے مثلاً منگول قوم جس نے مسلمانوں کو تلوار سے ہرایا لیکن بعد میں انہی کی تہذیب میں شامل ہو کر مسلمان ہو گئے۔

مغرب والے بھی اپنی طاقتور تہذیب لے کر اسے پھیلانے کیلئے مشرق میں آئے اب ان کی تہذیب خود کھو چکی ہے اور وہ کسی اور نئی اور طاقتور تہذیب کے انتظار میں ہیں کہ وہ آئے اور انہیں اپنے میں شامل کر لے کھوکھلی تہذیب کے لوگ اپنے ملک اور تہذیب کیلئے قربانی دینے سے کتراتے ہیں۔ ان میں محنت و مشقت سے گریز اور اپنے ہی علوم میں زیادہ مہارت حاصل کرنے سے بھی گریز پیدا ہو جاتا ہے۔

ان قوموں میں ذوقِ عمل و جوش و جذبہ ختم ہو جایا کرتا ہے۔ مغرب والے مسلمانوں کو آج کل وحشی و لڑائی کی قوم کے طور پر بتا رہے ہیں مگر اس کی وجہ وہ خود ہیں افغان جنگ خود انہی کی پیدا کی ہوئی ہے۔

خود مغربی قوموں کے ظلم و ستم ماضی قریب میں اتنے زیادہ رہے ہیں کہ دوسری قومیں اس کام میں ان کے قریب نہیں جا سکتیں۔

سپین نے جنوبی امریکہ میں بے حساب لوٹ مار و ظلم و ستم مار دھاڑ کی وہاں کے لوگوں

سے جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا۔ انہوں نے مایا اور ان کا انڈینز کے ساتھ ایسے مظالم کیے کہ تاریخ میں ان کی مثال ہی نہیں ملتی۔

بیلجیم نے کانگو پر قبضہ کر کے وہاں اتنے ظلم کیے کہ وہاں کی بیس لاکھ آبادی اگلے چھ سالوں میں دس لاکھ رہ گئی۔

ہالینڈ نے انڈونیشیا کو کالونی بنا کر وہاں ظلم و جبر کی نئی تاریخ رقم کی۔

امریکہ نے ۱۹۴۵ء میں جنگ ہارتے ہوئے اور پسپا ہوتے ہوئے جاپانیوں پر بلا جواز ایٹم بم گرا ڈالا اور اس کے دو بڑے شہروں کو صفحہ ہستی سے مٹا ڈالا پھر اسی امریکہ نے ویتنام میں جو کیا اسے بھی ہم میں سے اکثر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

سولہویں صدی کے آخر میں افریقہ سے ہزاروں لاکھوں لوگوں کو غلام بنا کر امریکہ لایا گیا اور ان کے ساتھ جانوروں والا سلوک کیا گیا۔ ۱۹۶۰ء میں انہیں گوروں کی طرح کے حقوق دیئے گئے۔

عیسائیوں نے یورپ میں اپنے سے مختلف ہم مذہب فرقوں پر عبرتناک تشدد کیا اور انہیں بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا سولہویں صدی کے آخر میں جادوگرنیوں کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا تھا کہ ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کو پانی میں پھینک دیا جاتا اگر وہ ڈوب جاتیں تو وہ بے گناہ ہوتیں اور اگر وہ بچ جاتیں تو اس کا علاج کرنے کے بعد اس کو زندہ جلا دیا جاتا۔

ساؤتھ افریقہ کی گوری اقلیتی عوام نے وہاں کے بیشتر کالے لوگوں کو ۱۹۷۰ء تک غلام بنائے رکھا۔

ہٹلر نے ۶۰ لاکھ یہودیوں کو گیس چیمبر میں موت کے گھاٹ اتارا۔

مغربی یورپ میں ہر سو سال بعد یہودیوں کا قتل عام مذہبی بنیادوں پر ہوتا رہا۔ یہ سلسلہ سینکڑوں برس چلتا رہا۔

عیسائیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جو بھی غیر مذہب کا شخص صحیح تائب شدہ عیسائی ہو جائے۔

اسے آگ نہیں جلا سکتی۔ اس لئے عیسائیوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر عیسائی بننے والے یہودیوں کو بھی اکثر آگ میں جلا کر یہ ثابت کیا جاتا تھا۔ کہ وہ صحیح معنوں میں عیسائی نہیں بنے تھے۔ جب کہ ان کے قتل کی اصل وجہ ان کا اپنے پرانے یہودی مذہب کے کاروباری تجربے کی بنیاد پر زیادہ امیر ہو جانا ہوتا تھا اور دوسرے عیسائی ان سے حسد کرنے لگ پڑتے تھے۔

عیسائیوں کے ظلم و ستم کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے عقیدے کے مطابق وہ سب جنت میں جائیں گے حضرت عیسیٰ ان کی خاطر صلیب پر چڑھے تھے۔

ہمارے کچھ فرقوں والے بھی ایسی ہی شفاعت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ گو معاشرے کو تباہ کرنے کی اس سے زیادہ خطرناک صورت اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی کہ اعمال کی سزا کا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے۔ ایسی شفاعت ہی ہمارے آج کل کے مسلمانوں کی بڑی اکثریت کے غلط کردار کی بنیاد ہوتی ہے۔ ہمارے پاکستان میں سبھی برائیوں کی بہت بڑی وجہ یہی ہے۔ (گو معاشرے میں انصاف کا نہ ملنا اس کی سب سے بڑی وجہ ہے)۔

سزا جزا کے اہم مذہبی تصور کو ایسی شفاعت سرے سے تباہ کر دیتی ہے۔

حقیقت میں اسلام کی شفاعت کا مطلب یہ ہے کہ توحید پر ایمان رکھنے کی صورت میں اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر ہر مسلمان بالآخر جنت میں ضرور جائے گا۔

شاید میری بات یک طرفہ ہو لیکن فیصلہ چونکہ ماضی کی بنیادوں پر ہوتا ہے لہٰذا اس میں بے شمار مثالیں موجود ہیں مسلمانوں میں ترکوں (تاتاریوں) نے بھی ظلم کیے لیکن اس کی وجہ اسلام نہیں بلکہ ان کا اپنا پرانا کلچر تھا۔

سلطان محمد فاتح نے جب بیت المقدس فتح کیا تو لڑنے والے کے علاوہ کسی کو قتل نہیں کیا مگر جب صلیبی جنگوں میں یورپ نے اس کو فتح کیا تو انہوں نے مسلمانوں، یہودیوں اور ان دونوں کے تمام عورتوں بچوں کو ذبح کر ڈالا پھر دوبارہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس پر قبضہ کیا اور پھر سب کی جان بخشی کر دی۔

یورپ کی تاریخ میں یہودی صرف سپین میں مسلمانوں کے دور میں آرام و سکون سے رہ

سکے عیسائیوں کے سپین پر قبضہ کرکے سب مسلمانوں اور یہودیوں کو یا تو قتل کر دیا گیا یا زبردستی عیسائی بنا دیا۔

☆☆☆☆☆

مسلمان اور موجودہ دور

مسلمانوں کو موجودہ دور میں عجیب صورتحال کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے دُنیا میں مادہ وسائل سے بھرپور علاقے ان کے ہونے کے باوجود یہ ہر چیز اور ہر معاملے میں مغرب والوں کے دستِ نگر ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے اگر ہم اسے عام دُنیاوی نظر سے دیکھتے ہیں تو ہمیں اس کی وجہ مسلمانوں کا سائنس و ٹیکنالوجی میں پیچھے رہ جانا ہے اس کی بظاہر یہ ہی وجہ لگتی ہے کہ یورپ میں چرچ کے زوال کے بعد وہاں پر سائنسی ترقی شروع ہوگئی تھی وہاں صنعتی انقلاب پہلے آیا اسی صنعتی ترقی کی بنیاد پر انہوں نے مشرق پر قبضہ کرلیا۔ اسلام کے سکالر مولانا وحید احمد خان صاحب (دہلی، انڈیا) نے اس کی وجہ انگریزوں کا 1758ء میں بنگال پر قبضہ اور پھر وہاں بندرگاہوں کے مالیے کی وصولی کی بناء پر مغرب میں صنعتی ترقی (خصوصاً کپڑے ٹیکسٹائل وغیرہ کی) بنیاد پر باقی اسلامی دُنیا پر قبضہ بتایا ہے۔ بہرحال انگریزوں نے پیسہ استعمال کرکے ہی انڈیا پر قبضہ کیا تھا۔ وہ کسی بھی جگہ دو لڑنے والے حکمرانوں میں سے ایک کو فوجی امداد دے کر اس کے جیتنے کے بعد معاوضے کے طور پر اس سے آمدنی والے علاقے لے لیا کرتے تھے۔

پھر وہ یہ بتاتے ہیں کہ مسلمانوں میں یورپ والوں سے شکست کھا کر بجائے کہ وہ اپنے شکست کی وجوہات پر غور کرتے انگریزوں کی ہر بات سے نفرت شروع کی تو ان کی کچھ معقول وجوہات تھیں مگر ان کے جدید علوم سائنس و ٹیکنالوجی سے انہوں نے نفرت شروع کر دی۔ اسی نفرت کی بنیاد پر مسلمان ہر جگہ جدید علوم میں پیچھے رہ گئے پھر یہ فرق اتنا بڑھ گیا کہ اب تک پُر نہ ہوسکا۔ مولانا کی یہ بات بہت حد تک سچائی لیے ہوئے ہے۔

پھر کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ انڈیا اور خصوصاً پاکستان کو قدم بہ قدم آزادی ملتی تو ہم پاکستان کو سنبھالنے کی کچھ تربیت تو حاصل کرلیتے۔

دُنیا میں ترقی کو جب ہم قرآن پاک کے حوالے سے دیکھتے ہیں تو ہمیں اس بات کا

جواب کچھ اس طرح ملتا ہے۔

ہم نے ہدایت کی کتاب (تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا کہ زمین کے مالک تیرے نیک بندے ہوں گے۔ (الانبیاء:۲۱)

اور نیکی کی وضاحت قرآن پاک میں مختلف جگہوں پر اس طرح سے کی گئی ہے۔

پھر آگے لکھا ہوا ہے۔ نیکی یہ نہیں کہ تم منہ پھیرو پورب کی طرف یا پچھم کی طرف بلکہ نیکی یہ ہے کہ خدا پر ایمان لاؤ اس کی کتابوں پر فرشتوں اور روزِ جزاء پر۔ قرض خواہوں کی گردن چھڑاؤ یتیموں اور مسافروں کی مدد کرو۔ نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ عہد کرو تو پورا کرو اور سختی اور تخلیق میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں خدا سے ڈرنے والے۔ (البقرہ:۱۷۷)

یہاں پر ضرورت مندوں کی مدد کرنے اور سچائی پر واضع طور پر زور دیا گیا ہے یہی چیزیں کسی کلچر کی طاقت کا سبب ہوتی ہیں یہاں پر رُک کر ہم قرآن کے پیغام پر غور کرتے ہیں کہ کیا ہم نیک لوگ ہیں آج کل (اور پچھلے پچاس سالوں میں) ہر اسلامی ملک انسانی حقوق پامال کیے جارہے ہیں یتیموں اور مسکینوں کی مدد تو کیا کسی عام آدمی کے حقوق بھی محفوظ نہیں ہیں ہم قرآن کے قول کے مطابق نیک لوگ نہیں ہیں بدعہدی میں مسلمان یہودیوں اور عیسائیوں سے بہت آگے ہیں۔ اس معاملے میں مغرب والے زیادہ نیک لوگ رہے ہیں وہاں معاشرتی اونچ نیچ بہت کم تھی ہر ایک کو مشرق سے زیادہ انصاف ملتا تھا۔ انگریزوں کا انصاف (English Justice) ساری دُنیا میں ضرب المثل رہا ہے۔ آج بھی مغربی ممالک میں رہنے والوں کیلئے قانون اور تحفظ ہمارے مسلمان ملکوں سے بہت زیادہ ہے اور پاکستان کی حالت یہ ہے کہ معاشرے میں انصاف نہیں معاشرتی اونچ نیچ برادری ازم، فرقہ واریت اور صوبہ واریت اس کا مستقل حصہ ہیں اور اسی طرح کی بے شمار دوسری بلائیں منہ کھول کر پھر رہی ہوں ان حالات میں ترقی ہونا معجزہ ہی شمار ہوسکتا ہے۔ پھر ہمارے مُلّا کی سوچ اتنی محدود (Limited Vision) ہے کہ وہ قرآنی احکام کے اپنے ہی معانی بیان کرتا ہے وہ پڑوسی کو دو روٹیاں دینے

کو ہی بھوکے پڑوسی کی مدد سمجھتا ہے جبکہ ملک اور علاقے میں ایسے حالات پیدا کرنا کہ اسی بھوکے پڑوسی کی ملازمت کا بندوبست ہو جائے اور وہ فاقہ کشی سے مستقل طور پر نجات حاصل کرلے۔

معاشرے میں انصاف اور آپس میں پیار محبت ہی اس کلچر کو طاقتور بناتے ہیں ہم پاکستان میں یہ چیزیں لاکر ہی اپنی ترقی کی طرف گامزن ہو سکتے ہیں۔

کسی بھی ملک کی صنعتی ترقی کیلئے اہم ترین شعبے مندرجہ ذیل ہوتے ہیں۔

(1) میٹلرجی (دھات سازی کا علم)

(2) کان کنی کے آلات

(3) مشین سازی (جس کی ذیلی برانچ اسلحہ سازی بھی ہے جو دُنیا میں ہمیشہ سے اہم ترین رہی ہے)۔

ان تینوں میں پاکستان میں صرف میٹلرجی کا علم موجود ہے مگر اسے فوج کے علاوہ کہیں بھی استعمال نہیں کیا جارہا۔ جبکہ دوسری ساری اسلامی دُنیا بھی پاکستان کی طرح ان علوم میں بہت پیچھے ہے۔

یہ تین وہی علوم ہیں جو مغربی ملک نہیں چاہتے کہ یہ ترقی پذیر ملکوں کو ملے اور وہ نہیں اس علم سے دور رکھنے میں مسلسل مصروف رہتے ہیں۔

اس کے بعد بینکاری کا نظام ہے۔ بینک اور ملٹی نیشنلز ہی اس وقت دُنیا کی اکانومی کو کنٹرول کر رہے ہیں کہ دُنیا کے پچانوے فیصد سرمائے اور وسائل پر انہی کا قبضہ ہے۔ بینکوں پر اس وقت ساری دُنیا کے ترقی یافتہ ملکوں میں ایک زبردست سرد جنگ چل رہی ہے۔ جاپانی بینکوں کا زور توڑنے کی بھی اس میں بڑی کوششیں ہو رہی ہیں۔

چین کو بینکاری پر بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ورنہ اس کی سب معاشی ترقی کھوکھلی رہ جائیگی۔

انگلینڈ کی معیشت میں بینکوں کا آج بھی بہت بڑا کردار ہے۔ اسے انٹرنیشنل

بینکنگ کا اڑھائی سو سالہ تجربہ اور مہارت ہے۔ ماضی قریب میں ہی امریکہ نے اس سے یہ بینک خرید کر انٹرنیشنل بینکنگ کی اسی طرز پر کوشش کی اور بڑا نقصان اٹھایا۔ اس کی وجہ ان کی عدم مہارت تھی۔

اس کے بعد IT سیکٹر میں جس میں سافٹ ویئر میں مہارت ہونے کی صورت میں آپ بہت سا زرمبادلہ کما سکتے ہیں۔ میرے اندازے میں پاکستان اس میں کافی آگے جائے گا مگر اس وقت ہم اس سیکٹر میں بہت پیچھے ہیں۔

☆☆☆☆☆

خدا اور مغرب

دُنیا میں نظریہ ضرورت کی حیثیت سے ہر عقل مند شخص واقف ہے۔ کہ بہت سے لوگ جو بھی کام کرتے ہیں۔ اس میں کوئی نہ کوئی غرض ضرور ہوتی ہے۔

بلکہ کچھ قنوطی (ہر چیز کا تاریک پہلو دیکھنے والے) تو یہ بھی کہتے ہیں کہ اس دُنیا میں ہر کوئی مطلب کا بندہ ہی ہے۔ ہر کام، ہر تعلق، ہر رشتے، ہر پیار، بلکہ ہر مسکراہٹ تک کے پیچھے کوئی نہ کوئی ضرورت یا غرض پوشیدہ ہوتی ہے۔

ایسے ہی ایک شاعر کا شعر ہے۔

عجز و مروت مہر و فا سب رسمی سی باتیں ہوتی ہیں
ہر شخص خودی کی مستی میں بس اپنی خاطر جیتا ہے

ایسے ہی کمزوروں کا کہنا یہ ہے کہ قانون طاقتوروں نے کمزوروں کو قابو میں رکھنے کیلئے بنایا ہے اور طاقتور یہ کہتے ہیں کہ کمزوروں نے طاقتوروں کو کنٹرول کرنے کیلئے ایک شے ایجاد کی ہے۔ جسے اخلاقیات کہتے ہیں۔

خدا خوفی ہی دین کی بنیاد ہے۔ خدا خوفی کی عدم موجودگی میں اُوپر بیان کردہ سب باتیں بڑی حد تک صحیح ہیں اور اگر خدا کا ڈر نہ ہو تو انسان انتہائی خودغرض اور درندوں سے کئی گنا زیادہ بے رحم ہو سکتا ہے۔

نظریہ ضرورت کی اہمیت سے مجھے انکار نہیں ہے لیکن جہاں پر مادی خیالات کے مالک لوگ ہوا کرتے ہیں۔ وہاں یہ بات بہت حد تک صحیح ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان خود جو کچھ بھی ماننے لگ پڑتا ہے وہی اس کے ساتھ بھی ہونے لگ پڑتا ہے۔ اگر آپ مان لیں کہ دُنیا خودغرض ہے تو آپ کو ہر جگہ خودغرضی اور غرض کے بندے ہی نظر آئیں گے۔ لیکن جہاں بھی خدا خوفی (خالی لفظی نہیں بلکہ صحیح تقویٰ رکھنے والے) بیچ میں آ جاتے ہیں۔ وہاں پر بات بدل جاتی ہے اور انسان دوسرے کے ساتھ بھی وہی سلوک کرتا ہے جو سلوک وہ خود سے ہونا پسند کرتا ہے۔

خدا خوف ایسا کسی دُنیاوی قانون یا لوگوں کی تنقید کے خوف سے یا اپنی تعریف سننے کی

غرض سے نہیں بلکہ خالصتاً خدا کے لئے کرتا ہے۔

وہ ہر ایک سے بلکہ اپنے بدترین دشمن تک سے انصاف کرتا ہے۔

ہر چیز کو صرف مادی طریقے سے دیکھنے کا معاشرے میں اثر کیا ہوتا ہے۔ مغرب اس کی زندہ مثال بنا ہوا ہے۔

آج کل مغرب میں ماں بیٹا، بہن بھائی، خاوند بیوی، ہر رشتہ خالص غرض کی بنیاد پر چل رہا ہے جب تک غرض ہے رشتہ باقی ہے ورنہ فوراً ختم اور مغرب میں سب رہنے والے اس بات سے واقف ہوتے جا رہے ہیں یہاں آدھے سے زیادہ بچے بغیر باپ کے پل رہے ہیں اکیلی ماں اسے پوری توجہ اور محبت نہیں دے سکتی اور جس کو بچپن میں پیار و توجہ نہ ملے وہ اسے سمجھ نہیں پاتا۔ اور وہ اسے دوسروں کو ملتا دیکھے تو حسد کا شکار ہو جاتا ہے بچپن میں پیار نہ پانے والے بچے ساری عمر محرومیوں کا شکار رہتے ہیں اور اکثر ان کا مشغلہ نشہ اور منشیات ہوا کرتا ہے۔ اور ٹھکانہ عموماً جیل پھر ان بچوں کی اولاد انہیں برائیوں میں اور بھی گہری چلی جاتی ہے۔

آج کل دُنیا میں جس کو دیکھیں وہ پیار کی تلاش میں ہے زیادہ سے زیادہ پیار کی اور ہر شخص کو یہی گلہ ہے کہ وہ کافی پیار نہیں پا رہا۔

لیکن پیار کا مغرب والوں نے یہ حال بنا دیا ہے کہ لوگ پیار سے ہی بھاگ رہے ہیں۔

یہ مانا کہ نظریہ ضرورت ہر چیز میں چلتا ہے اور فلاسفر انسان کو فطرتاً خود غرض کہتے ہیں مگر مذہب اور خدا خوفی چیزوں کو دوسروں کے ساتھ شیئر کرنے اور آپس میں پیار و محبت رکھنے کو سب سے لازم و ملزوم بتاتی ہے۔

آج کل پیسے اور سائنس کے زور پر اپنے باشندوں کو ان کا حق و انصاف، مفت تعلیم و طبی سہولتیں دینے اور اپنے ملکوں کو مادی طور پر جنت بنا لینے کے باوجود مغرب عجیب مشکل میں آ پھنسا ہے۔ گو مغرب میں رہنے والے عام باشندے بھی ماضی کے بہت سے بادشاہوں سے بہتر زندگی گذار رہے ہیں۔ مگر درحقیقت مغربی لوگ اب مادیت پسندی سے بیزار ہو کر اب خدا کے راستے (مذہب، پیار اور اندرونی سکون) کی تلاش میں ہیں۔

اسلام کے لئے وہاں کی سرزمین بڑی موزوں ہے اور اسلام میں لوگوں کے دل میں گھر کرنے کی پوری طاقت موجود ہے اگر وہاں صحیح طریقے سے تبلیغ کی جائے تو اسلام وہاں بڑی رفتار سے پھیلے گا (گو آج کل صحیح تبلیغ اور آرگنائز طریقے سے تبلیغ نہ ہونے کے باوجود بھی وہاں

خاصے لوگ مسلمان ہو رہے ہیں)۔ سچی بات کو ماننا مغرب کے لوگوں کی عادت میں شامل ہے اور ہر آدمی اپنی عادت سے مجبور ہوتا ہے۔

اسلام سچا اور مکمل مذہب ہے پھر مغرب کے لوگوں پر کسی کا دباؤ نہیں ہوتا جو کہ انہیں مسلمان ہونے سے روکے اور تبلیغ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم سے کم از کم کچھ حصہ مسلمان جو قول و فعل میں یکساں اور تحمل اور برداشت والے مسلمان بن کر ان کے سامنے آئیں اور انہیں دشمن سمجھنے کی بجائے دوست سمجھ کر ان میں گھلیں ملیں۔

لوگ دوسرے مذہبوں کی مذہبی کتابیں پڑھنے کی بجائے اس کے پیروکاروں کے عادات و اطوار سے متاثر ہوتے ہیں اور افسوس کی بات ہے اور ہم مسلمان میں اُونچا کردار بہت کم ہی دیکھنے میں آ رہا ہے۔

بہتر طریقے سے تبلیغ کے لیے ہمارے مبلغین کو اپنا تبلیغ کا لٹریچر اور پرانے اصول بدلنے ہوں گے۔ ہمارے اکثر اسلامی عالموں کا حال یہ ہے کہ بقول اقبالؒ

"احکام تیرے برحق ہیں مگر تیرے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا دیتے ہیں پازند"

اسلام ہمیں انسانیت سے پیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ہمارے مذہبی راہنماؤں نے مغرب والوں سے خواہ مخواہ مستقل تلوار کی جنگ لگائی ہوئی ہے۔ یہ جنگ ہم موجودہ حالات اور اسباب کے ساتھ کبھی نہیں جیت سکتے۔ اور یہ جنگ اسلام کے پیغام میں بھی شامل نہیں ہے۔ بلکہ یہ جنگ الٹا ہماری تبلیغ کے راستے میں بھی رکاوٹ ہی ہے۔

پیار کی فتح ہی اصلی اور حتمی فتح ہوتی ہے پیار کی راہ ہی صحیح راہ ہے۔

تبلیغ کی جنگ ہم با آسانی جیت لیں گے ہمیں چاہیے کہ اس صحیح اور وسیع میدان میں تیاری کر کے کود پڑیں مگر ہمیں پہلے اسلام کو تحمل و برداشت (یعنی اپنے مختلف فرقوں اور دوسرے مذاہب کو برداشت کرنا ان کا احترام کرنا اور معمولی معمولی باتوں پر نہ لڑنا یا خواہ مخواہ جہاد کا نعرہ لگا دینے سے گریز کرنا) کا مذہب بنا کر اس کا عملی ثبوت بھی پیش کرنا ہوگا۔

پہلے مغرب کی تہذیب کی بنیاد انصاف، آزادی فکر و رائے، تنقید کی آزادی، آزادی صحافت، محنت ذہانت کی قدر کے علاوہ جدید علوم خصوصاً سائنس اور صنعت کی ترقی پر تھی۔ مغرب والے اپنی یہی طاقتور تہذیب لے کر مشرق میں اس جذبے کے ساتھ اترے تھے کہ وہ

اس تہذیب کو یہاں بھی پھیلائیں اور آج ان کی اپنی تہذیب اتنی مصنوعی اور کھوکھلی ہو چکی ہے کہ وہ کسی دوسری ایسی طاقتور تہذیب کے انتظار میں ہیں کہ وہ انہیں اپنا لے۔

اس سے پہلے بھی منگول وسط ایشیاء سے اٹھے اور تقریباً سارے اسلامی ملکوں پر قابض ہو گئے مگر تھوڑے ہی عرصے میں اسلام کی طاقتور تہذیب کے ہاتھوں ان کی تہذیب ہار گئی اور وہ تلوار کی جنگ جیتنے کے باوجود تہذیب کی جنگ ہار کر مسلمان ہو گئے۔ خود ہمارا اپنا دُنیا کا طاقتور ترین اسلامی ملک پاکستان اسی تہذیبی جنگ کا زندہ ثبوت ہے۔ کہ ہم پاکستانیوں میں سے 95 فیصد لوگ ہندو سے ہی مسلمان ہوئے ہیں۔

اور اب پھر حالات اسی پرانے موڑ پر کھڑے ہیں۔

مشہور فلاسفر برٹینڈ رسل کہتا ہے کہ جو کلچر دو بچوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا وہ ختم ہو جایا کرتا ہے کہ اس کی جگہ دوسری توانا قوم اور توانا کلچر لے لیتا ہے۔

مغرب کو اب یہ بھی ایک بڑا خطرہ درپیش ہے کہ ان کی نسل کم ہوتی جا رہی ہے اور دوسرے غیر ملکی (ایشیائی، افریقی اور ہسپانوی نژاد لوگ) بڑھنے لگ پڑے ہیں۔

مغرب کی کمزوریوں میں ان کے لئے سب سے خطرناک کمزوری ان کی عورت کا کردار بطور ماں ہے۔ ماں جس کے بارے میں نپولین نے کہا تھا کہ تم مجھے اچھی مائیں دو میں تمہیں اچھی قوم دوں گا۔

میں بڑے عرصے سے یورپ میں رہ رہا ہوں مجھے کوئی شبہ نہیں ہے کہ مغرب کی عورتوں کی اکثریت ایک اچھی ماں نہیں رہی ہے۔ ماں جس کے بارے میں صدر روزویلٹ نے کہا تھا اگر عورت ایک اچھی بیوی اور ماں نہیں ہے اور جب تک وہ اپنے بچوں کی صحیح طریقے سے جسمانی ذہنی اور روحانی تربیت نہیں کرتی پھر چاہے کتنی ہی غیر معمولی ذہانت یا فرواں مالی خوشحالی ہو کتنی ہی سائنسی اور صنعتی ترقی ہو اس قوم کو تباہی اور بربادی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

یورپ میں اب بے روزگاری الاؤنس ملنا بہت مشکل ہوتا جا رہا ہے اور اب اکیلی ماں (جن کی تعداد آدھی کے قریب ہے) بچوں کو سنبھالیں یا اپنے کام پر جائیں اگر کام پر جاتی ہیں تو ان کے بچے ٹی وی پر کریمنل قسم کی فلمیں اور دوسرے غیر تعمیری فلمی پروگرام دیکھ کر جوان ہو رہے ہوتے ہیں جو کہ ان کی شخصیت کا حصہ بنتے جاتے ہیں۔ بلکہ اگر مغربی ملکوں کے پاس پیسے کی حکومتی سپورٹ نہ رہی تو پھر ان ملکوں کے بچوں کی اکثریت بھی برازیل اور کولمبیا کی

طرح سڑکوں پر ہی ڈیرہ لگائے گی کہ والدین پیسے نہ ہونے کی وجہ سے انہیں پال نہیں سکتے اور خدا خوفی بھی نہیں ہو گی۔ اُن ملکوں میں سڑکوں پر تقریباً سب کے سب بچے کسی نہ کسی مجرمانہ سرگرمی میں حصہ لے کر اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ اور بڑے ہونے تک پیشہ ور ملزم بن جاتے ہیں۔ باشرطیکہ ان سڑکوں گلیوں کی سخت زندگی انہیں جوان ہونے سے پہلے ہی موت کی آغوش میں نہ لے جائے۔

بڑے شہروں میں کسی بھی قسم کا معاشرہ ان بے آسرا بچوں کو نہیں سنبھال سکتا۔ ان کی صحیح تربیت ماں اور باپ دونوں مل کر ہی کر سکتے ہیں۔

سکول میں آپ کو بہت کچھ سکھایا جا سکتا ہے مگر کچھ چیزیں سکول سے کبھی نہیں سکھائی جا سکتیں۔ اس میں دلیری، مضبوط کردار اور سچائی شامل ہیں یہ چیزیں آپ گھر سے ہی سیکھ سکتے ہیں۔ اور اس کو سکھانے میں سب سے اہم کردار ماں کا ہوتا ہے مغرب کے لوگ یہ کردار کھو رہے ہیں ان کی طاقت ختم ہوتی جا رہی ہے۔

☆☆☆☆☆

پاکستان اور قانون

پاکستان میں جب بھی قانون کی بات ہوتی ہے تو سب لوگ یہی کہتے ہیں کہ غریبوں کے لئے ہمارے ملک میں قانون ہے امیروں کے لئے نہیں اور جب لوگ یہ بات دیکھتے ہیں تو آہستہ آہستہ قانون کا احترام ختم ہو جاتا ہے اور لاقانونیت شروع ہو جاتی ہے جس کی انتہا انار کی ہوتی ہے۔ پھر لوگ ایسا ہی برتاؤ قانون کے ساتھ کرتے ہیں جیسے انگریزوں کے زمانے میں سرائیکی بیلٹ کے کچھ حصوں میں کریمنل ٹرائب (انگریزوں کی اصطلاح میں) کرتے تھے وہ صرف اپنے قبیلے کے قانون کو مانتے تھے۔

چوری اور رسہ گیری ان کا پیشہ تھا ان کا کوئی فرد کوئی چیز چوری کر لاتا تھا تو اگر اس کا مالک کھوجی وغیرہ کی مدد سے چور تک پہنچ جاتا تھا تو پھر سارا قبیلہ جمع ہو جایا کرتا تھا کہ ہمارے نوجوانوں نے محنت کی ہے۔ رات جگا کیا ہے آدھی قیمت دو اور اپنا مال لے جاؤ ورنہ جو چاہتے ہو کر لو۔

مالک مجبور ہو کر آدھے پیسے دے کر اپنی چیز واپس لاتا تھا یہ سلسلہ کوئی 1970ء تک چلتا رہا اب ہمارے ملک میں قانون کی یہی حالت ہے جب قانون لوگوں کی حفاظت نہ کر سکے تو لوگ اپنی حفاظت کا قانون خود ڈھونڈ لیتے ہیں۔ اس صورت میں اکثر اپنی برادری یا قبیلے کے قانون پر ہی اعتبار کرتے اور اسی پر ہی عمل کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں صوبہ واریت کی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہاں کے انسان نا انصافی کا (اکثر یکطرفہ) رونا رو کر اپنے صوبے کو مرکز کیخلاف بھڑکاتے رہتے ہیں اور لوگ سیاسی شعور کی کمی کی وجہ سے ان کی غلط شکایات کو بھی صحیح مان لیتے ہیں۔

پاکستان میں پولیس کا سپاہی اگر کسی مجرم کو پکڑتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ اسے گرفتار کرے گا تو عدالت میں رشوت دے کر مجرم رہا ہو جائے گا۔

اب پولیس والے کی تنخواہ کوئی چار ہزار روپے ہے (اور آج کل اوسط گھرانے کے صرف کچن کا خرچہ اس سے زیادہ ہے) تو وہ ہی کیوں نہ اپنا مسئلہ حل کر لے (یعنی رشوت لے کر مجرم کو چھوڑ دے) اسے معلوم ہے اگر وہ مجرم کو پکڑ کر عدالت لے بھی جاتا ہے تو جج

تعلقات یا رشوت کی وجہ سے اس چھوڑ دیں گے کہ جج کا بھی وہی مسئلہ ہے۔

ججوں کی تنخواہ سات آٹھ ہزار روپے ہے وہ اس میں کیسے گزارہ کریں اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ اگر انہوں نے مجرم کو سزا سنا دی تو ہائی کورٹ میں مل ملا کر یا رشوت دے کر مجرم بری ہو جائے گا۔

ملک میں انصاف کسی ڈیم کی دیواروں کی طرح ہوتا ہے انصاف کی عدم موجودگی میں نہ تو امن و امان بحال رہ سکتا ہے نہ ہی ریونیو اکٹھا ہو سکتا ہے۔

نہ کسی قسم کی سرمایہ کاری کو تحفظ ملتا ہے اور نہ ہی مختلف صوبوں کو ان کا حق ملتا ہے۔

اس کے بغیر ایک ملک سرے سے ترقی ہی نہیں کر سکتا لیکن اگر انصاف مہنگا اور پیچیدہ ہو جائے تو پھر بھی لاقانونیت ہو جاتی ہے۔ ہمارے ملک کی اہم ترین ضرورتیں تعلیم اور انصاف ہیں۔

پھر ہمیں بھوکا انصاف نہیں چاہیے پہلے چور کی روٹی کا بندوبست کرو پھر اسے سزا دینے کا سوچو۔

آج کل موٹروے پولیس کے جوانوں کی اوسط تنخواہ پندرہ سولہ ہزار روپے ہے اور ان کے لیئے قانون ہے کہ جو رشوت لیتے ہوئے پکڑا جائے گا اس کی پنشن بھی ضبط ہو جائے گی اور اس کی نوکری بھی ختم ہو جائے گی۔

موٹروے پولیس میں ابھی تک کوئی رشوت کا کیس سامنے نہیں آیا کہ اچھی تنخواہ اور سخت قانون ہے۔ ہم سارے ملک میں اسی طرح کا نظام لا کر کرپشن کو ختم کر سکتے ہیں جس کے خاتمے کے بغیر ملک کی ترقی محال ہوتی ہے ہمیں اپنی سب سے زیادہ توجہ تعلیم اور انصاف پر دینی چاہیے انصاف کے بغیر گورنمنٹ مالدار نہیں ہو سکتی (کم از کم ہمارے ملک کے موجودہ وسائل کو دیکھتے ہوئے) اور اگر ہو بھی جائے تو پھر سے بھوکی ہو جاتی ہے اور اگر گورنمنٹ غریب ہو تو ملک میں غربت کو کم کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

ہمیں انصاف کو حکومت کے اثر سے بھی نکالنا ہوگا۔ ورنہ وہ اس میں دخل اندازی سے کبھی باز نہیں آیا کرتیں۔

میرے خیال میں ہم انصاف اور تعلیم کو ہی سب سے زیادہ اہمیت دے کر پاکستان کو ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں لا سکتے ہیں۔

اس کے بعد اہمیت پیسے کی ہوتی ہے۔ کہ پیسہ جس نظام کے بھی پیچھے ہو وہ نظام کامیابی سے چل جایا کرتا ہے۔ (مگر زیادہ مہنگے نظام سے بچنا بھی بہت زیادہ ضروری ہے)۔

پھر ہمیں اخلاقیات پر بھی توجہ دینی ہوگی کہ اگر یہ نہ ہو تو کلچر کمزور ہو جایا کرتا ہے اور معاشرہ بھی مجرموں سے بھر جایا کرتا ہے۔ ہمارا موجودہ ناانصافیوں سے بھرپور نظام ہی لوگوں کو برائی کے خلاف ہونے اور لڑنے سے روکتا ہے کہ ہر کوئی تھانے کچہری سے اپنی عزت بچاتا وقت گزار رہا ہے حالانکہ یہ جذبہ ہم لوگوں میں موجود ہے اور رہے گا۔

صدر کنیڈی نے اس بارے میں ایک دلچسپ اور سچی بات کہی تھی۔ ''اگر لوگ اچھے ہوں تو ملک میں قانون کی ضرورت نہیں ہوا کرتی اور اگر لوگ برے ہوں تو قانون کو توڑ دیا کرتے ہیں۔''

دُنیا کے بہت سے ملکوں اور مختلف معاشرے کے لوگوں سے برسوں کے میل جول اور اپنی تحقیق کے بعد میں بھی صدر کنیڈی والی رائے پر ہی ہوں۔

اور رہا یہ سوال کہ ہمیں صحیح اخلاقیات کہاں سے ملیں گے تو حتمی اخلاقیات ہمارے مذہب اسلام میں مل چکے ہیں۔

عدل و انصاف کے بارے میں قرآن پاک میں ہے ''خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلے کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔ خدا تمہیں خوب نصیحت کرتا ہے۔ بیشک خدا سنتا اور دیکھتا ہے۔'' (النساء: ۵۸)

''اے پیغمبر ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے۔ تاکہ خدا کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے مقدمات فیصل کرو اور (دیکھو) دغابازوں کی حمایت میں کبھی بحث نہ کرنا۔'' ''اور خدا سے بخشش مانگنا، بیشک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔'' ''اور جو لوگ اپنے ہم جنسوں کی خیانت کرتے ہیں انکی طرف بحث نہ کرنا کیونکہ خدا خائن اور مرتکب جرائم کو دوست نہیں رکھتا۔'' (النساء: ۱۰۵)

1945ء میں جب جنگ عظیم ختم ہو رہی تھی تو سب انگریز سیاستدان اور دانشور سخت پریشانی میں تھے کہ جنگ تو جرمنی ہارا تھا مگر اصل ہار انگلینڈ کی ہوئی تھی کہ اسے دُنیا میں اپنی 52 عدد کالونیوں سے ہاتھ دھونے پڑے تھے۔ اس وقت ایک دن پارلیمنٹ میں وزیراعظم چرچل سے یہ سوال کیا گیا کہ اب انگلینڈ کا کیا بنے گا؟ کیا اب بھی انگلینڈ قائم و محفوظ رہ سکے گا؟ اس

پر چرچل نے پارلیمنٹ میں موجود ایڈووکیٹ جنرل جو کہ عدلیہ کا نمائندہ تھا کی طرف اشارہ کر کے کہا ''اس کا جواب مجھ سے بہتر یہ لوگ دے سکتے ہیں۔ اگر یہ صحیح رہے تو پھر برطانیہ کو کوئی خطرہ نہیں۔''

چرچل کا یہ جواب مختصر ترین بالکل صحیح اور انتہائی دانشمندانہ تھا۔ یہی چیز (انصاف) ہی ملک و قوم کی ترقی و خوشحالی کی بنیاد ہوا کرتی ہے۔

اس کی عدم موجودگی میں ملک کو تو چھوڑیں دو آدمی بھی کہیں پر اکٹھے امن سکون کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ ملک تو مختلف ثقافتوں، قبیلوں اور نسلوں کا مجموعہ ہوا کرتا ہے۔ جن کے درمیان تنازعے اور اختلافات ہونا ایک لازمی امر ہے۔ انصاف کے بغیر کہیں پر بھی امن و امان نہیں ہو سکتا اور امن و امان کی عدم موجودگی میں خوشحالی اور ترقی کا تصور کرنا ہی حماقت ہے۔ میری پاکستانی حکمرانوں سے گزارش ہے کہ وہ غریبوں کے لیے کچھ کریں۔ ان کو بھی کچھ دیں۔ قانون کی حکومت کے بغیر یہ کبھی نہیں ہو سکے گا اور اگر آپ نے اب بھی غریبوں کے لیے کچھ نہ کیا تو پھر اس وقت کے لیے اس ملک میں ہر امیر اور باحیثیت تیار رہے۔ جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اگر آپ کے پاس چار روٹیاں ہیں تو آپ ان میں سے ایک روٹی کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں اس بھوکے مگر خاموش آدمی کو دے دیں۔ جو آپ کو دیکھ رہا ہے اگر آپ اس کو یہ روٹی نہیں دیں گے تو نہ چار روٹیاں رہیں گی نہ آپ۔

میرا دعویٰ ہے کہ انصاف کے آ جانے کے بعد ہمارے ملک کے 80% مسائل اور مشکلات خود ہی ختم ہو جائیں اور انصاف کی عدم موجودگی میں ساری دُنیا کی مال و دولت اور علم بھی یہاں آ جائے تو اس کا یہاں رُکنا ناممکن ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ اگر صرف انصاف ہی صحیح طریقہ سے آ گیا تو ہم مغرب کی ساری سائنسی ترقی کے برابر صرف دس برس میں ہی آ سکتے ہیں۔

انصاف ہی پاکستان کی سب سے اہم ضرورت ہے۔

☆☆☆☆☆

ڈاکٹر یا ڈاکو

اچھے اور درد دل رکھنے والے ڈاکٹروں سے معذرت کے ساتھ

2003ء کے موسم گرما کی بات ہے میں صبح دس بجے ایمسٹرڈیم (ہالینڈ) میں اپنی ٹیلی فون کی دوکان کے اُوپر رہائش گاہ میں بیٹھا ورد اذکار میں مشغول تھا نیچے سے میرے افغانی ورکر جاوید نے فون کیا کہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب آپ کو ملنے کیلئے آئے ہیں۔ میرا خیال پہلے موضع کلر کہار کے صوفی غلام مصطفیٰ جو حکیم بھی تھے کی طرف گیا مگر پھر حکیم اور ڈاکٹر کے فرق بتانے کی وجہ سے اندازہ ہو گیا کہ کوئی صاحب میری پہلی کتاب روحانیت، دانش اور حقیقیں کے سلسلے میں ہی ملنے آئے ہوں گے۔

میں جلدی سے نیچے آیا وہاں پر کوئی چالیس سالہ عمر کے دو ڈاکٹر موجود تھے جو کہ ہارٹ وغیرہ میں سپیشلسٹ تھے انہیں لے کر اُوپر آیا۔ چائے بنا کر پیش کی پھر بات چیت شروع ہو گئی۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نے بتایا کہ اس نے میری کتاب پڑھی تھی اسے بے حد پسند آئی۔ وہ مجھے ملنا چاہتا تھا اب وہ دونوں جرمنی میں ڈاکٹروں کی کسی انٹرنیشنل کانفرنس پر آئے تھے۔ اس کے بعد ان کا ارادہ بذریعہ ہالینڈ لندن جانے کا تھا ان کے پاس صرف چند گھنٹے وقت تھا وہ اس لیے مجھے ملنے ایسٹرڈیم چلے آئے۔

میں نے اپنی کتاب میں موجود چند اہم باتوں کی وضاحت کے بعد ان سے ایک سوال کیا آپ برا تو نہیں مانیں گے اگر میں آپ کے پیشے سے متعلقہ ایک دو تنقیدی سوال کروں اور میرے یہ سوال کرنے کا مطلب ان کی بے عزتی یا Let Down کرنا نہیں ہے بلکہ اپنے علم میں اضافہ کرنا اور انہیں کچھ حقائق کا بتانا بھی ہے۔

ان کے اثبات میں جواب دینے پر میں نے کہا میں یہ نہیں کہتا کہ آپ کا علم ادویات اور ڈاکٹری بے کار اور فضول علم ہے مگر یہ بہت ہی محدود اور ادھورا ہے کہ مثلاً آپ کسی بھی پکی بیماری کو ختم نہیں کر سکتے بلکہ صرف ٹمپریری افاقہ دیتے ہیں جیسے آپ شوگر، بلڈ پریشر، مستقل سر درد، کمر درد کسی کو بھی مستقل طور پر ختم نہیں کر سکتے بلکہ وقتی افاقے کے لئے گولیاں انجکشن وغیرہ دے دیتے ہیں جیسے شوگر کیلئے ہر روز کھانے کیلئے ایک دو گولیاں کمر درد کے لئے ایسی

گولیاں جن کے کھانے سے کمر کے اعصاب ڈھیلے ہو جائیں اور وقتی آرام آ جائے سر درد کیلئے ایسی گولیاں جن سے خون پتلا ہو کر سر کی طرف زیادہ ہو جائے اور وقتی طور پر آرام مل جائے اور یہ سب تکلیفیں کل سے پھر سے اسی طرح موجود ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ ڈاکٹروں کی دی ہوئی یہ دوائیں افاقہ تو وقتی طور پر دیتی ہیں مگر ان کے سائیڈ افیکٹ مریض کو مستقل طور پر بیمار کر دیتے ہیں۔

آپ کسی بھی مستقل بیماری کا پکا علاج نہیں کر سکتے ہاں جلدی اور موسمی بیماریوں کا آپ کے ہاں علاج ہوتا ہے۔ پھر آپ کی سرجری کی اہمیت بہر حال اپنی جگہ ہے لیکن سرجری میں بھی 50 فیصد مزید خرابیاں ہی پیدا کرتے ہیں۔

باقی آپ لوگوں کا علاج صرف بچوں کو صحت یاب کرتا ہے وہ بڑھ رہے ہوتے ہیں اور ان کے جسم میں بہت سے ہارمون ہوتے ہیں بچوں کو صحت یاب دیکھ کر آپ سب بیماروں کو صحت یاب کرنے کا دعویٰ کر دیتے ہیں جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

میری یہ باتیں سن کر وہ دونوں ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگ پڑے کچھ وقفے کے بعد ایک ڈاکٹر بولا ”آپ کی یہ بات تو صحیح ہے مگر ہمارا اس طرف دھیان ہی نہیں گیا تھا۔“ دراصل ڈاکٹروں کو پڑھائی کے دوران یہی بتایا جاتا ہے کہ ان کا طریقہ علاج ہی مکمل اور صحیح ہے۔

میں نے بعد میں یہی سوال کئی اچھے ڈاکٹروں سے کیا اور مجھے یہی جواب ملا کہ وہ واقع ہی کسی مستقل بیماری کا پکا علاج نہیں کر سکتے ہیں۔

یہ ڈاکٹر لوگ جنہیں میرا مسخرہ دوست قلندر ڈاکو کہتا ہے صرف موسمی بیماریوں زکام و بخار اور جلدی بیماریوں کا ہی مستقل علاج کر سکتے ہیں اس کے علاوہ نہیں۔

میرے خیال میں ڈاکٹروں کا بہترین استعمال یہ ہے کہ آپ ان سے مرض کی تشخیص کرائیں اور اگر بیماری بہت زیادہ تکلیف دے رہی ہو تو چند دن کے افاقے کے لئے علاج کروالیں کم تکلیف کی صورت میں پرہیز کریں یا کسی ہومیو پیتھک اور حکیم سے دوائی لے لیں۔ مگر یاد رکھیں کہ ہومیو پیتھک کی دوائیوں کے بھی کچھ ایسے سائیڈ افیکٹس دریافت ہو چکے ہیں جو کہ نا قابل علاج ہوتے ہیں۔

پھر پاکستان میں ہومیو پیتھک اور حکیموں کی خاص اکثریت اپنی دواؤں میں سٹرائیڈ

ڈال دیتی ہے جو کہ فوری طاقت وتوانائی دیتی ہے مگر چند دن کے بعد بہت کمزوری ہو جاتی ہے ایسے حکیم یا ہومیو پیتھک سے بچنا لازمی ہے۔ آج کل کچھ ہومیو پیتھک ڈاکٹر دوائیوں میں سٹرائیڈ والا نسخہ بغیر اجازت استعمال کر رہے ہیں۔

اے رب تیرے سادہ لو بندے کدھر جائیں
ہے سلطانی بھی عیاری، ہے درویشی بھی عیاری

(اقبال)

ڈاکٹروں کے پاس تو جیسے لائسنس ٹو کل ہے کہ 1975ء میں بگوٹہ کولمبیا میں 1975ء میں ہی اسرائیل اور 1976ء میں لاس اینجلز میں ڈاکٹروں نے ایک بار تقریباً ایک ایک ماہ کی ہڑتال کر دی۔

اس وقت کے ریکارڈز گواہ ہیں کہ وہاں مرنے والوں کی تعداد میں 30 سے 50 فی صد کی کمی ہوگئی اور ڈاکٹروں کی ہڑتال ختم ہوتے ہی مرنے والوں کی اوسط ہر جگہ پہلے والی سطح پر آ گئی۔

کہ ڈاکٹر زندہ باد، مریض مردہ باد۔ جسے اللہ رکھے اسے ڈاکٹر چکھے۔

ہالینڈ میں اکثر ڈاکٹر مریض سے بیماری کا پوچھ کر اس کے سامنے ہی کتاب کھول کر دوائی کا نسخہ لکھ دیتے ہیں۔ جبکہ پاکستان میں اکثر دوسرے کمرے میں جا کر ڈاکٹر وہی نسخہ لکھتے ہیں کہ کہیں مریض وہ کتاب دیکھ کر خود ہی نہ خرید لے۔

پاکستان میں ڈاکٹروں کا طریقہ کار (یا طریقہ واردات) عموماً یہ ہوتا ہے کہ آپ کو کوئی تکلیف ہوتی ہے آپ ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں وہ آپ کو کچھ دوائیاں لکھ دیتا ہے۔

آپ انہیں استعمال کرتے ہیں بہت کم ہی مستقل افاقہ ہوتا ہے۔ آپ دوبارہ ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں تو وہ آپ کو چند ایک ٹیسٹ لکھ دیتا ہے اور اپنی فیس لے لیتا ہے۔

اب آپ ٹیسٹ کے نتائج لے کر دوبارہ ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں وہ آپ سے دوبارہ فیس بھی لیتا ہے اور کچھ دوائیں بھی لکھ دیتا ہے حسب معمول مستقل علاج اب بھی نہیں ہوتا۔
ڈاکٹر کا کام مریض کی تشخیص ہے مگر یہ کام آج کل میڈیکل لیبارٹریز کر رہی ہیں۔

ڈاکٹروں کی دوائیوں میں بھی ڈرگز کی طرح یہ خاصیت ہوتی ہے کہ جب یہ کچھ دن مستقل استعمال کریں تو پہلے تو جسم کا قدرتی علاج (ہیلنگ) کا نظام اپنا کام چھوڑ دیتا ہے پھر

کچھ عرصے کے بعد جسم اس دوائی کے خلاف مدافعت شروع کر دیتا ہے پھر آپ کو زیادہ مقدار یا طاقت کی دوائیاں ہی وقتی افاقہ دے پاتی ہیں ڈاکٹروں کی دوائیاں وقتی طور پر افاقہ تو دے دیتی ہیں مگر سائیڈ افیکٹ کی وجہ سے اکثر مریض کو دوسری مستقل بیماریاں مل جاتی ہیں بہت سے بظاہر کامیاب ڈاکٹر آپ کو بہت ہائی پوٹنسی کی دوائیں مریض کو شروع میں ہی دے دیتے ہیں جن سے شروع میں افاقہ اور بعد میں علاج ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس طرح بہت سی دوائیں اکٹھی دے دیتے ہیں کیونکہ ان کو مرض کی سمجھ نہیں آ پاتی ان اکٹھی دوائیوں میں نیند کی گولیاں بھی شامل ہوتی ہیں جن سے مریض کم از کم سو جاتا ہے اور سونے سے کچھ نہ کچھ افاقہ مل جایا کرتا ہے۔ بہت سی ایلو پیتھک دوائیاں بھی کمپاؤنڈ ہوتی ہیں یہ پانچ چھ قسم کی ادویات سے مل کر بنتی ہیں جن کے استعمال کرنے سے ایک مرض میں تو افاقہ ہو سکتا ہے مگر اس میں شامل دوسرے اجزاء اکثر دوسری کئی بیماریاں لگا دیتے ہیں۔

دراصل آپ کے جسم میں ہر بیماری کا علاج کرنے کی قدرتی صلاحیت موجود ہے آپ اپنے یقین کی مدد سے ان کا علاج کر سکتے ہیں خود میں نے کافی سارے لوگوں کو بفضلِ خدا سے صحت یاب کیا۔ روحانی علاج کا طریقہ اس میں مستقل بیماریوں کے مریضوں میں سے 75% سے زیادہ مستقل طور پر صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ باقی میں سے 15% کو کچھ نہ کچھ افاقہ ہو جاتا ہے۔

اسی طرح قاری عبدالباسط صاحب کی سورۃ الرحمٰن سن کر بھی خاصے لوگ صحت مند ہو چکے ہیں اسے دن میں تین بار آدھا گھنٹہ سننے اور پھر پانی پر پھونک مار کر پینے سے بہت سی بیماریاں یا دم سے بھی بہت سی بیماریوں کا علاج ہو جاتا ہے۔

اکتالیس بار الحمد شریف بمعہ بسم اللہ پڑھ کر پانی پر دم کر کے سارا دن یہ پانی استعمال کریں۔ انشاء اللہ ماہ بھر میں ہر بیماری ختم ہو جائے گی بہر حال بیماری کے بعد علاج سے بہتر ہے کہ صحت مندی میں ہی پرہیز کریں۔ ہر وقت ریلیکس اور مطمئن اور خوش رہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ کو مالی پریشانی نہ ہو (مالی مشکلات بیماری کی بڑی وجوہات میں سے ہے) فطرت کے اصولوں کی ریسپیکٹ کریں (صاف پانی تازہ خوراک کچھ جسمانی ورزشیں وغیرہ کریں)۔

لمبی وقت کا سٹریس (Stress) صحت کا سب سے بڑا دشمن ہے۔

صبح وقت پر کھائیں گھر سے باہر اور بیکری وغیرہ کی چیزوں سے دور رہیں ہمیشہ مصروف رہیں (بے شمار لوگ اور خصوصاً عورتیں کوئی کام اور مصروفیت نہ ہونے کی وجہ سے بیمار ہو جاتی ہے)۔ صاف پانی پئیں۔

میرا دوست قلندر ایک قیمتی مشورہ دے رہا ہے کہ ہم سب کھاتے پیتے گھرانے کے لوگ اپنی عورتوں کو لازمی طور پر مصروف رکھیں فارغ رہ کر یہ مستقل بیمار بنی رہتی ہیں۔

ہوا دار کمروں میں سوئیں، سبزی اور پھل کھانے میں زیادہ سے زیادہ استعمال کریں (گھر کے باہر ہوٹل وغیرہ سے سلاد اور کچی سبزیاں نہ کھائیں)۔

صبح کے وقت نہار منہ 4 گلاس پانی پی لیا کریں (ہمارے یہاں 90% بیماریوں کا تعلق معدے کی خرابی اور معدہ کی گرمی کی وجہ سے ہوتا ہے)۔

پہلے، دو گلاس پانی پی لیا کریں اور پھر بڑھاتے ہوئے چار گلاس پر لے جائیں۔

پانی میں یہ یاد رکھیں کہ گاؤں میں ہینڈ پمپ میں زمین سے نکلا ہوا پانی بکٹیریا سے بالکل پاک ہوتا ہے۔ کہ زمین اسے فلٹر کر دیتی ہے۔ صرف چند ایک صنعتی شہروں میں ہی چند مخصوص جگہوں پر ہینڈ پمپ کا پانی خراب ہو سکتا تھا مگر چھوٹے شہروں میں ماڈرن سیوریج کا سسٹم نہ ہونے کی وجہ سے پانی خراب ہو چکے ہیں۔ اس لیے پانی اُبال کر استعمال کریں۔ پانی لیبارٹریز میں سے چیک کروالیں تو بہت بہتر رہے گا۔

یہ تو پاکستان کے ڈاکٹروں کی بات تھی مگر باہر مغرب میں بھی ڈاکٹر بھی یہی کچھ کیا کرتے ہیں۔

میرے تجربے میں آیا ہے کہ پاکستان میں کوئی 10% ڈاکٹر انسان دوست اور ہمدرد طبیعت ہوتے ہیں (اگر آپ خود ڈاکٹر ہیں یا آپ کا کوئی بیٹا یا کوئی اور ڈاکٹر ہے تو اللہ اسے ان اچھے اور انسان دوست ہمدرد ڈاکٹروں میں شامل کرے)۔ (آمین)

☆☆☆☆☆

صحیح خوراک کی حس

قدیم ہندوستانی علم ایورویدیک (حکمت) کی بنیاد میں یہ بات شامل ہے کہ ہر انسان اور جانور میں یہ حس ہوتی ہے کہ اس کے جسم کو کیا چیز ضرورت ہے اگر وہ وہی چیز کھائے گا تو اس کے جسم میں موجود کمی پوری ہو جائے گی۔

اسی موضوع پر ایک دن میری چکوال میں ایک قریبی دوست پیر ساجد (کرولی چکوال) سے بات ہو رہی تھی۔

ساجد صاحب کہنے لگے کہ ان کے اپنے کرولی گاؤں میں موجود ڈیری فارم میں ایک اعلیٰ نسل کی بھینس بیمار ہو گئی ویٹرنری ڈاکٹر سے دوائی لی مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ میں ناامید ہو گیا۔

اسی دوران میرے ایک ملازم وہاں ہی موجود ایک کڑوی سی جنگلی بوٹی کا نام لیا کہ اسے کھلاؤ تو بھینس ٹھیک ہو جائے گی میں نے وہ بوٹی آٹے میں ملا کر اس بیمار بھینس کو کھلا دی وہ اسے کھانے لگ پڑی دوسری صحت مند بھینسوں کو کھلانے کی کوشش کی تو انہوں نے اسے نہ کھایا بیمار بھینس تین دن اسے کھاتی رہی پھر جب میں نے اس کے سامنے آٹے میں ملی ہوئی بوٹی اس کے سامنے کی تو وہ اسے کھانے کی بجائے سائیڈ پر منہ پھیر لیتی تھی۔ چوتھے دن وہ صحت مند ہو گئی۔

اس میں دلچسپ بات یہ ہے کہ جب وہ بھینس بیمار تھی تو اس بوٹی کو کھاتی رہی جب صحت مند ہو گئی تو اسے نہ کھایا اسی طرح جب کتے یا بلیاں بیمار ہو جاتی ہیں تو گھاس کھانے لگ پڑتے ہیں صحت مند ہونے پر اسے نہیں کھاتے۔

پھر ساجد صاحب کہنے لگے کہ میرے فارم کے پاس ہی بکریوں والے اپنے ریوڑ لے کر گزرا کرتے ہیں میں بکریوں کو دیکھتا رہتا تھا میں نے یہ نوٹ کیا کہ بکریاں اپنے راستے میں موجود ہر بوٹی اور جھاڑی پر ضرور منہ مارتی ہیں اس میں وہ سخت کانٹوں والے صحرائی کیکر کے کانٹوں سے بچ کر اس کے پتوں کو بھی تھوڑا سا کھا لیتی ہیں پھر ان بوٹیوں میں سے کسی ایک کو منتخب کر کے اسے کچھ دیر کھاتی رہتی ہیں پھر آگے چل پڑتی ہیں۔ یعنی ان بکریوں کے جسم میں بھی جس چیز کی ضرورت یا کمی ہو۔ اسی قسم کی خوراک کو کھا کر اسے پورا کر لیتی ہیں۔ انسان

میں بھی یہ حس پوری طرح موجود ہے اور ہمارے پاس غریب جانوروں کی نسبت بہت وسیع کھانے کی چوائس موجود ہے لیکن ہم اس میں کچھ اسی وقت صحیح طریقے سے محسوس اور استعمال کرتے ہیں۔ جب ہم ریلیکس ہوں نروس حالت میں ذہن زیادہ توانائی ضائع کرتا ہے اور فوری توانائی کیلئے چینی (چاکلیٹ چائے) کی طرف بھاگتا ہے۔ اسی طرح نشہ آور چیزیں جیسے کافی، اور کوکا کولا وغیرہ بھی ہم بغیر جسم کی ضرورت کے استعمال کرتے رہتے ہیں۔

اگر ہم اس حس کو صحیح طریقے سے استعمال کریں تو ہمارے جسم کی سب ضروریات با آسانی پوری ہوتی رہیں گی اور ہم پوری طرح صحت مند رہیں گے۔

میرے تجربے اور مشاہدے میں آیا ہے کہ ہم پاکستانیوں کی 80 فیصد بیماریوں کا علاج ٹھنڈی تاثیر کی چیزوں (خصوصاً لسی) سے ہو جاتا ہے۔ چاہے جوڑوں کا درد ہو سر کا یا بہت سی دوسری بیماریاں۔ یہ سب عموماً پیٹ کی کسی بیماری (عموماً گرمی یا پانی کی کمی) کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ ان کا علاج لسی میں پوشیدہ ہے۔ جن بھی لوگوں کو میں نے یہ علاج بتایا انہیں اس کا کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور پہنچا۔

میری تحقیق میں یہ معلوم ہوا ہے کہ پاکستان میں 90% لوگ سردیوں میں پورا پانی نہیں پیتے اس کی وجہ صرف دودھ والی چائے ہی نہیں جو کہ پیاس کی حس مار دیتی ہے بلکہ ہماری خوراک میں تیل سمیت کچھ اور ایسی چیزیں بھی موجود ہیں جو کہ ہمیں سردیوں میں پیاس محسوس نہیں ہونے دیتیں۔ اس لیے سردیوں میں دن میں کم از کم دس گلاس پانی پی لیا کریں۔

☆☆☆☆☆

خوبصورتی، صحت اور خوراک

پسندیدگی بھی عجیب چیز ہے اکثر لوگوں کو مخالف میں کوئی ایسی چیز کشش کرآتی ہے جس پر دوسروں کی نظر نہیں جاتی۔

کسی کا سٹائل کسی کا جسم کسی کی آنکھیں یا بال کسی کی ٹھوڑی کسی کی ہنسی اور کسی کی بے باکی پسند آجاتی ہے۔ مگر صرف خود کو پسند کرنے والے کو ہی لوگ پسند کیا کرتے ہیں (اس پر غور کریں اور خود کو پسند کرنا سیکھیں)۔

اور اعتماد انسان میں آجائے تو بدصورتی تک میں خوبصورتی پیدا ہو جاتی ہے۔ خود کو ناپسند کرنے والے کو بہت کم ہی کوئی پسند کیا کرتا ہے۔ یہ خود اعتمادی کی کمی ہوتی ہے۔ خود کو ناپسند کرنا ایک بہت بڑی بیماری ہے۔ اس سے بچنا لازمی ہے۔

خود کو پسند کرنا اعتماد کی نشانی ہے ایسا سوچنے والے کی کوئی نہ کوئی چیز ورنہ سٹائل ہی دوسروں کو پسند آجاتا ہے۔

خوبصورتی اور کشش کے لئے متناسب جسم ہونا ضروری ہے۔ ہمارے کھانوں میں تیل کی موجودگی انہیں اور دیر ہضم بنا دیتی ہے موٹے لوگوں کا معدہ قدرتی طور پر دیر سے خوراک کو ہضم کرتا ہے یہی کام ہم پاکستانی کھانے میں تیل ڈال کر لیا کرتے ہیں۔ مکھن یا تیل کھانے کے آس پاس ایک تھیلی سی بنا دیتا ہے یہ تھیلی معدہ کے تیزاب کو اسے جلد ہضم کرنے سے روکتی ہے اور کھانا دیر سے ہضم ہونے کی وجہ سے ہمارا وزن بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ ہم لوگ تیل کی وجہ سے کھانے کو بھون بھون کر اس کی زیادہ تر غذائیت ختم کر دیتے ہیں۔ سبزیوں کو ہمارے طریقے سے پکانے کی صورت میں ان کی 70 سے 80 فیصد غذائیت اور وٹامن ختم ہو جاتے ہیں۔

پھر ہم تیز مصالحے ڈال کر اپنے معدے تباہ کر دیتے ہیں۔ تیز مصالحوں کی وجہ سے انسان عام کھانے سے کوئی 25 فیصد زیادہ کھا لیتا ہے۔ جو کہ موٹاپے کا سبب بنتا ہے۔ تیز مرچیں معدہ کو جیسے سن سی کر دیتی ہیں اور انسان ضرورت سے خاصا زیادہ کھا جاتا ہے۔ پھر یہ کھانا تیل کی وجہ سے دیر سے ہضم ہو کر زیادہ موٹاپے کا سبب بنتا ہے۔ دراصل خوراک جسم میں

اگر زیادہ دیر رہے تو موٹاپے کا سبب بنتی ہے۔

تیل سے بھرپور ایسا کھانا کھانے کے بعد ہمارا معدہ پہلے تیل کی تھیلی (جو ہمارے کھانے کے آس پاس بنی ہوتی ہے) کو ہضم کر کے پھر کھانے کو ہضم کرتا ہے۔ ایسی بھاری خوراک کھانے کے بعد ہماری ساری انرجی اسے ہضم کرنے میں لگی رہتی ہے اور ہمارا چلنے پھرنے کو جی نہیں کرتا۔

ہلکی خوراک کھانے کی شکل میں اس کو جلد ہی ہضم کرنے کے بعد دوسرے اچھے تعمیری کاموں (ذہن وغیرہ میں اور بیماریوں کیخلاف) استعمال ہوتی ہے اسی نظریے کے تحت بہت سے بیماروں کو پرہیزی خوراک (ہلکی خوراک) دے کر بہت سی بیماریوں کا کامیابی سے علاج کیا جاتا ہے۔

ہلکی خوراک کھانے کی صورت میں انسان کا کھانا کھاتے ہی چلنے پھرنے، بھاگنے دوڑنے کو جی چاہتا ہے۔

ہمارا یہ تیل سے بھرا ہوا اور زیادہ پک کر غذائیت سے بہت حد تک محروم کھانا ہمیں سست اور موٹا کر کے بلڈ پریشر، دل کی بیماریاں، بدہضمی اور بے شمار دوسری بیماریوں کا آسان شکار بنا دیتا ہے۔ پھر ہم کم جسمانی توانائی ہونے کی وجہ سے جلد تھکن اور ڈپریشن وغیرہ کا بھی شکار ہو جاتے ہیں۔ ڈپریشن جو بیماری کا گھر ہوا کرتی ہے۔

ہماری خوراک کی موجود تیز مصالحے (خصوصاً سرخ مرچیں) ہمارے معدے کو تباہ کر دیتی ہیں خصوصاً تیزابیت بڑھ جاتی ہے اور اگر معدہ ان کا عادی ہو جائے تو پھر جب ایسا کھانا نہ ملے تو ہماری تلی اور معدہ کھانے کے وقت پر ایسے تیزاب پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جو اس مرچوں والے کھانے کو ہضم کرنے کیلئے ضرورت ہیں اور اگر اس وقت مرچ یا تیز مصالحہ کھانے کو نہ ملے تو طبیعت کی تسلی نہیں ہوتی اور آپ کو مرچوں کا نشہ پڑھ جاتا ہے۔ اس نشے سے بچیں جو بھی خوراک لگاتار استعمال کی جائے معدہ اسی طرح اس کا عادی ہو جاتا ہے۔

ہمارے ملک میں پریشانی، اعصابی تناؤ (Stress) اور غلط خوراک کی وجہ سے ہمارے لوگ کوئی 65 سال کی عمر میں فوت ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک ایسی عمر ہے جس میں انسان کا ذہن اور تجربہ مکمل اور پختہ ہوتا ہے۔

ایسے لوگ ہی اچھے رائٹر، پروفیسر، دانشور اور تھنک ٹینکس وغیرہ بنتے ہیں۔ ہمارے زیادہ

تر ایسے قیمتی لوگ جب پختہ ہو چکتے ہیں تو وہ دوسری دُنیا کو سدھار جاتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر لمبی عمر پائیں اور 80، 90 سال کی عمر میں بھی ابھی ذہنی طاقت کے مالک ہوں، تو وہ قوم کی رہنمائی کا کام بہترین طریقے سے کر سکتے ہیں۔ دوسروں کیلئے دُعا اور دوا کے لئے اس عمر میں بہت وقت ہوا کرتا ہے۔ لمبی عمر پانے میں ہلکی زود ہضم خوراک اور سٹریس سے پاک زندگی، عمر کے حساب سے ہلکی پھلکی ورزش اور زندگی میں مقصد ہونا بہت بڑا مددگار ہوتا ہے۔

میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ بیٹھ کر سوچیں کہ آپ کیا کھا رہے ہیں۔

دس برس پہلے میں خود پاکستانی کھانے کو دُنیا کے بہترین اور صحت مند کھانوں میں شمار کرتا تھا اور اب میرا دعویٰ ہے کہ پاکستانی اور انڈین کھانے سے زیادہ فضول کھانا دُنیا میں کسی نے بھی ایجاد نہیں کیا ہے۔ (قلندر یہاں خوش ہو کر نعرہ مار رہا ہے کہ کسی معاملے میں تو ہم دُنیا میں پہلے نمبر پر آئے ہیں ورنہ کرپشن میں بھی ہمیں دوسرا نمبر ہی ملا تھا)۔ ہمارے کھانے میں صرف ادرک اور لہسن ہی کسی حد تک فائدے مند ہیں۔ مگر اتنا زیادہ ادرک و لہسن کسی بیمار کو ہی دینا چاہیے۔

ہم جو دُنیا کے خوبصورت اور پرکشش ترین لوگوں میں شامل ہیں۔ خوبصورتی جو دُنیا میں تقریباً ہر کوئی ڈھونڈ اور اپنے پاس جمع کر رہا ہے۔ ہم اپنی خراب خوراک کی وجہ سے اسے ضائع کر رہے ہیں۔ صحت مند اور توانا قوم کیلئے صحت مند خوراک بہت ضروری ہے کم توانائی رکھنے والے لوگ کم توانا قوم ہی پیدا کر سکتے ہیں۔ موٹاپا بدصورتی کے علاوہ بیماریوں کی وجہ بھی بنتا ہے۔

موجودہ تیلوں میں سے زیتون کا تیل ایسا ہے۔ جو کہ خوراک کے آس پاس یہ تھیلی کم بناتا ہے اور اس کی وجہ سے انسان کچھ کم موٹا ہوتا ہے۔ پھر تیلوں میں یہ ایسا تیل ہے جو جلد آنکھوں بالوں کے لئے اچھا ہونے کے علاوہ بڑھاپے کو بھی روکتا ہے مگر اسے بھی بہت تھوڑی مقدار میں استعمال کرنا چاہیے۔

ہم لوگ اگر اپنے کھانے میں تیل مکھن مکمل نہیں چھوڑ سکتے مگر کم تو کر سکتے ہیں اور اگر جیب اجازت دے تو صرف زیتون کا تیل استعمال کریں۔ اس میں بہت سے اچھے وٹامن بھی ہوتے ہیں اور بہت سی بیماریوں کے خلاف بھی مدافعت دیا ہے اور بہت اچھی خوراک ہے قرآن پاک میں بھی زیتون کا خصوصی ذکر آیا ہے اور اس کی تعریف کی گئی ہے۔

مگر کھانا پکاتے وقت اس تیل کو سب سے آخر میں سالن میں ڈالیں (میرا دوست قلندر کہہ رہا ہے کہ پاکستان میں جو غریب لوگ زیتون کا تیل استعمال نہیں کر سکتے انہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ ان کی خوراک میں ان کو موٹاپا کرنے کے لئے زیادہ فالتو کیلوریز ویسے ہی موجود نہیں ہوتیں)۔ ہو سکے تو کھانا پکنے کے بعد بلاٹنگ پیپر سے کھانے کا تیل چوس لیا کریں۔

کھانے میں سبزیاں اور دالیں استعمال کرنے سے ان کی کیلوریز جسم میں کم ہی ٹھہرتی ہیں بہ نسبت گوشت دودھ اور جانوروں سے حاصل شدہ خوراک کے (اور انسان پتلا اور سمارٹ رہتا ہے) سائنسدانوں نے تجربات میں یہ بھی دیکھا ہے کہ اگر انسان کی خوراک دن میں 550 کیلوریز سے کم ہو (عام آدمی دن میں 2000 کیلوریز استعمال کرتا ہے) اور یہ خوراک انسان کی ضروری غذائیت دے سکے یعنی ضروری وٹامن اور دوسرے نمکیات اور دھاتیں وغیرہ تو ایسا انسان عام آدمی کی نسبت کوئی 30 سال زیادہ زندہ رہ سکتا ہے یعنی 110 سال کے قریب۔ ایسی خوراک انہوں نے سبزیوں پر مشتمل بتائی ہے۔

مگر ہمارے ملک میں سبزیاں اور دالیں تک ملاوٹ شدہ اور خراب پانی سے کاشت شدہ ہوتی ہیں۔ خصوصاً بڑے صنعتی شہروں میں سبزیوں کو ابالے بغیر استعمال نہ کریں۔

ویسے بھی بہت لمبی عمر پانے والوں کی اکثریت کا جب جائزہ لیا گیا تو ان کی خوراک اکثر سادہ اور گوشت کے بجائے سبزیوں وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ لمبی عمر کا مطلب جوانی میں زیادہ عرصے تک برقرار رکھنا ہوتا ہے اور جسم اور توانائی بھی مگر یہ ضرور یاد رکھیں کہ پرسکون دماغ (ریلیکس برین) ہی صحت مند رہتا ہے اور دیر سے بوڑھا ہوتا ہے۔ یہ دماغ کا ہی کام ہوتا ہے کہ وہ جسم میں ہر بیماری کمزوری اور بڑھاپے کا علاج کرتا ہے مگر خود اپنا علاج نہیں کر سکتا۔ غالباً اسی وجہ سے انسان بوڑھا ہو جاتا ہے۔ آج کل سائنسدان تجربات میں مصروف ہیں کہ وہ انسان کو کوئی 900 برس تک زندہ رکھ سکیں۔

سٹریس صحت کا سب سے بڑا دشمن ہے۔

میرے تجربے میں بارہا آیا ہے کہ بے شمار صحت مند ترین انسان کاروباری نقصان کے بعد بلڈ شوگر کے شکار ہو گئے۔ دراصل روزی کا ڈر صحت کا ایک بہت بڑا دشمن ہے اور بلڈ شوگر کی سب سے بڑی وجہ یہی ہوتا ہے۔ صحت مندی خوبصورتی کے لئے بہت ضروری ہے صحت

مندی کشش ہے بیماری کشش ختم کر دیتی ہے۔

عورتوں میں صرف خوبصورتی ہی نہیں ساتھ نفاست کا ہونا بھی لازمی ہوتا ہے جو عموماً گاؤں سے زیادہ شہر کی عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ گو مردوں میں بھی نفاست کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اٹھتے بیٹھتے وقت شائستگی اور وقار کا مظاہرہ کریں اس کا اپنا عجیب سحر ہوا کرتا ہے یہ چیزیں آپ کی خوبصورتی کو انتہا پر لے جاتی ہیں۔

خود کو پسند کرنے تو پھر یہ لوگ آپ کو پسند کریں گے۔ اسی طرح خود اعتماد اور خوش باش ہر آدمی پرکشش ہوا کرتا ہے۔ خود اعتمادی حاصل کرنے کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ باہر سے خود اعتماد نظر آئیں۔ پھر لوگ آپ سے ایسا ہی سلوک کریں گے۔

بہت سے لوگ اپنا وزن زیادہ ہونے کی وجہ سے پریشان اور کمپلیکسز کا شکار رہتے اور وزن کم کرنے کے مختلف طریقے بھی استعمال کرتے رہتے ہیں۔ ڈائٹنگ سب سے عام فہم طریقہ ہے۔

اس میں اکثر لوگ اشتہار قسم کی مغربی دوائیوں کے چکر میں پڑے رہتے ہیں جو کہ دنوں میں وزن کم کرنے کا دعویٰ کر رہی ہوتی ہیں مگر درحقیقت یہ جسم کی قدرتی نظام کو ہی معطل کر کے وزن کم کرتی ہے۔ دوائیوں کا کورس ختم کرتے ہی وزن اپنی اصل جگہ پر واپس آ جایا کرتا ہے۔

ڈائٹنگ بھی احتیاط سے کرنی چاہیے اس میں آپ خواہ مخواہ الٹی سیدھی ڈائٹنگ کر کے اپنے جسم کو کمزور بنا لیتے ہیں اور کئی قسم کی بیماریاں بھی لگ جایا کرتی ہیں جب کہ دوائی ختم کرتے ہی وزن اپنی پرانی جگہ پر چلا جاتا ہے جب کہ بیماریاں اکثر مستقل انسان کے ساتھ رہتی ہیں۔

ہمیں ڈائٹنگ کے بے شمار طریقے سٹڈی کرنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ آپ جو بھی طریقہ اس میں استعمال کرتے ہیں جسم کا مدافعتی نظام اسے کچھ ہی دنوں کے بعد ناکام بنا دیا کرتا ہے۔ مثلاً آپ نے سہ پہر چار بجے کے بعد کچھ نہ کھانے کا فیصلہ کیا اس صورت میں تین چار گھنٹوں میں آپ کا کھانا ہضم ہو جاتا ہے۔ بھوک لگنے لگ پڑتی ہے اور آپ کا معدہ آپ کے جسم کی فالتو چربی استعمال کر کے اپنی بھوک ختم کر لیتا ہے اور انسان کا وزن کم ہونے لگ

پڑتا ہے مگر دس بار کے بعد آپ کا وزن کم ہونا رُک جاتا ہے اور انسان کو یہ سمجھ نہیں آتی کہ وزن کم ہونا کیوں رُک گیا ہے۔

مگر بات دراصل یہ ہوتی ہے کہ انسان کے اندر جیسے ایک اور انسان (یا دماغ) بیٹھا ہوا ہے جو یہ دیکھتا ہے کہ مجھے ہر شام بھوکے رہنا پڑا ہے یہ مصیبت کہاں سے آ گئی ہے۔ اب وہ ایک نئی حکمت عملی بناتا ہے۔ اس میں وہ آپ کا چار بجے کھایا گیا کھانا ہضم کرنے کے بجائے اسے نظام ہضم میں ہی روک لیتا ہے اور پھر بھوک لگنے کی صورت میں (کوئی چار گھنٹوں کے بعد) اسے دوبارہ استعمال کرنا شروع کر دیتا ہے اسی وجہ سے آپ کا وزن کم ہونا ختم ہو جاتا ہے۔

اسی طریقہ سے جو لوگ کھانا بالکل ہی چھوڑ دیتے ہیں کچھ عرصے بعد ان کا وزن بھی کم ہونا ختم ہو جاتا ہے۔

ہائی پروٹین ڈائیٹ (صرف اُبلا یا گرل ہوا گوشت کھانا) بھی آپ کو زیادہ موٹا ہونے کی صورت پتلا کرتی ہے۔ یہی میرے تجربے میں آیا ہے کہ ڈائٹنگ میں یہی وزن کم کرنے کا کامیاب اور بہترین طریقہ ہے۔

دراصل اس میں انسان کا میٹابولزم الٹ ہو جایا کرتا ہے اور نشاستے کے بجائے پروٹین کی زیادہ مقدار کو ہضم کرنے کیلئے ہمارا لیور چکنائی جلانا شروع کر دیتا ہے۔ چکنائی (Fats) میں نشاستے یا پروٹین کی نسبت دوگنی کیلوریز ہوتی ہیں۔ اس کے جلنے سے وزن زیادہ رفتار سے کم ہوتا ہے لیکن اس ڈائٹنگ کو جب ختم کرنا ہوتا ہے تو قدم بہ قدم کریں۔

ہائی پروٹین ڈائٹ کے علاوہ وزن کم کرنے کا ایک ہی صحیح طریقہ ہے وہ یہ کہ آپ نے سارا دن تھوڑا تھوڑا کھانا ہے اس میں زیادہ کیلوری والی خوراک استعمال نہیں کرنی ہے۔

اس صورت میں یہ ہوتا ہے کہ عام انسان کو دن میں کوئی دو ہزار کیلوریز چاہیے ہوتی ہیں آپ نے کوئی ایک ہزار کھائی ہیں تو آپ کا جسم اسی کم خوراک کے ساتھ جسم میں موجود ریزرو (چربی وغیرہ) کو ساتھ استعمال کر کے اپنی کمی پوری کر لیتا ہے اور آپ کا وزن لگاتار کم ہوتا چلا جاتا ہے۔

اس طریقے میں آپ قدم بقدم اپنی خوراک کم کریں تو آپ کو کوئی کمزوری بھی نہیں ہوگی اور آپ اپنے وزن کو جتنا بھی چاہیں کم کر سکتے ہیں۔ یہی سب سے صحیح ترین طریقہ ہے۔

رمضان میں صبح کم سحری کھا کر آپ اپنے جسم کی فالتو چربی کو استعمال کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ شام کو بھی کم کھائیں اس صورت میں آپ نے سارا دن ڈائٹنگ کرنے کی بجائے شام کو ہی "ڈائٹنگ" کرنی ہے۔

خود میں ایمسٹرڈیم کھانے کے ایسے تجربات میں مصروف رہا کہ تیل کے بغیر ہمارا کھانا کیسے بنایا جائے؟ اس میں معلوم ہوا کہ گوشت با آسانی تیل کے بغیر صرف پانی میں بنایا جا سکتا ہے کہ گوشت میں خود اتنی چربی ہوتی ہے۔ سبزیاں، دالیں وغیرہ سوپ کی صورت میں پکا کر آخر میں اس میں تھوڑا سا دہی ڈال کر اسے گاڑھا کر سکتے ہیں۔ وہی دُنیا کی صحت مند خوراک بھی ہے۔ ایسا کھانا غذائیت میں تیل والے کھانے سے بہت بہتر ہوتا ہے اور ذائقے میں بھی کم تر نہیں ہوتا۔ اس کھانے میں آپ روٹیاں توڑ کر (ڈبل روٹی یا نوڈلز) بھی ڈال سکتے ہیں۔

یہ یاد رکھیے کہ صحت مندی سب سے بڑی نیکی ہے اور جان بوجھ کر خود کو کمزور یا کم توانا کرنا گناہ میں ہی آتا ہے اور آپ کو چاہیے کہ اپنی اور اپنے بچوں کی صحت کو تیل، گھی اور مکھن وغیرہ سے تباہ مت کیجئے گا۔

صحیح متوازن خوراک کتنی اہم ہے کہ امریکہ کی جیلوں میں تجربات کئے گئے اور یہ دیکھا گیا کہ عادی مجرموں تک کو جب صحیح متوازن غذا دی گئی تو ان کی عادتیں تبدیل ہو گئیں اور وہ جرائم سے تائب ہو گئے۔ ہم لوگ بھی اپنے بچوں کو متوازن غذا دے کر زیادہ مثبت سوچ رکھنے والے اچھے شہری بنا سکتے ہیں۔

ویسے بھی انسان جتنا صحت مند ہو اتنا ہی خوش باش رہتا ہے۔ اور دوسروں کو بھی خوش باش رکھتا ہے۔

صحت مند جسم ہی روحانی طاقت کیلئے ضروری ہے۔ کمزور اور خصوصاً بیمار جسم اس میں بہت بڑی رکاوٹ ہوتا ہے۔ کہ آپ کی روحانی انرجی جسم کی بیماری وکمزوری دور کرنے میں ہی لگی رہتی ہے۔ ایک جسمانی صحت مند روحانی انسان بھی کمزور صحت والے روحانی انسان سے زیادہ کامیاب خوش اور زیادہ روحانیت والا ہوتا ہے۔

ہم انتہائی صحت مند زمین پانی اور موسم ہونے کے باوجود اپنی غلط خوراک کی وجہ سے خود کوست، ڈھیلے اور بیمار رکھتے ہیں۔ اسی خوراک کی وجہ سے سپورٹس میں بھی دُنیا میں بہت پیچھے ہیں۔ آج کل سپورٹس بہت اچھا پروفیشن بن چکی ہے۔

بچوں کو شروع سے ہی صحیح خوراک دے انہیں چست، پھرتیلا اور سپورٹس مین بنایا جا سکتا ہے بعد میں خوراک ایسا نہیں کر پاتی۔ بلکہ ہماری خوراک کو ہضم کرنے میں اتنی توانائی خرچ ہوتی ہے کہ پھر ہم میں سپورٹس کرنے کیلئے فالتو توانائی ہی نہیں رہتی۔ اور ہم ایک جگہ بیٹھ کر پیٹ پھلا کر اسے ہضم کر رہے ہوتے ہیں۔

سپورٹس کرنے والے دوسرے لوگوں کی بہ نسبت بہت کم بیماریوں کا شکار ہوا کرتے ہیں اور جسمانی طور پر بھی زیادہ توانا، خوبصورت اور پرکشش ہوا کرتے ہیں۔

کھانے میں یہ ایک حقیقت ہے کہ خوراک جتنی جلدی ہضم ہو اتنی ہی توانائی اور طاقت دیتی ہے۔ دیر سے ہضم ہونے والی خوراک ہمیں سست اور موٹا کر دیتی ہیں۔

یہاں پر ایک دلچسپ بات دیسی حکیموں کے کشتوں کے بارے میں بتاتا چلوں۔ کہ جو کشتے وہ جنسی کمزوری کے علاج یا اس کی طاقت کیلئے دیتے ہیں۔ ان کشتوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آپ کو کوئی ایسی چیز کھانے کو دے دیتے ہیں جو بہت ہی مشکل سے ہضم ہوا کرتی ہے۔ (یا بالکل ہی ہضم نہیں ہوا کرتی)۔

جب وہ شے معدے میں جاتی ہے تو معدہ اسے ہضم کرنے کیلئے اپنے مختلف تیزابات وغیرہ آزماتا ہے اور خون کی گردش تیز کر کے اسے ہضم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب وہ شے ہضم نہیں ہوتی تو پھر معدہ خون کی گردش مزید تیز کر کے اس خوراک سے کشتی کرتا ہے۔ اسی خون کی تیز گردش کی وجہ سے مردوں کا جنسی نظام کبھی کبھی وقتی طور پر کچھ کام کرنے لگ پڑتا ہے۔ جب کہ یہ نہ ہضم ہونے والی چیزیں ہمارے گردوں اور مثانے وغیرہ کی تباہی کر دیا کرتی ہیں۔

ہمارے کھانے اس قدر زیادہ کیلوریز (حرارے) رکھتے ہیں کہ اب سے دو سال پہلے انڈیا میں پاکستانی ہاکی ٹیم کا ہمارے ڈچ کوچ نے فیٹ ٹیسٹ لیا کہ کھلاڑیوں کے جسم میں کتنے فیصد فیٹ (چربی) موجود ہے۔ مغرب میں ہاکی پلیئرز کے جسم میں مطلوبہ فیٹ نو تا تیرہ فیصد ہوتا ہے۔ ہمارے بظاہر بالکل دبلے پتلے نظر آنے والے کھلاڑیوں میں کسی میں بھی یہ فیٹ سولہ فیصد سے کم نہیں تھا۔ بلکہ اکثریت کا انیس بیس فیصد تھا۔

☆☆☆☆☆

وجہ کیا ہے

ہم بہت سے کام کرنا چاہتے ہیں یا سیکھنا چاہتے ہیں لیکن اکثر ہمیں اس کی اصل وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ہم یہ کام کیوں کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح بہت سی چیزیں ہم بلاضرورت کرنا چاہتے ہیں۔

جیسے کوئی تعریف سننے کا شوقین ہے (یعنی خود تعریفی کا) تو وہ شاعر بننا چاہتا ہے۔ کہ اس نے کسی کو کسی شاعر کی تعریف کرتے دیکھا یا شاعر سے متاثر دیکھا۔ یا پہلوانی شروع کر دی (جس کا پاکستان میں کوئی خاص سکوپ نہیں ہے)۔ کرکٹ وغیرہ کا سکوپ کچھ تو ہے اس طرح کسی کو ایک نجومی یا پامسٹ کی تعریف کرتے دیکھا تو نجومی بننے کی ٹھان لی (اور ایک بے کار شغل میں قدم رکھ لیا جو پھر ساری عمر چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے)۔

قلندر یہ کہہ رہا ہے کہ نجومی یا پامسٹ اکثر نوجوان اس لیے بھی بنتے ہیں کہ اس میں جنس مخالف سے میل جول اور ہاتھ پکڑنا آسان ہو جاتا ہے۔

اسی طرح کوئی حسن پرست ہو تو وہ اس شوق میں فلم بنانا یا سٹیج ڈرامے کرانے شروع کر دیا ہے اور اپنا مال و دولت اور وقت اس فضول شغل (کم از کم ہمارے کلچر کے حساب سے) کو دینے لگ پڑتا ہے۔

حالانکہ حسن پرستی ہی شوق ہو تو اس کے اور آسان طریقے بہت سے ہیں جیسے غریب ملکوں میں مال و دولت ہونا۔ پھر سب کچھ خود ہی پاس آ جاتا ہے اور وہ لوگ ایسے فضول شغلوں سے بھی بچ جائیں گے۔

ہم میں سے بہت سے لوگ اپنا کام پسند نہیں کرتے اور بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اپنے والدین کے منتخب شدہ پیشوں (یا خاندانی) میں ہیں اکثر جوان کے مزاج کے خلاف ہوتا ہے۔ دراصل ہم سب اپنے گروپ یا کلچر کے اجتماعی ذہن کا حصہ ہیں اور اسی گروپ کی ضرورتوں کے مطابق ہم میں سے کچھ لوگ مخصوص صلاحیتیں لے کر پیدا ہوتے ہیں اور اگر یہ لوگ اپنا مخصوص دائرہ کار یا پروفیشن ڈھونڈ لیں تو پھر وہ اس میں بہت خوش رہتے ہیں اور دل و جان سے محنت کر کے اس میں انتہائی کامیاب بھی رہتے ہیں۔

کوئی کام بھی انسان اپنی فطرت میلان کے مطابق کرے تو وہ اس میں دوسروں کی بہ نسبت زیادہ کامیاب رہتا ہے اور کامیابی کیلئے کسی بھی کام میں محنت ضروری ہوتی ہے اور محنت کیلئے آپ کو باقی سب شغل چھوڑ کر ایسے ہی وقت دینا پڑتا ہے پھر ہی اس کام میں مہارت اور اس کی مکمل معلومات ہوتی ہے اپنے پسندیدہ کام میں ہی انسان با آسانی محنت کرسکتا ہے۔

''اس لیے ہر انسان کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنے کام کو پسند کرے۔''

مزاج کے خلاف کام میں محنت کرنا (خصوصاً لمبے عرصے کیلئے) بڑا مشکل ہوتا ہے۔

ویسے تعریف سننے کا ہر شخص بھوکا ہوتا ہے۔ بیوقوفوں کی تعریف بھونڈے طریقے سے بھی کی جائے تو پھولے نہیں سماتے مگر عقل مندوں کی تعریف ویسے بھی صحیح لفظوں میں مناسب جگہوں پر اور مناسب لوگوں میں کرنی چاہیے۔ انہیں بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے اس سے ان کا حوصلہ بلند رہتا ہے۔ تعریف اور خوشامد میں فرق ہوتا ہے خوشامد سے بچیں۔

ٹالسٹائی کہتا ہے کہ خوشامدی اس لیے آپ کی تعریف کرتا ہے کہ وہ آپ کو بے وقوف سمجھتا ہے لیکن آپ اس کے منہ سے اپنی تعریف سن کر پھولے نہیں سماتے۔

انسان سب سے زیادہ اپنے شغل کی تعریف پسند کرتا ہے اور اس میں اپنا برا سننا بہت ہی کم برداشت کرتا ہے۔ اپنی ہی پروفیشن یا نتیجہ لائن کے بندے کی تعریف بڑے باظرف لوگ ہی کر پاتے ہیں۔ مشہور لوگوں کی تعریف ان کے پیشے کے بارے میں کرنا اکثر بیکار ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسے بہت زیادہ سن چکے ہوتے ہیں ہاں اکثر ان کی حِس مزاح یا اچھے لباس یا اچھے ٹیسٹ کی تعریف کی جائے تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ یا ان میں جو بھی کمپلیکس ہو اس کی تعریف ان کی کمزوری ہوتی ہے۔

گہری اور پختہ شخصیت کے مالک اس چکر میں کم ہی آتے ہیں لیکن اگر لیڈر اپنے کارنامے سن کر پھولا نہ سمائے۔ بہادر اپنی بہادری کے واقعات سن کر سینہ پھلائے عالم اپنی تعریف سن کر مسکرائے اور فقیر اپنی فقیری (یا کرامات) کا سن کر آنکھوں میں چمک لائے تو پھر ان لوگوں کو آپ کیا کہیں گے؟

☆☆☆☆☆

عورت

عورت کے بارے میں سب دانشوروں کی اپنی اپنی رائے ہے نپولین نے کہا تم مجھے اچھی ماں دو میں تمہیں اچھی قوم دونگا۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں ''ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا۔ مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں''۔

میرے مسخرہ دوست قلندر اسی مسئلہ میں کچھ کہہ رہا ہے کہ بیوی اور ڈاکو میں کیا فرق ہے میرے پاس کسی جواب کے نہ ہونے کے بعد اس کا جواب ہے۔ فرق یہ ہے ڈاکو آپ سے آپ کی جان مانگتا ہے یا مال بیوی دونوں مانگتی ہے۔

سقراط جیسے دانشور نے تو یہاں تک کہہ دیا۔ دنیا ایک بہت ہی اچھی چیز ہوتی اگر یہاں پر عورت ذات نہ ہوتی۔

مہاتما گاندھی نے عورت کے بارے میں کہا ''وہ معاشرہ کبھی خوش نہیں رہ سکتا جس کی نصف تعداد (یعنی عورت) ناخوش ہے۔'' پاکستان میں عورتوں کو کچھ تھوڑی بہت آزادی پنجاب یا اردو بولنے والے لوگوں میں ہے بقایا سندھ، بلوچستان، اور سرحد میں بالترتیب زیادہ تر اسکا رتبہ غلاموں کی طرح ہی ہے۔ حالانکہ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا مگر ہم میں سے بڑی اکثریت عورتوں کی خادمہ سے زیادہ حیثیت نہیں دیتی۔ یہ انصاف نہیں ہے ہمیں اس سے ہر حالت میں انصاف کرنا چاہیے۔

ذرا سوچیں تو آپ کی بیوی آپ کی خاطر اپنے بہن بھائیوں ماں باپ سب کو چھوڑ کر آئی ہے آپ کے بچوں کی آیا آپکی باورچن، دھوبن، نوکرانی، جمعدارنی سب کچھ ہے پھر اسکی ساس نندوں سے مستقل جنگ بھی رہتی ہے۔

اس کے بدلے میں وہ صرف دو چیزیں مانگتی ہے اسے تھوڑا سا شیلٹر اور احترام چاہیے

اور ہم اسے یہ چیز بھی نہیں دیتے۔

ہمیں چاہیے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ دوستی رکھیں اپنی بھابھیوں کو حوصلہ دیں اور اپنی بیوی اور بھائیوں کو آپس میں خوامخواہ مقابلے اور حسد سے بچانا بھی سکھائیں پھر ہی ہمارے گھریلو ماحول خوشگوار رہ پائے گا۔

☆☆☆☆☆

ہماری زندگی کی کمزوریاں

بڑا عرصہ یورپ میں رہنے کے بعد جب یورپ کے عام باسی کی زندگی کا عام پاکستان کی زندگی سے موازنہ کرتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم بالکل مختلف دنیاؤں کے باسی ہیں۔

یورپ میں لوگوں کی زندگیوں پر آس پاس کے لوگوں کا کوئی دباؤ نہیں ہوتا۔ اسکی وجہ ان کے فیملی سٹرکچر کا تانا بانا بکھر جاتا ہے جو بڑی خطرناک اور معاشرے کو تباہ کرنے اور اسکی ترقی وسکون کھا جانے والی چیز ہے۔ وہ اگر حسد نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کوئی ایسا کرنے کا متحمل ہی نہیں ہوسکتا کہ جو بھی ایسا کرتا ہے وہاں لوگ اسے چھوڑ کر دوسرے دوست یا کمپنی ڈھونڈ لیا کرتے ہیں کہ وہاں آپس میں تعلق ہی بہت کمزور ہوا کرتا ہے۔

ہم لوگ بظاہر ایک مثالی قسم کی فیملی اور معاشرتی زندگی گزار رہے ہیں مگر درحقیقت ہم پر بے شمار اس قسم کے دباؤ ہیں۔

شعور کی کمی کی وجہ سے ہم میں سے ہر شخص اپنے پر انحصار کرنے والے یا جونیئر پر دباؤ ڈال رہا ہے مثلاً دفتر میں آفیسر اپنے ماتحتوں پر اور زمیندار اپنے مزارعے پر چلا رہا ہے۔ میاں بیوی پر اور بیوی اپنا بس نہ چلنے پر اپنا غصہ بچوں پر اتار رہی ہے، اور جواباً بچے اپنے سے چھوٹے بچوں پر اپنا غصہ منتقل کر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم سب نفسیاتی دباؤ میں آجاتے ہیں۔

اسی قسم کے دباؤ ہمارے اعصاب پر ایک مستقل قسم کا کھینچاؤ طاری رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ہم لوگ طرح طرح کی نفسیاتی اور اعصابی بیماریاں بعد میں ناقابل علاج قسم کی بیماریوں بلڈ پریشر شوگر وغیرہ میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

دراصل ہر بیماری کا منبع ذہن ہوتا ہے اگر آپ ذہنی طور پر مطمئن خوش باش اور ریلیکس رہتے ہیں تو آپ کو شاذ و نادر ہی کوئی بیماری ہوگی۔

ہمارے ملک میں معاشی دباؤ بھی ہماری بہت سی بیماریوں کا سبب بنتی ہے لیکن ہم سب ایک دوسرے پر بوجھ اور دباؤ مسلط کر رہے ہوتے ہیں۔ اسکی دوسری وجوہات کے علاوہ یہ بھی

ہے کہ ہم سب لوگ ایک دوسرے سے ہر معاملے میں مقابلہ کرتے ہیں جو کہ معالی معاملات سے لے کر مذہبی و ذہنی بحث ومباحثے تک ہر چیزوں پر پھیلا ہوتا ہے اس مقابلے میں ہم ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرنے پر اتر آیا کرتے ہیں۔

یہ سب دباؤ عموما اسی مقابلے کا حصہ ہیں ان دوسرے مقابلے میں ہارنے والے دوسروں پر اسی طرح غصہ اتارا کرتے ہیں انہی مقابلوں کا نتیجہ آپس میں حسد وتفرقہ اور پھر دشمنی تک چلا جاتا ہے۔

اسکا علاج یہ ہے کہ ہر شخص دوسرے سے بھی وہی سلوک کرے جو وہ خود سے کرنا پسند کرتا ہے دوسرے لفظوں میں اسے دوسرے کی جگہ پر کھڑا ہوکر دیکھے آیا اگر وہی سلوک اسکے ساتھ ہو رہا ہو تو وہ کیسے محسوس کرتا عام فہم لفظوں میں دوسروں کے ساتھ بھی انصاف کرے۔

یاد رکھیے حقوق اللہ کی معافی تو ممکن ہے حقوق العباد اور دوسروں کو خواہ مخواہ دکھ دینے کی کوئی معافی نہیں.

اسی طرح ہم نے پاکستان میں اپنے لوگوں کو کلاسوں اور ذات پات میں بانٹا ہوا ہے کلاسیں مغرب میں بھی ہیں۔ وہاں بھی بھکاری وخانہ بدوش قسم کے لوگ ہیں مگر پاکستان میں ہم نے تین کلاسیں اور تینوں کلاسوں کی بھی تین تین کلاسیں بنادی ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں۔

اس چیز کی تفصیل میں جانا میری کتاب کے مقصد سے باہر کی چیز ہے میں یہاں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ امیر غریب کا فرق تو ہمیشہ سے رہا ہے اور رہیگا۔ کیونکہ انسان کے بس سے باہر ہے کہ وہ سب آنے والے بچوں کو ایک ہی ذہانت واہلیت کے ساتھ پیدا کرے مگر ہمیں ذات پات کی تفریق سے باہر نکلنا چاہیے۔

اگر آپ ایک اونچی ذات میں پیدا ہو گئے اور میں نیچی میں تو اسمیں آپکا کوئی کارنامہ نہیں ہے اسلام میں ذات پات مال ودولت کے بجائے بڑائی کا معیار تقوی (اللہ پر بھروسہ اور ڈر) ہے اسلام میں کوئی ذات پات نہیں ہے۔

ذات پات کا نظام ہمیں ہندوستان میں ہندوؤں سے تحفے میں ملا ہے لیکن کوئی بھی غیر ہندو سب کچھ برداشت کر سکتا ہے مگر خود کو اور اپنی فیملی کو گھٹیا سمجھنے سے بخوشی سمجھوتہ نہیں

کر سکتا اس ذات پات کے نظام نے ہمارے معاشرے کو ایک اور مستقل کھچاؤ کا شکار کر کے رکھ دیا ہے ہمارے آدھے سے زیادہ پاکستانی نچلی ذات سے تعلق رکھتے ہیں اگر وہ ذہنی، مادی، مذہبی معاملات میں محنت کر کے اوپری ذاتوں سے آگے نکل بھی جاتے ہیں تو پھر بھی ساری عمر انہیں اوپرلی ذاتوں کے طعنے سننے پڑتے ہیں اس پر غور کریں کے یہ انصاف نہیں ہے۔

ایسا معاشرہ کبھی کبھی پیار ومحبت وانصاف کی بنیاد پر بننے والا معاشرہ نہیں بن سکتا انسانوں کو نسلی بنیادوں پر طبقات میں بانٹ دینے سے بڑا ظلم اور انصافی کوئی نہیں ہے بہر حال شکر ہے بڑے شہروں میں آہستہ آہستہ یہ بات ختم ہوتی جارہی ہے اس طرح اوپرلی ذات وقوم کے لوگ خود بھی چاہے ان میں دنیا کی کوئی بھی صفت نہ ہو خود کو بڑی ذات وقوم سے جوڑ کر (اٹیچ کر کے) اپنا قد بڑا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

یہ دراصل اسی طرح ہے جیسے کچھ لوگ اپنے کسی مشہور گھوڑے یا کتے کی تعریف سن کر خوش ہوتے ہیں اور اسکی خود بھی تعریف کر رہے ہوتے ہیں. وہ لوگ خود کو اس مشہور چیز سے جوڑ کر اپنا قد بڑھا رہے ہوتے ہیں۔ اسمیں کسی گاؤں والے کے پاس کوئی بندوق ہو تو وہ اسکی تعریف اور کوئی ٹرک والا اپنے ٹرک کی تعرف کر رہا ہوتا ہے۔

کبھی کبھی اس قسم کے لوگ خود کو اپنے ماضی کے بزرگوں یا نام نہاد مذہبی وروحانی لوگوں کی تعریف کر کے اور خود کو ان کے ساتھ اٹیچ کر کے اپنا قد مضحکہ خیز طریقے سے بڑھا رہے ہوتے ہیں بجائے اپنا اصل قد (تقوی) بڑھانے کے۔

اسلام میں ذات پات نہیں ہے پھر بھی آپ کو چاہیے کہ آپ کی وجہ سے آپ کی فیملی اور برادری کا نام اونچا ہو۔ نہ کہ آپ خود کو اپنی برادری سے جوڑ کر بڑے بننے کی مضائقہ خیز قسم کی کوشش کریں۔

☆☆☆☆☆

شعور، لاشعور اور یادداشت

ہمارا دماغ بنیادی طور پر دو حصوں میں بٹا ہوا ہے ایک شعور کہلاتا ہے دوسرا لاشعور۔

شعور: یہ دماغ کا وہ حصہ ہے جو ہم عام دُنیاوی کاموں میں استعمال کرتے ہیں جیسے کام کاج کرنا، بات چیت، سننا، کھانا پینا، سائیکل یا گاڑی چلانا اور اسی طرح کے کام کاج کرنا۔ انسان کی پانچوں حصوں (دیکھنا، سننا، چکھنا، سونگھنا، چھونا) کو استعمال کرنا اسی کا کام ہے یہ انہی پانچوں حصوں سے سیکھتا ہے۔

لاشعور: یہ ہمارے دماغ میں وہ حصہ ہے جو ہمارے شعور کا سٹور روم ہوتا ہے پھر اس میں ہی ہمارے سب خفیہ اور طاقتور روحانی صلاحیتیں چھپی ہوئی ہوتی ہیں پھر اس میں پیدائش سے آج تک جو کچھ آپ نے سنا ہے وہ سب اس میں ریکارڈ ہوتا ہے آپ اسے کوشش سے دوبارہ یاد کر سکتے ہیں اسی لاشعور آپ کی بیماری کا خود علاج کرنے یا اس کا علاج باہر سے ڈھونڈ نکالنے کی طاقت رکھتا ہے یہ بھاری سے بھاری وزن بغیر کوئی ظاہری سبب یا جسم استعمال کئے اٹھا سکتا ہے یہ فاصلے پر بھی چیزیں کر سکتا ہے۔ دور سے بھی چیزیں لا سکتا ہے۔ ٹیلی پیتھی، ہپناٹزم و نظر بندی اس کے معمولی مظاہرے ہیں۔

ہمارے خواب وغیرہ بھی لاشعور سے متعلق ہوتے ہیں۔ ماہرین روحانیت نے بتایا ہے کہ ہمارے لاشعور کا ایک ایسا حصہ بھی ہے۔ جسے کائناتی لاشعور کہتے ہیں اس میں وہ سب معلومات بھی موجود ہوتی ہیں جو کہ دُنیا میں کہیں بھی کسی بھی وقت میں موجود تھیں یا ہیں۔ اور یہ مشقوں کے ذریعے ان سب معلومات کو حاصل کر سکتا ہے۔ عام حالت میں ہم اپنے لاشعور کی صرف ایک یا دو فی صد طاقت استعمال کرتے ہیں۔ لاشعور کا سب سے اہم کام ہماری جسمانی حفاظت ہے اور اس کے بعد جو بھی کام آپ اشد ضروری سمجھتے ہیں وہ اس اشد ضروری کام میں ہماری مدد کرتا ہے۔ (عشق اسی شدید ترین خواہش کی ایک شکل ہے)۔ شدید خواہش اسے کام کرنے کی طرف راغب کرتی ہے اس خواہش کو کچھ عرصہ شدت کے ساتھ دماغ میں رہنا چاہیے۔ پھر یہ لاشعور میں اس کی تصویر کو بٹھا لیتا ہے اور اپنی بے پناہ اور طاقت کی مدد سے اسے

کچھ عرصے میں ہی کہیں سے ڈھونڈ نکالتا ہے۔

اس میں لاشعور کو حفاظت چاہیے تا کہ ہر خواہش اس میں نہ پہنچے یہ کام ہمارا شعور کر رہا ہوتا ہے جب تک یہ کسی چیز کو اہم نہیں سمجھتا اور اس سے متاثر نہیں ہوتا اس وقت تک اسے لاشعور میں نہیں بھیجتا اسی حفاظت کی وجہ سے ہم بہت سی خراب باتوں سے اور وہموں سے بچے رہتے ہیں ورنہ جو چیز بھی ہمارے لاشعور میں بیٹھ جاتی ہے کچھ عرصے کے بعد ہماری عادت بن جاتی ہے ہم اپنی سوچ کی طاقت کی مدد سے اسے بار بار دھراتے ہیں اور یہ ہماری عادت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

اور نفسیات دان بالکل سچ کہتے ہیں کہ ہم سب اپنی عادتوں کے غلام ہیں۔ اب لاشعور میں کوئی چیز اور عادت بننے کی مثال اس طرح ہے کہ آپ نے کوئی نیا کام کیا جیسے زندگی میں پہلی بار ایک گانا بہت اچھا لگا اور آپ نے اسے یاد کر لیا۔ اب اگر آپ کو وہ جلدی یاد ہو جاتا ہے تو دوسری بار جو بھی شعر یا گانا آپ یاد کریں گے تو آپ کے پہلی بار کے تجربے اور اعتماد کی وجہ سے آپ کو وہ بھی جلدی یاد ہو جائے گا اب آپ کے ذہن میں یہ خیال بیٹھ جاتا ہے کہ آپ کو شعر یا گانے جلدی یاد ہو جاتے ہیں اس کے بعد جتنی بار بھی آپ یہ سوچیں گے کہ آپ کو شعر اور گانے جلدی یاد ہو جاتے ہیں۔ آپ کو وہ جلدی ہی یاد ہو جایا کریں گے۔ آہستہ آہستہ یہ آپ کی عادت بن جائیگی اور پھر یہ آپ کا پیچھا آسانی سے نہیں چھوڑے گی اور آپ کے لاشعور میں جیسے جڑیں بنا کر بیٹھ جاتی ہے۔ اسی طرح اگر آپ کو کسی نئی چیز کے کرنے میں دو تین بار ناکامی ہو جاتی ہے تو آپ کے ذہن میں یہ چیز بیٹھنے لگ پڑتی ہے کہ آپ اس کام میں کمزور ہیں تو جوں جوں آپ یہ بات سوچیں گے یہ چیزیں آپ کی یادداشت میں بیٹھنے لگ پڑیں گی اور جب یہ پختہ ہو جاتی ہیں تو یہی چیز آپ کے لاشعور میں چلی جاتی ہے۔ پھر یہ وہاں آٹومیٹک ہو جاتی ہے اور آپ کی عادت بن جاتی ہے۔

ہم نے اسی طرح اپنے لاشعور کو سینکڑوں قسم کی عادتیں دی ہوتی ہیں یہ مثبت یا اچھی بھی ہوتی ہیں اور کمزور خراب یا بری بھی اور ہم ان سب عادتوں کو سوچ کی توانائی دے کر لاشعور میں مزید گہرا بٹھا رہے ہوتے ہیں آپ جتنی بار بھی کسی عادت کا سوچتے ہیں کہ میں فلاں چیز

کرنے میں اچھا ہوں یا کمزور ہوں آپ اس عادت کو جیسے ایک اور ہتھوڑا مار کر لاشعور میں مزید گہرا بٹھا رہے ہیں۔

ہم سب عادتوں کے غلام ہیں ہماری سب عادتیں ہماری شروع کی چند بار کی کامیابی اور ناکامی سے شروع ہو کر شعور سے براستہ یادداشت لاشعور میں داخل کردیتے ہیں۔ جہاں یہ عادتیں آٹومیٹک طور پر ہمیں کنٹرول کرنے لگ پڑتی ہیں اور انہیں تبدیل کرنا آسان نہیں ہوتا۔

دراصل آپ کا خوش قسمت ہونا بھی آپ کی ایک عادت ہی ہے۔ جو آپ نے برسوں اپنے ذہن کو سوچ دے دے کر بنا دی ہے اور آپ کا خود کو بدقسمت سمجھنا بھی آپ کی ایک عادت ہی ہے۔ پھر آپ کی بے شمار عادتیں ہیں جن میں سے کچھ مثبت ہیں میری شخصیت اچھی ہے لوگ مجھے پسند کرتے ہیں میں اچھا ڈرائیور ہوں مجھے لوگوں کے نام نہیں بھولتے۔ مجھے چیزیں (یا فلاں قسم کی چیز) باآسانی مل جاتی ہے میں الیکٹرانک سے متعلقہ چیزیں آسانی سے سیکھ لیتا ہوں میرے پاس ضرورت کے پیسے ہمیشہ موجود ہوتے ہیں یا مل جاتے ہیں۔

اسی طرح بری عادتوں کی مثال اس طرح ہے میں لکی نہیں ہوں مجھے لوگ پسند نہیں کرتے میری شخصیت دلچسپ نہیں ہے میں نئی چیزیں یا زبان آسانی سے نہیں سیکھ سکتا میں اجنبیوں سے صحیح طریقے سے نہیں مل سکتا۔ میری جیب ہمیشہ خالی رہتی ہے مجھ میں ضبطِ نفس نہیں ہے میں اپنی عادتیں تبدیل نہیں کرسکتا۔ میں سست ہوں۔ میں صبح چائے نہ پیوں تو آنکھ نہیں کھلتی یا دماغ کام نہیں کرتا میں پیسوں کے لین دین یا کاروبار میں اچھا نہیں ہوں۔

ہم لوگ اپنے شروع کے تجربات کی بنیاد پر خود کو خوش قسم یا بدقسمت بنا لیتے ہیں۔

دراصل لاشعور یقین کے اصول پر کام کرتا ہے جس چیز پر اس کا یقین بیٹھ جاتا ہے وہ اسے آسانی سے کرنے لگ پڑتا ہے جیسے اگر آپ کے اندر یہ یقین بیٹھ جاتا ہے کہ آپ کی لمبی عمر ہے تو پھر یہ آپ کو لمبی عمر دینے میں پوری مدد کرے گا اور آپ کا لاشعور آپ کو ہر حادثے، خطرناک بیماری، ہر مالی خطرے سے بچاتا چلا جائے گا یہ آپ کو ایسی جگہ پر جانے سے بھی روک لے گا۔ جہاں سے آپ کو بیماری یا خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔

اسی طرح دوسری چیزوں میں بھی جب آپ کا اعتقاد بیٹھ جاتا ہے وہ یہ چیزیں آسانی

سے کرلیتا ہے۔ انسان شیر اور بھیڑ دونوں کا مجموعہ ہے۔ جو انسان خود کو مان لیتا ہے۔ لاشعور اسے وہی کچھ بنا دیتا ہے۔ مگر لاشعور کو بچے کی طرح اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی جس قسم کی سوچ بھی آپ اسے کچھ عرصہ لگاتار دیتے ہیں وہ اس میں بیٹھنے لگ پڑتی ہے اور یہ آہستہ آہستہ اس پر عمل شروع کردیتا ہے یہ شدید امنگ یا شدید ڈر والی چیزوں سے جلد ہی متاثر ہوجاتا ہے اور انہیں اندر بٹھا لیتا ہے۔

روحانیت میں مراقبات کا اصول یہ ہے ہم سب لفظوں میں نہیں بلکہ تصویروں میں سوچتے ہیں لاشعور کو مراقبات میں جو بھی تصور لگاتار دکھایا جاتا ہے۔ وہ اسے تخلیق کرلیا کرتا ہے۔ یہ اس کی بے پناہ طاقت کے لئے مشکل نہیں ہوتا۔

اسی طرح اگر آپ کسی چیز سے ڈر رہے ہوتے ہیں مثلاً جسمانی یا مالی نقصان سے تو آپ دراصل لاشعور کو اس نقصان کی فلم بار بار دکھا کر اسے حکم دے رہے ہوتے ہیں کہ یہ کام کرو اور لاشعور وہ کام کردیتا ہے کیونکہ آپ اسے درحقیقت یہ حکم دے رہے ہوتے ہیں اسی طرح اگر آپ اس کو کامیابی کی فلم زیادہ دکھائیں تو یہ آپ کو کامیابی سے ہم کنار کردے گا۔ کیونکہ لاشعور کو بچوں کی طرح اچھے یا برے کی کوئی تمیز نہیں ہوتی جو کچھ بھی آپ اس کو لگاتار دکھاتے ہیں وہ اسے تخلیق (Create) کرنے لگ پڑتا ہے۔

اب ہم کچھ بری عادتوں کے علاج کی طرف آتے ہیں مثلاً مجھے راستے یاد نہیں رہتے۔

اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ آپ نے لاشعور کو برسوں یہ سوچ دی ہے کہ مجھے راستہ بھول جاتے ہیں اس نے اسے سوچ کو حکم سمجھ کر اندر بٹھا دیا ہے اس سوچ نے لاشعور میں جڑیں گہری بٹھالی ہیں یہ آپ کی عادت (یا خودکار سوچ) بن چکی ہے اب آپ اس عادت کو باآسانی نہیں تبدیل کرسکتے (میری کتاب روحانیت، دانش اور حقیقتیں میں اس کی تفصیل بتائی جاچکی ہے)۔

ہمارے اندر اس کمزور عادت (یا پروگرام) کا ڈر بیٹھ چکا ہے۔ اس لئے جب بھی اس کا سامنا ہوتا ہے ہمارا اندرونی ڈر ہمیں اعتماد سے یہ کام نہیں کرنے دیتا۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ نے یہ فیصلہ کرنا ہے کہ مجھے یہ عادت تبدیل

کرنی ہے (مثلاً راستے یاد کرنے سیکھنا ہے) اس فیصلے کو لکھ کر ایسی جگہ پر رکھ دیا ہے جہاں پر دن میں کئی بار آپ کی نظر پڑے لاشعور پوری کوششیں کرے گا کہ آپ کو اس تبدیلی سے روکے کہ اس کے لئے عادت تبدیل کرنا آسان نہیں ہوتا وہ اس میں آپ کو کسی دوسرے مشغلے میں الجھا دے گا۔ اس لئے مضبوط فیصلہ کر کے اور لکھ کر آپ اس چیز کا توڑ کر لیں۔

اب آپ نے قدم بقدم اس سوچ کو تبدیل کرنا ہے پہلے آپ جہاں کہیں بھی جائیں تو پہلی تین چار سڑکیں یاد کریں بجائے ایک ہی دفعہ میں دس پندرہ موڑوں کو یاد کر کے ناکام ہونے کے۔

پھر جب آپ وہ تین چار سڑکیں یاد کر لیں تو کوئی گھنٹے یا دو گھنٹے کے بعد ان راستوں کو ذہن میں پھر سے دھرا لیں۔

دراصل ہماری عام یاداشت کے دو حصے ہوتے ہیں ایک جس میں ہر روز کی ہی غیر اہم سی چیزیں ہوتی ہیں جیسے آپ نے کہیں راستے سے ایک بسکٹ کھا لیا یاداشت اس کو غیر اہم سمجھ کر بھلاتی رہتی ہے تاکہ آپ کی یاداشت میں زیادہ کچرا جمع نہ ہو۔

یاداشت کے دوسرے حصے میں ایسی چیزیں جمع ہوتی رہتی ہیں جنہیں ہم اہم سمجھتے ہیں یہ چیزیں ہمارے ذہن میں لمبا عرصہ تک رہتی ہیں اور ہمیں نہیں بھولتیں۔ اکثر دن میں دوسری بار اسی چیز کو سوچا جائے تو وہ یاداشت کے اس حصے میں جمع ہو جاتی ہیں۔

اب ہم ان میں جس چیز کو بھی دوبارہ یاد کرتے ہیں وہ ہماری یاداشت کے لمبے عرصے والے خانے میں جمع ہو جاتی ہیں اور بوقت ضرورت ہم انہیں دوبارہ یاد کر لیتے ہیں اب مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ جن چیز کی یاداشت سے متعلق آپ کا پروگرام کمزور یا خراب ہوتا ہے وہ چیز آپ فوراً ہی بھول جاتے ہیں چاہے آپ اسے ایک گھنٹے کے بعد اسے یاد کرنے کی کوشش کریں۔

اس کا علاج یہ ہے کہ ایسے چیز کو آپ توجہ سے دیکھیں۔ یا سنیں اور اسے واقعہ کے فوراً بعد دوبارہ یاد کریں تو پھر آہستہ آہستہ آپ کو یاد ہونا شروع ہو جائے گا پھر آپ اپنی اس میں کامیابی کی سوچ کو دھرا دھرا کر اپنا لاشعور کا پروگرام صحیح اور مضبوط کر لیتے ہیں قدم بقدم بڑھنے کی صورت میں آپ اپنی ہر کمزور عادت (یاداشت) پر قابو پا سکتے ہیں۔ گو بعض اوقات اس

میں ایک برس بھی لگ سکتا ہے۔ عملی کامیاب تجربات ہی دراصل آپ کا یقین مضبوط کرتے ہیں۔

اسی طرح قدم بقدم مشق کر کے خود کو بدقسمت سے خوش قسمت بنا سکتے ہیں۔

اداس رہنے کی بجائے خوش باش بن سکتے ہیں، ناکامی سے کامیاب بن سکتے ہیں، غریب سے امیر بن سکتے ہیں، بھیڑ سے شیر بن سکتے ہیں۔

صرف فیصلہ کیجئے اور مثبت اور پُر امید سوچ اور مستقبل مزاجی کے ساتھ اس پروگرام پر عمل شروع کر دیجئے۔

☆☆☆☆☆

ہماری کامیابی یا ناکامی کی وجہ فوکس

جیسا کہ پیچھے بتایا جا چکا ہے کہ ہمارا لاشعور ایک بچے کی طرح ہے اسے اچھی بری چیز کی کوئی تمیز نہیں مگر اس کی طاقت بے پناہ ہے۔

آپ جو بھی سوچ اسے لگاتار دیتے ہیں یہ اسے حکم سمجھ لیتا ہے اور اس پر عمل شروع کر دیتا ہے اور آپ کو اس کے پاس لے جاتا ہے اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ اسے مثبت سوچ دیتے ہیں یا منفی کامیابی کی سوچ دیتے ہیں یا ناکامی کی خوشیوں کی دیتے ہیں یا پریشانیوں کی۔

جو بھی سوچ آپ اسے زیادہ دیتے ہیں آپ اسی کنارے پر جا کر کھڑے ہوں گے۔

اب میں آپ کو اس کی مثال دیتا ہوں۔ آپ نے ایک کاروبار شروع کیا ہے بظاہر ہر کوئی اسے اپنی سمجھ کے مطابق دیکھ بھال کر ہی شروع کرتا ہے گو اس کی اہم ترین چیزیں ڈیمانڈ اور سپلائی کے بعد آپ کا اس میں علم اور عملی تجربہ، ایمانداری، کم مسابقت، آپ کا محفوظ سرمایہ، محنت، اچھے تعلقات صحیح پلاننگ اور ایک کاروبار کو ہی باقی سب کام ومشغلے چھوڑ کر توجہ دینا ہے۔

مگر کاروبار ہمیشہ رسک والا کام ہے اس میں نقصان یا ناکامی کا ڈر ہمیشہ لگا رہتا ہے لیکن اگر آپ نے کاروبار شروع کرنے کے بعد اپنا زیادہ وقت اور توجہ نقصان اور ناکامی کی طرف دینی شروع کر دی تو آپ کا لاشعور ناکامی کے پاس لے جا کر کھڑا کر دے گا اور زیادہ وقت کامیابی کا سوچا تو آپ کامیابی کے پاس کھڑے ہوں گے اس میں اہم ترین بات یہ ہے کہ آپ کا فوکس کہاں پر ہے کامیابی یا ناکامی پر (یعنی آپ زیادہ وقت کسی چیز کا سوچتے ہیں کامیابی یا ناکامی) اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ آپ نے کاروبار شروع کرتے وقت کامیابی اور ناکامی دونوں پہلوؤں پر بھرپور طریقے سے غور کرنا ہے۔

مکمل سٹڈی کرنی اور جائزہ لینا ہے۔ اس کے کمزور پہلوؤں کا بھی پورا جائزہ لینا ہے اور اچھے اور مثبت پہلوؤں کا بھی۔

پھر کام شروع کرنے کے بعد کمزور پہلوؤں پر بالکل غور نہ کیا کریں اس پر آپ شروع

میں ہی مکمل غور وفکر کر چکے ہیں اب آپ نے اپنا فوکس کامیابی پر ہی رکھنا ہے۔ اگر آپ کا فوکس کامیابی پر رہا تو کامیابی آپ کی ساتھی ہوگی اور اگر ناکامی پر رہا تو ناکامی آپ کی ساتھی ہوگی۔ Optimism اور جوش وخروش کے ساتھ کام جاری رکھیں تو پھر کامیابی ہی کامیابی ہے (یہی کامیاب ترین لوگوں کا طریقہ ہے) ہر شے میں جہاں آپ فوکس کر لیتے ہیں آپ وہاں ہی پہنچ جاتے ہیں لیکن کام شروع کرنے سے پہلے دونوں پہلوؤں کا بھرپور جائزہ لیجئے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کامیابی کا سوچنے والوں کو پھر ایسے ہی ساتھی اور صلاح کار ملتے ہیں جو کامیابی ذہن میں رکھتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں ناکامی اور سوچ رکھنے والوں کو ساتھی اور صلاح کار بھی اپنی ہی قسم کے ملتے ہیں اور انہیں مزید غلط رائے اور مشورے بھی دیتے رہتے ہیں۔ کہ ہر انسان اپنی ہی قسم کے بندوں کو اپنے طرف اٹریکٹ (کشش) کرتا ہے۔

اس طرح اگر آپ نے عام زندگی میں پریشانیوں پر ہی فوکس کر رکھا ہے تو پھر آپ پریشانیوں کے درمیان ہی گھرے رہیں گے اور اگر خوشیوں پر فوکس ہے تو خوشیاں آپ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑیں گی پھر اگر آپ دُنیا کو پریشانیوں کا گھر سمجھتے ہیں تو پھر پریشانیاں ہی ہر طرف ملیں گی اور خوشیوں کا گھر مانیں تو خوشیاں ہی ملیں گی۔

کسی بھی چیز سے زیادہ ڈرنے والا ڈر پر ہی فوکس کر لیا کرتا ہے اور اسے ہی پاتا ہے جس چیز سے ہم ڈرتے ہیں وہی چیز ہم بار بار سوچتے رہتے ہیں شاید اس ڈر کے بارے میں سوچ کر ہمیں عجیب سی لذت ملتی ہے مگر زیادہ ڈر کے بارے میں سوچنے کی صورت میں آپ در حقیقت ہر بار ڈر کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں جو کہ ممکن ہے حقیقت میں آپ کا کبھی سامنا نہ ہو۔ مگر اپنے ڈر پر آپ نے فوکس کر لیا ہے اب لاشعور بار بار دیکھ کر اسے آپ کا حکم سمجھتا ہے اور وہ آپ کو اسے پاس لیجا کر ہی چھوڑے گا۔ ہمارے لاشعور کو بچوں کی طرح اچھے یا برے کی کوئی تمیز نہیں ہوتی آپ جو چیز بھی اسے بار بار دکھاتے رہتے (یعنی زیادہ تر وقت سوچتے رہتے) ہیں۔ یہ آپ کو انہی چیزوں کے پاس لے جا کر چھوڑے گا۔ بلکہ یہ انہیں تخلیق (Create) کرنے کی بھی مکمل اہلیت رکھتا ہے۔

پریشان رہنے والے لوگوں کی پریشانیوں کی وجہ عموماً (بلکہ 95%) یہی ہوتی ہے کہ وہ بہت زیادہ وقت پریشانیوں (حقیقی یا خیالی) کا ہی سوچتے رہتے ہیں اسی وجہ سے وہ ان سے کبھی نکل نہیں پاتے۔ اور لاشعور بار بار دیکھنے والی چیز کو تخلیق کرتا ہی رہتا ہے۔ پھر اسی وجہ سے

ان کے حالات خراب، پھر صحت خراب اور اس کے بعد مزاج خراب ہو جاتا ہے اور خرابی مزاج کی وجہ سے آس پاس کے لوگوں سے تعلقات بھی خراب ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ مسئلے بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ہر آدمی ہنس مکھ اور خوش مزاج آدمی سے ہی ملنا اور تعلقات رکھنا پسند کرتا ہے۔ اس لیے مثبت چیزوں اور پہلو پر ہی فوکس رکھیں۔

اسی طرح ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی توجہ بھی فوکس کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ جو بھی کام کر رہے ہیں اپنی توجہ اسی کام پر اسی جگہ اسی لمحہ میں رکھیں ایسا کرنا نہ صرف آپ کو وہ کام پہلے کی بہ نسبت بہت بہتر طریقے سے کرنے کی اہلیت دے گا بلکہ آپ کی بہت سی انرجی فضول سوچوں (اکثر الجھنوں اور پریشانیوں کے بارے میں سوچوں) سے بھی بچا لے گی۔ ہر وقت اسی لمحے میں رکھنے کی کوشش کریں۔ یہ مشق کرنا ایک بے حد دلچسپ اور انتہائی فائدہ مند چیز ہے۔ جو آہستہ آہستہ کچھ عرصے کی مشق کے بعد ہماری عادت بن جاتی ہے۔ اس میں ذہن کو کسی بھی سوچ سے خالی رکھنے کی مشق بھی شامل ہے۔

دُنیا کے ہر کام میں آپ اپنا زیادہ وقت اور توجہ جس پہلو (کامیابی یا ناکامی) پر سوچنے میں لگاتے ہیں آپ کا فوکس اسی پہلو پر ہے اور آپ جلد ہی وہاں پر کھڑے ہوں گے چاہے یہ کاروبار میں ہے یا ذاتی زندگی عزت، شہرت یا پیار میں۔

اہم یہ ہے کہ ہم اپنا فوکس صحیح کریں ہر چیز اور معاملے میں۔

☆☆☆☆☆

شاعری

شاعری کا تعلق فنون لطیفہ (آرٹس) سے ہوتا ہے مگر اس میں بنیادی کمی یہ ہوتی ہے کہ لفظوں کی تک بندی کو ہی اکثر شاعری سمجھ لیا جاتا ہے ملتے جلتے الفاظ ڈھونڈ کر ان پر خوبصورت لفظوں کا لباس پہنا کر شعر بنا دیا جاتا ہے۔ علاوہ روحانی شاعروں کے جیسے پاکستان میں اقبال، سلطان باہو، میاں محمد بخش، بلھے شاہ، وغیرہ باقی لوگوں میں گہرائی کی بہت کمی ہوتی ہے "اگر زندگی کو بالکل عملی طریقے سے گزارا جائے تو یہ بالکل خوشک ہو جاتی ہے اسمیں خواب وخیال راگ رنگ اور فنکارانہ چیزوں کی بھی گنجائش ہونی چاہیے لیکن خود ان کا عملی دنیا سے تعلق بھی بہت ہی کم ہوتا ہے یہ خواب وخیال کی دنیا میں رہنے والے حساس و کمزور لوگ ہوتے ہیں جو اکثر تعریف پسندی کی وجہ سے شاعر بن جاتے ہیں۔ شاعری میں بھی کچھ با مقصد شاعری مزاحیہ، نظریاتی یا روحانی شاعری کی کسی نہ کسی حد تک ضرورت ہوتی ہے مگر شاعری میں گھرا جانا نقصان دہ ہوتا ہے۔

اسی طرح موسیقی ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ تھکے ہارے انسانوں کو توانائی دیتی ہے۔ اس کی وائبریشن (لہریں) انسانی حصوں سے ٹکرا کر انہیں توانائی دیتی ہے۔ مگر اس کی زیادتی بھی نقصان دہ ہے۔ فلاسفر یہ کہتے ہیں کہ وہ قوم لازمی طور پر تباہ ہو جاتی ہے جس میں شاعروں کی اکثریت ہو جائے شاعروں کی صحیح اور دلچسپ تشریح مشہور جرمن فلاسفر نطشے نے کی وہ شاعروں پر بہت ناراض رہتا تھا۔ اور ان کے بارے میں کہتا تھا کہ یہ اپنے پانی کو گدلا کر دیتے ہیں تا کہ گہرا نظر آئے۔ میرے خیال میں اچھے روحانی شاعر بھی کافی ساری ایسی باتیں کر جاتے ہیں جن میں کوئی وزن نہیں ہوتا مگر سننے میں گہری محسوس ہوتی ہیں آرٹ و موسیقی کے بارے میں فلاسفر یہ صحیح ہی کہتے ہیں کہ جس قوم کو تباہ کرنا ہو ان چیزوں میں پھنسا دو۔

دراصل تہذیب میں مادی پہلو اور جمالیت کا توازن ہو تو ہی صحیح تہذیب ہوتی ہے۔ مگر عملی یا مادی پہلو کو نظر انداز کرنا تہذیب کیلئے تباہی و بربادی ہے۔ آرٹ وغیرہ کی طرف زیادہ جھکاؤ بہر حال قوم کیلئے تباہی کی علامت ہے۔

☆☆☆☆☆

غلط فہمیاں

بحث ومباحثے میں اکثر جیت صحیح دلیل دینے والے کی ہوا کرتی ہے مگر یہ مباحثے میں یہ بات صحیح نہیں ہوتی ایسے لوگ بھی بحث جیت جایا کرتے ہیں جن کی سوچ کی طاقت دوسروں سے زیادہ ہوا کرتی ہے اسکی وجہ سے ان کے مخالف کو کوئی جواب نہیں سوجھ پاتا۔

ایک دفعہ میرے کزن پروفیسر چوہدری لیاقت علی صاحب اسی بارے میں بتا رہے تھے۔

کہ اسکی ایک بڑی مثال، حضرت ابراہیمؑ اور نمرود کا مباحثہ ہے جس میں نمرود حضرت ابراہیمؑ سے کہتا ہے میں خدا ہوں میں دولت دیتا ہوں میں مارتا ہوں میں جلاتا ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ اسکے جواب میں فرماتے ہیں اگر تم خدا ہو تو سورج کو مشرق کی بجائے مغرب سے کیوں نہیں طلوع کر کے دکھاتے۔

نمرود یہ جواب سن کر ششدر رہ گیا اور جواب نہ دے سکا ورنہ وہ یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ تم جو خدا کے سچے پیغمبر بنے ہو تم اپنے خدا سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ سورج کو مغرب یا شمال سے طلوع کرے مگر حضرت ابراہیمؑ کا یقین اور سوچ کی طاقت نمرود سے زیادہ تھی اس لئے اسے کوئی جواب نہ سوجھ سکا۔

ایسے بہت سے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے جس میں بحث میں مخالف کو لاجواب کر دیا تھا مگر یہ لازمی نہیں کہ بحث جیتنے والے نے صحیح یا معقول دلیل دی ہو الٹی سیدھی غیر معقول مثالوں سے ہمارا تصوف کا ادب بھرا پڑا ہے۔ اکثر ذہن میں جیت کا یقین رکھنے والے مقابلے میں جیتا کرتا ہے۔ اکثر اسکا یقین بھی مخالف سے زیادہ ہوا کرتا ہے۔

اسی طرح بہت سے لوگ الٹی سیدھی مثالیں کہیں سے ڈھونڈ لیتے ہیں تشبیہات کے ساتھ اپنی مراد بیان کرنا اور سمجھانا ایک طرف تو مجبوری ہوتی ہے مگر تشبیہات کو اپنے بیان کے ساتھ ملا دینا بھی اسی طرح کا کام ہوتا ہے اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو اکثر تشبیہات (میری اپنی تشبیہات سمیت) سن کر یا پڑھ کر یہ سمجھ نہیں آتا کہ انسان ہنسے یا لکھنے یا کہنے والے کے علم پر روئے۔ میرے خیال میں گہرائی والی کتابوں کو تشبیہات سے گریز ہی کرنا چاہیے

ریاضت وعبادات کرنے سے انسان کی اندرونی صلاحیتیں جاگنے لگ پڑتی ہیں اس کی ذہنی طاقت بھی عام لوگوں سے بڑھ جاتی ہے۔ ایسا شخص ذہنی طاقت سے دوسروں پر اثر انداز بھی ہو سکتا ہے پھر اسکے پاس ہر مادی چیز اور علم بھی عام لوگوں کی نسبت آسانی سے آجایا کرتا ہے یہ طاقت ور سوچ کی ایک عام صفت ہوتی ہے۔

آپ اپنے ذہن میں ہر طرح کی معلومات جمع کر سکتے ہیں مگر کسی ضرورت کے وقت انہیں فوری طور پر وہاں سے نکالنا اور موجودہ ضرورت کے مطابق استعمال کرنا ذہنی طاقت کا ہی کام ہے۔ بہت سے ''دانشور'' بھی اسے نہیں کر پاتے۔ یہی ضروری معلومات فوری نکالنے کی صلاحیت روحانی طاقت زیادہ ہونے کی صورت میں بہت بڑھ جایا کرتی ہے۔ اسلام کے مشہور سکالر ڈاکٹر نائیک اس کی ایک بہترین مثال ہیں۔ یہ صلاحیت اپنے کام میں محنت کرنا، اس کا وسیع مطالعہ کرنے اور اس پر مکمل قابو (Grip) ہونے کی صورت میں بھی بڑھتی ہے مگر میں نے یہ دیکھا ہے کہ مذہبی یا روحانی لوگوں میں یہ صلاحیت عام لوگوں سے زیادہ پائی جاتی ہے۔

اسلامی تصوف میں علم لدنی کو اسی صلاحیت کی بہترین قسم کہا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

اعتقاد کی طاقت

نفسیات دانوں نے تجربات میں معلوم کیا ہے کہ آپ جس چیز کو خود کے لیے بہتر یا مضر سمجھتے ہیں اسکو اپنے اعتقاد کی طاقت سے پانچ گناہ بڑھا لیتے ہیں۔

مثلاً آپ سگریٹ پیتے ہیں تو اگر آپ اسے خود کے لئے مضر ماننے لگ پڑیں گے تو آپکو اسکا نقصان کئی زیادہ ہوگا اور اگر آپ اسے مضر صحت نہیں مانتے (حقیقت میں سگریٹ مضر صحت۔ ہوتا ہے) تو پھر سگریٹ آپ کو بہت ہی کم جسمانی نقصان دے گا جو کہ نہ ہونے کے برابر ہوگا اسی طرح ہمارے نوجوان بھی شروع جوانی کی الٹی سیدھی حرکتوں کا نقصان اپنے اسی اعتقاد کی طاقت سے کئی گنا بڑھا لیتے ہیں جبکہ اسکا اصلی اثر بہت ہی کم ہوا کرتا ہے۔

اسی طرح آپ جس چیز کو خود کے لئے لکی مان لیتے ہیں چاہے وہ آپکی انگوٹھی میں لگا پتھر ہو آپکے پاس موجود تعویز ہو یا آپکی بیوی یا بیٹی بیٹا ہو تو وہ چیز یا ہستی آپ کے لئے لکی بنتی چلی جاتی ہے یہ چیز شاید حقیقت میں آپکے لئے بہت ہی معمولی لکی ہوگی مگر جوں جوں آپ کا اس پر یقین بیٹھتا چلا جاتا ہے یہ چند فیصد سے دس فیصد پھر بیس فیصد اور پھر پچاس فیصد سے بھی زیادہ لکی ہوتی چلی جاتی ہے۔

بیویوں کا مثبت یا منفی سوچ کا آپکی زندگی پر ضرور اثر ہوا کرتا ہے اور بیٹی یا بیٹے کے پیدا ہونے اور اسکی موجودگی کی خوشی آپکے دوسرے معاملات میں بھی کامیابی دیا کرتی ہے۔

اسی طرح کسی کو اپنے لئے ان لکی یا منحوس مان لینے سے اسکا آپ پر خواہ مخواہ غلط اثر ہونے لگ پڑتا ہے۔

اسی طرح کسی کو اپنی دعائیں قبول ہونے کا اعتقاد ہوتا ہے کسی کو کوئی دعا قبول نہ ہونے کا اعتقاد ہوا کرتا ہے غلط اعتقاد تبدیل کرنا بڑا ضروری ہے یہ آپکے اپنے بس میں ہوتا ہے۔

اسے مثبت سوچ، صبر اور مستقل مزاجی سے آہستہ آہستہ تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

بس ہر معاملے میں مثبت سوچنے کی عادت ڈالیں اور پر امید رہ کر صبر کے ساتھ اپنی

منزل کی طرف چل پڑیں۔

اسی طرح اگر آپ کسی چیز کی تاثیر (جیسے گرم یا سرد یا الرجی) کو اپنے لیے مضر سمجھتے ہیں تو اپنے اعتقاد یا وہم کی وجہ سے اسکی تاثیر کو کتنے گنا بڑھا لیں گے۔ چاہے آپکو اسلام آباد میں پولن سے الرجی ہو یا لسی جیسی صحت مند چیز سے لیکن بہر حال جس چیز سے الرجی ہو اسے تھوڑا تھوڑا شروع میں استعمال کریں پھر آہستہ آہستہ بڑھاتے چلے جائیں۔ اس طرح اکثر آپ علاج کر لیں گے۔

اسی طرح اگر آپ کسی شخص کے حلیے یا کسی پیر یا فقیر (اصلی یا نقلی) کے حلیے (داڑھی تسبیح یا عمامہ) سے متاثر ہوں تو آپکو اس شخص سے فائدہ خواہ مخواہ ہی ہوگا نہ متاثر ہونے میں فائدہ نہیں ہوگا اس لیے کم از کم اپنے روحانی رہنما سے متاثر (Impress) ہوں۔

اگر آپ نے اپنی کسی بیماری کو لا علاج سمجھ لیا تو دوائی میں یا ڈاکٹر اور حکیم کے علاج میں تاثیر کہاں سے آئے گی بلکہ آپ لاشعوری طور پر کسی ایسی جگہ یا ہسپتال بھی نہیں جائیں گے جہاں پر آپکا علاج ہو سکتا ہے۔

اسی طرح لا علاج قسم کی بیماریاں بھی اگر قابل علان مان لی جائیں تو اسکا علاج کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی طریقے سے مل جائیگا بلکہ آپ اپنے یقین یا اعتماد کی طاقت سے خود بھی ان کا علاج کر سکتے ہیں بس آپکو یہ یقین ہونا چاہیے کہ آپ صحت یاب ہو جائیں گے۔

پھر آپ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی ذریعے سے بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی غلط خوراک (یا زہر تک معمولی مقدار میں) غلطی سے استعمال کر کے صحت یاب ہو جائیں۔ میں ایسے کئی واقعات سن چکا ہوں۔

☆☆☆☆☆

تکبر

ستم ظریفی یہ ہے کہ دنیا میں ہر شخص دوسرے شخص کو یہ جتانے میں مصروف ہے کہ وہ اس سے بہتر ہے مگر جب کوئی دوسرا اس بات کو کھل کر کرتا ہے تو اسے تکبر کہتے ہیں۔کوئی بھی شخص یہ برداشت نہیں کرتا کہ کوئی دوسرا خود کو اس سے بہتر ثابت کرے اور اسی وجہ سے آہستہ آہستہ ہر شخص اس کا دشمن ہوجاتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اپنی تعریف ہر شخص پسند کرتا ہے اور کسی دوسرے کی تعریف ناپسند۔اور جب کوئی اپنی ہی تعریف یا بڑائی شروع کردیتا ہے تو اس سے جلنا شروع کردیتے ہیں اور ماحول میں پیار ومحبت کے بجائے نفرت شروع ہوجاتی ہے۔

تکبر سے اسی لیے اسلام میں منع کیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

وظائف

کچھ لوگ اکثر دینی اور دنیاوی مقصد کے لیے کتابوں میں سے وظائف ڈھونڈتے رہتے ہیں اور جو لوگ اس سے کام لینے میں کامیاب ہوجائیں وہ اسکے عامل ہوجاتے ہیں وہ آگے جسے بتائیں یا اجازت دیں تو وہ کامیابی سے چل پڑتے ہیں۔میں نے اپنی اس کتاب میں وظائف تو نہیں بتائے مگر آپکو وہ صلاحیت (روحانی طاقت) حاصل کرنیکا یقینی راستہ بتایا ہے جسکے بعد آپ کسی بھی کتاب میں لکھا ہوا وظیفہ کامیابی سے کرسکیں گے۔کچھ روحانی ترقی ہونے کے بعد انسان ہر ورد یا وظائف سے پورے فوائد با آسانی اٹھا سکتا ہے۔بلکہ کسی دوسرے اس کے عامل سے اجازت (اِذن) لیے بغیر ہی کسی کتاب سے پڑھ کر مثبت سوچ ویقین کی مدد سے کامیابی سے کرسکتا ہے۔جب کے کم روحانی توانائی یا طاقت رکھنے والے (اور منفی سوچ رکھنے والے بھی) کسی بھی ایسے ورد و وظائف میں اجازت لے کر بھی اکثر ناکام ہی رہتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

قوانین قدرت

قرآن پاک میں لکھا ہے "اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے۔" (سورۃ الانعام 59)۔

خدا نے دنیا بنائی اور اس دنیا میں قوانین بنائے انہیں قوانین پر دنیا چل رہی ہے ۔ان قوانین میں جو قانون اہم ترین ہے وہ عمل اور ردعمل کا ہے اسی طرح قوانین فطرت ہیں کہ ہم کھانے پینے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے پھر کشش ثقل کا قانون ہے ٹائم اور سپیس کا قانون ہے پھر علم کا قانون پھر محنت کا اور انرجی کا قانون بھی ہے۔ان سب کی اپنی اپنی اہمیت ہے پیغمبروں اور رسولوں کے زیادہ تر معجزات بھی انہی قوانین کے زیر اثر ہوئے۔

مثلاً حضرت موسیٰ کے سامنے دریائے نیل (یا بحر احمر) کا شق ہو جانے کی توجیح۔

سائنس دان یہ دیتے ہیں کہ ایک تیز ہوا (Tornado) جو سائیڈ پر چکر میں چلتی ہے اس دن سے اوپر سے نیچے کو چلنے لگ پڑی اور پانی کو پیچھے دھکیل دیا اسی طرح ایک دوسرے موقع پر چند میل پیچھے پہاڑ میں چٹان گر جانے کی وجہ سے دریا کا پانی رک گیا تھا۔

حضرت سلیمان کا تخت جو فاصلے سے آ گیا تھا یہ واقع قرآن پاک میں صاف بیان کیا گیا ہے اسمیں جن کے بجائے روحانیت استعمال کی گئی تھی وہی روحانیت جس کی ادنیٰ صورت تو موکل یا جن ہوتے ہیں اور اعلیٰ صورت روحانیت (یا روحانی انرجی) ہوتی ہے چاہے اسکی مدد سے تحت کے ایٹم تحلیل (Desolve) کر کے پھر سے واپس لائے گئے ہوں یا کوئی دوسرا طریقہ استعمال کر کے پھر سے واپس لائے گئے ہوں یا کوئی دوسرا طریقہ استعمال کیا گیا ہو جیسے کچھ لوگ ایک لمحے میں دور جا کر واپس آ جاتے ہیں حضرت موسیٰ کے عصا مارنے سے بارہ چشموں کا پھوٹنا ایک اور واقعہ ہے لیکن زمین کے اندر ہر جگہ بے حساب پانی موجود ہوتا ہے انکا بہاؤ خدا جس طرف چاہے کر سکتا ہے جیسے آب زم زم پر تحقیق نے بتایا ہے کہ وہ اس علاقے کا پانی ہی نہیں ہے۔

بہر حال خدا کے قوانین ہر جگہ لاگو ہیں جیسے کشش ثقل کا قانون ہے مثلاً اگر کوئی گیند اوپر سے گرائیں تو وہ زمین پر گرنی چاہیے لیکن کوئی شخص اپنی ذہنی یا روحانی طاقت سے وہ گیند کچھ وقت روک سکتا ہے لیکن وہ کشش ثقل کا قانون اس جگہ پر ہی وقتی طور پر معطل ہوا ہے دائیں بائیں چل رہا ہے اور اس جگہ بھی اسکے چل پڑیگا۔

☆☆☆☆☆

اچھائی یا برائی

دنیا میں کوئی چیز بھی فضول پیدا نہیں کی گئی دنیا ایک امتحان گاہ ہے اسکو امتحان گاہ بنانے کے لئے اچھائی اور برائی کا ہونا لازمی ہے تا کہ انسان اپنی مرضی سے اسے چن سکے اس میں کوئی چیز نہیں کہ وہ صحیح راہ چنے یا غلط کوئی غلط راہ (برائی) چن کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے اللہ نے اس پر مجبور کیا یا مجھے اسی طرح کا پیدا کیا اگر اللہ ہی اچھا یا برا پیدا کرتا ہے تو پھر سزا و جزا کس بات کی۔

بہر حال غلط راہ چننے والا بھی دنیا کو امتحان گاہ بنانا ضروری ہے گو مذہبی زبان میں اسے شیطان کا چیلا ہی کہا جاتا ہے لیکن برائی کی ریسپیکٹ اس لئے نہیں کی جاسکتی کہ یہ دنیا میں ضروری ہے۔

برائی اور اچھائی کا مقابلہ ہمیشہ سے رہا ہے یہ مقابلہ ہر قسم کی ترقی کے لئے ضروری ہوتا ہے کیونکہ مقابلہ نہ ہو تو ترقی بند ہو جاتی ہے ہر قسم کی ترقی کیلئے مسابقت اور مقابلہ لازم ہوا کرتا ہے اچھائی اور برائی کا یہ مقابلہ یہ جنگ ازل سے چلی ہے ابد تک جائیگی۔ یہ جنگ، ہر ملک، ہر جگہ ہر شعبے میں ہر وقت لڑی جا رہی ہے۔

اس میں اچھائی کا ساتھ دینا مذہب اور انسانیت کی رُو سے ہمارا فرض ہے۔

☆☆☆☆☆

روحانیت اور شعورِ زندگی

بدفطرتی

ہم میں سے اکثریت ایک نیک ترین شخصیت کی بیس خوبیوں کو چھوڑ کر اسکی ایک خرابی کو اپنی بدطینیتی اور حسد کی تسلی کے لئے جواز بنا لیتے ہیں اور اسکا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں کیا کمزوریوں سے پاک بھی کوئی شخصیت ہے یا ہم مرد پرست ہی ہیں۔

ہمیں اپنے عالموں مثلاً مولانا مودودی یا علامہ اقبال سے نظریاتی اختلاف بھی ہوسکتا ہے۔ یا ان کے کسی ایک نظریے کو تنقید کا نشانہ بنا سکتے ہیں۔ بلکہ اسے غلط تک ثابت کرنے کا دعویٰ بھی کر سکتے ہیں۔ مگر ان کی علمی عظمت سے انکار کرنا انصاف کی بات نہ ہوگی۔

☆☆☆☆☆

دعا اور بدعا

ضمیر کے خود کو سزا دینے کے کچھ لوگ مانتے ہیں کچھ نہیں گو ہر مذہب اور اخلاقیات والے اسے مانتے ہیں اسکے علاوہ اگر دعا اور بدعا کا تصور غلط ہے تو پھر ہمیں 90 فیصد سے زیادہ پولیس والوں کو (جو غریبوں سے ڈائریکٹلی رشوت لیتے ہیں اور بدعائیں بھی) کیوں ریٹائرمنٹ کے بعد پریشانی ہی ملتی ہے۔

☆☆☆☆☆

سیاست اور جھوٹ

سیاست اسلیے بھی جھوٹ ہے کہ کسی بھی ملک کے پچانوے فیصد لوگ بڑی اکثریت اسکی پیچیدگیوں کو اور آجکل ورلڈ پالیٹکس کو (جواب ہر ملک کی سیاست کا لازمی جز بن چکی ہے) نہیں سمجھ پاتے اور سیاستدانوں کے جھوٹے وعدوں میں ورغلائے جاتے ہیں۔اور اگر ہم اپنے مخالف کی کوئی خوبی غلطی سے عوام کے سامنے بیان کردیں تو عوام کا ووٹ ہمارے مخالف کو ہی جائیگا۔

ہمارے ملک کے بڑے بڑے نام نہاد سیاستدانوں کو انٹرنیشنل پالیٹکس تو دور کی بات اپنے ملک کے مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے تک کا شعور نہیں ہے وہ تو بس تھانے کچہری کی سیاست (جو ووٹ ڈلواتی ہے اور انگریز کا پاور ہاؤس تھانے کچہری اور چوہدری ہی تھے) اور جوڑتوڑ کے ماہر ہیں۔

سیاست دانوں کے بارے میں ڈیگال نے سچ ہی کہا تھا کہ انکی باتوں میں لوگ نہ آیا کریں انکو خود اپنی باتوں پر یقین نہیں ہوتا مگر وہ خود حیران رہ جاتے ہیں جب لوگ انکے دعوؤں اور وعدوں کو سچ مان لیتے ہیں۔

2004ء میں امریکہ کے الیکشن میں بش کا جیتنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ مغرب میں بھی عوام ابھی سیاسی شعور سے بہت دور ہیں۔ سچی اور کامیاب سیاست کی مثال آپ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی حکومت میں ملے جائے گی۔

☆☆☆☆☆

دولت اور اسلام

اسلام آپکو دولت مندی سے نہیں روکتا مگر دولت کر اللہ سے زیادہ پیار رکھنے سے روکتا ہے اس دنیا کی مختصر زندگی کو بعد کی ابدی زندگی پر فوقیت دینے سے منع کرتا ہے انفرادی مفاد کو اجتماعی مفاد پر قربان کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔اسلام ایک ایسا معاشرہ تشکیل کرتا ہے جس میں ہر شخص کو قطع نظر اس کے ذات پات ،رنگ نسل ،مالی حیثیت کے اس کا حق ملے اور اس کی جان و مال ،عزت و آبرو محفوظ رہے اور کوئی شخص بھی بنیادی ضرورتوں (روٹی کپڑا مکان علاج وغیرہ) سے محروم نہ رہے۔

اسلام نہ صرف رزق حلال کمانے کا بتاتا ہے بلکہ اس کا طریقہ بھی بتاتا ہے کہ زکوۃ دو۔تاکہ معاشرے میں پیسے کی رولنگ بھی رہے اور امن بھی۔

دنیا کی تاریخ میں بے شمار تہذیبیں مالی کمزوریوں یا مالی مسائل کو صحیح طریقے سے حل نہ کرنے کی وجہ سے مٹ چکی ہیں۔

اسلام اس طرح زندگی کے اس اہم پہلو کا بھی احاطہ کرتا ہے بلکہ دوسرے سبھی پہلوؤں کو بھی پورا کر کے مکمل ضابطہ حیات کہلاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

مغرب

مغرب والوں نے آپس میں رشتے ناتے (بہن بھائی کزن ماں باپ) بالکل کمزور کر دیے بلکہ ختم کر دیے اس توقع پر کہ انکی ضرورت نہیں رہی اور ریاست انکی صحت بڑھاپے ہر شے کی ذمہ دار ہے اور عورتوں نے یہ فیصلہ کیا کہ مرد ہزاروں سالوں سے انہیں استعمال کرتا رہا ہے اب وہ یہ غلامی برداشت نہیں کریں گی۔سب رشتے بالکل کمزور یا ختم ہو گئے۔

اب مغربی ملکوں کی حکومتیں میڈیکل کی سہولتیں اور بڑھاپے کی پنشنوں سے کنی کترا رہی ہیں اور بیماروں (ذہنی وجسمانی مریضوں اور بوڑھوں) کو سنبھالنے والے رشتے بھی ختم ہو چکے ہیں۔

مغربی ملکوں میں بچوں کی بہت بڑی تعداد پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوتے ہیں ماں باپ سے تعلقات منقطع کرنے لگ پڑتی ہے کہ اب ان بوڑھوں اور دقیانوسی حالات کے (Old Fashion) لوگوں سے کیا لینا۔بلکہ خاصی تعداد بلوغت سے پہلے ہی لڑ جھگڑ کر گھر چھوڑ جاتی ہے۔انہی وجوہات کی بناء پر مغرب والوں نے اب بچے پیدا کرنے چھوڑ دیئے ہیں۔

مائیں یہ کہتی ہیں کہ ہم اپنی جوانی کا سنہری زمانہ انہیں پالنے پوسنے میں کیوں صرف کریں۔

اسی طرح وہاں خاصی تعداد میں موجود طلاق یافتہ عورتیں (اکیلی مائیں) سخت مشکلات میں ہیں کہ گورنمنٹ انہیں بے روزگاری الاؤنس دینے سے بھی انکار کر رہی ہے۔ماضی میں یہ الاؤنس انہیں با آسانی ملتا رہا تھا۔اب اکیلی مائیں کیا کریں۔گھر بچوں کو سنبھالیں یا اپنے کام پر جائیں۔دوسری طرف مغرب کے زیادہ ملکوں میں کام ملنا دن بدن مشکل ہوتا جا رہا ہے کہ زیادہ تر کارخانے وغیرہ اشیاء اور تیسری دنیا کے سستے ممالک (چین،انڈیا،ویت نام،برازیل) میں شفٹ ہو رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

انسانی لچک

انسان اللہ کی زمین پر بنائی گئی مخلوق میں سے اعلیٰ ترین مخلوق ہے اس میں سے عجیب و غریب صفات ہوتی ہیں مثلاً یہ بہت کم چیزوں کے ساتھ گزارا کر لیتا ہے بغیر خوراک کے خاصا وقت گزار سکتا ہے وسط ایشیاء کے مسلمان ترک اکثر چالیس چالیس دن صرف پانی پر گزارا کرتے ہیں انکے کہنے کے مطابق وہ اس سے جیسے دوبارہ جوان اور فٹ ہو جاتے ہیں۔

آسٹریلیا کی ایک عورت کوئی تیرہ سال سے صرف پانی پر گزارا کر رہی تھی جبکہ چند سال پہلے انڈین ٹی وی پر ایک ایسا شخص دکھایا گیا تھا جو چوبیس سال سے صرف پانی پر گزارا کر رہا تھا۔

خود میں نے ایک دفعہ کم خوراک کی شروع کی تو چوتھے دن بھوک بالکل مر گئی سارا دن گزارنے کے بعد میں نے پھر سے نارمل کھانا شروع کر دیا۔

اسی طرح 2003 کے آخری ماہ میں مجھے محسوس ہوا کے مجھے سردی لگنی بہت کم ہو گئی ہے دوسرے دن سردی لگنی بالکل بند ہو گئی اسکے بعد ایمسٹرڈیم میں سارا موسم سرما میں نے ٹی شرٹ وغیرہ میں ہی گزارا سویٹر یا جیکٹ ایک دن بھی نہ پہنی۔ اس دوران منفی چھ تک ٹمپریچر گیا میں مزے سے باہر بیٹھا اور پھرتا رہتا تھا گرتی برف میں بیٹھنے سے کچھ نہ ہوتا تھا لیکن اگر کوئی دوسرا ایسا شخص پاس آ کر باتیں وغیرہ کرتا تھا تو اگر اس شخص کو سردی لگ رہی ہوتی تھی تو مجھے اسکے اثر سے کپکپی طاری ہو جاتی تھی اور مزے کی بات یہ ہے کہ اب مجھے کپکپی طاری ہوتی تھی تو اس شخص کو سردی لگنا بند ہو جاتی تھی کچھ دیر بعد مجھے کپکپی ختم ہو جاتی تھی تو اسے پھر سے سردی محسوس ہونے لگ پڑتی تھی اسکے علاوہ اور بھی بہت سی روحانی تجربات ہوتے رہتے تھے ان کا ذکر بعد میں کبھی کروں گا یہ کیفیات غالباً زیادہ ورد و وظائف اور روحانی مشقیں کرنیکی وجہ سے ہوتی ہیں جو میرا روزمرہ کا معمول ہے۔

☆☆☆☆☆

جعلی دانشور

مسائل کو اچھال کر انکا حل نہ بتانے والے دانشوروں سے بچیں یہ لوگ صرف مایوسی پھیلانا جانتے ہیں دانشوروں کو مسائل کا حل بھی بتانا چاہیے چاہے وہ حتمی حل نہ بھی ہو۔

تنقید برائے تنقید نہیں بلکہ تنقید برائے تعمیر کریں۔

شکوۂ ظلمت شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

☆☆☆☆☆

جسم کے مختلف دماغ

انسانی جسم میں دماغ کو سب سے زیادہ اہمیت ہوتی ہے مگر سائنس دانوں نے دریافت کیا ہے کہ ہمارے جسم میں پانچ مختلف دماغ پائے جاتے ہیں جن میں دل اور پھیپھڑے جیسے اہم عضویات کا دماغ علیحدہ ہوتا ہے اور نسوں وغیرہ کا علیحدہ یہ سب دماغ اگرچہ مشترکہ دماغ کے زیرِ کنٹرول کام کرتے ہیں مگر علیحدہ علیحدہ بھی کمیونیکیشن کرتے ہیں۔ ہمارے دماغ میں ٹوٹل جتنے نیوران ہوتے ہیں۔ اس سے تقریباً چار گنا نیوران ہماری چھاتی اور کمر وغیرہ سے اسے آکر ملتے ہیں یعنی اسکی انرجی کا بڑا ذریعہ دماغ نہیں بلکہ ہمارا جسم ہے۔

سائنسدان ابھی تک مائنڈ (Mind) کو نہیں دریافت کر پائے کہ یہ کہاں پر رہتا ہے لیکن دراصل مائنڈ کو ہی قرآن کی زبان میں دل کہا جاتا ہے یہ ہمارے سارے جسم میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

مسلمانوں پر برکت

مسلمانوں کی علمی اور صنعتی پسماندگی ایک طرف مگر پھر بھی اللہ نے انکو معدنی وسائل سے پوری طرح نوازا ہوا ہے تیل کے ذخائر کا بہت بڑا، بہتر اور نکالنے میں کم خرچ حصہ انہی کے پاس ہے مغرب نے بے شمار علمی اور صنعتی ترقی کی جو قابلِ ستائش ہے۔ مگر اب انکے کارخانے جو کچھ بھی بنا رہے ہیں مثلاً کاریں کمپیوٹر وغیرہ دوسرے ملک بھی انہیں وافر مقدار میں بنا رہے ہیں اور انہیں ان چیزوں کے بیچنے میں زبردست مقابلے کا سامنا ہے۔

جب کے عربوں اور دوسرے تیل والے مسلمان ملکوں کو تیل بیچنے میں کسی مشکل کا سامنا نہیں ہوتا ان تیل والے مسلمان ملکوں کی آمدنی مغرب کے ملکوں سے درحقیقت کسی طرح بھی کم نہیں ہے جب کے مغرب اس صنعتی ترقی پر کوئی تین سو سال کے سفر کے بعد پہنچا ہے اور مسلمان ملکوں کا تیل زیادہ تر مغرب ہی اپنے کارخانوں اور کاروں میں استعمال کر رہا ہے اور اگر ان کے کارخانے نہ ہوتے تو مسلمانوں کا تیل شاید بے کار پڑا رہ جاتا غالباً یہ قرآن پاک کی ہی برکت ہے ورنہ آج کل ہم مسلمانوں میں سے بڑی اکثریت کا کردار تو مغرب والوں سے خاصہ کم درجے کا ہے۔ بہرحال سب مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ کم از کم بنیادی ضرورتوں کا سامان (خصوصاً خوراک صحت اور حفاظت سے متعلقہ) اپنے ملک میں ضرور بنائیں۔ جس کے لیے انہیں اپنے ملک میں اعلیٰ تعلیم پر بہت زیادہ توجہ دینی چاہیے۔

☆☆☆☆☆

ذہانت کی قسمیں

ذہانت کی مختلف قسمیں ہیں کچھ لوگ کسی مخصوص شعبہ زندگی میں بڑے ذہین ثابت ہوتے ہیں۔ایسے لوگ ہوسکتا ہے عام زندگی میں وسط درجہ کے مالی ذہن ہوں۔ذہانت حافظے کا نام نہیں ہے بلکہ تخلیقی قوت (Creativity) اور نئے ماحول اور حالات میں راستہ ڈھونڈنے کا نام ہے.خود کو نئے حالات ،ماحول یاملازمت میں ایڈجسٹ کر لینے کا بھی نام ہے۔گو حافظے کی مدد سے آپ اہم اصول یاد رکھ کر اپنا کام آسان کرسکتے ہیں۔

ایسے ہی ہوشیار آدمی اور ہوتا ہے دانش مند (Wise) اور ہوشیار آدمی وقتی موقع دیکھ کر اس سے وقتی نوعیت کا فائدہ اٹھالیتا ہے دانش منداس کام کی آخیر دیکھ کر اور اپنے اخلاقیات اور اصولوں پر اسے پرکھ کر پھر موقع کا فیصلہ کرتا ہے۔

دراصل خدانے ہر معاشرے میں اسکی ضرورت کے مطابق کچھ مخصوص شعبوں میں خصوصی صلاحیت اور مہارت رکھنے والے انسان پیدا کیے ہوتے ہیں اور ہر مرض اور مشکل کا حل بھی پیدا کیا ہوتا ہے۔

2003ء وسط کا واقعہ ہے ایمسٹرڈیم میں ایک دن میرے پاس ہالینڈ کے دونو جوان بھائی اپنی بہن کو لے کر آئے دونوں نوجوان میرے پرانے دوست تھے خاصے بڑے کاروبار کے مالک تھے ہم لوگ اکھٹے کئی بار نیشنل اور انٹرنیشنل سیاست پر بات چیت کر چکے تھے یہ دونوں خاصے سمجھ دار تھے ان کی بہن بھی پڑھی لکھی باشعور تھی۔

انکے میرے پاس آنے کی وجہ یہ تھی کہ انکی بہن کو ایڈز کی بیماری تھی وہ کئی سال سے اس کیلئے روزانہ گولیوں اور انجیکشنوں وغیرہ کا کورس کر رہی تھی اسکے کہنے کے مطابق اسکے خون میں ایڈز کا وائرس تقریباً کنٹرول میں ہی تھا مگر بیماری اور سخت دوائیوں کی وجہ سے اس کا لیور اور گردے فیل ہو چکے تھے اور ڈاکٹر انہیں جواب دے چکے تھے۔

میں نے انہیں دم کر کے دو لیٹر پانی دیا جسے اس نے پینا تھا۔تین ہفتے تک یہ پانی پینے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ ان کی بہن مکمل طور پر صحت مند ہو چکی تھی۔

اس دن ان پر مختلف موضوعات پر بات چیت ہونے لگی میں نے ایک موضوع پر انہیں بتایا کہ ہالینڈ میں طالب علموں کیلئے بہتر تعلیم کے مواقع ہیں بہتر سہولتیں ماہر استاد (زیادہ تنخواہ والے بھی) کمپیوٹر اور پھر الیکٹرانک میڈیا ٹی وی وغیرہ بھی ان کو ہر قسم کی جدید ترین معلومات دیتا رہتا ہے.پھر بھی ہم مشرقی لوگ ان سے زیادہ ذہن ہوتے ہیں۔

وہ تینوں میری بات پر سوچنے لگ پڑے پھر ان کی بہن بولی تم صحیح کہ رہے ہو میں نے کچھ عرصہ پہلے ٹی وی پر ہالینڈ میں بچوں پر بنی ایک ڈاکومنٹری فلم دیکھی تھی جس میں ان کی ذہانت ٹیسٹ کی گئی تھی جس میں نتائج کے مطابق افریقین نسل کے اور شمالی افریقہ کے بچے کم ذہین تھے اور ڈچ بچے اوسطاً ذہین تھے اور ایشین بچے زیادہ ذہین تھے مگر انہیں اسکی کوئی وجہ سمجھ نہیں آئی تھی۔

میں نے انہیں بتایا ذہانت تین قسم کی ہوتی ہے۔

1۔ **پیدائشی ذہانت:۔** کچھ بچے پیدائشی زیادہ ذہین ہوتے ہیں اکثر ذہین والدین کے بچے ذہین ہوتے ہیں۔

2۔ **ٹریننگ، محنت اور تعلیم سے سیکھی ہوئی ذہانت:۔** اس میں اچھی سکولنگ اور اچھے سمجھدار لوگوں میں رہ کر بھی انسان زیادہ ذہین ہوجاتا ہے .اس میں والدین کی ٹرینگ بہت اہم ہوتی ہے۔ماہرین نے تحقیق میں دیکھا ہے کہ بہت سے ذہین والدین کے بچے اگر بے وقوف یا Dull والدین کو دے دیئے گئے تو وہ بھی اپنی ذہانت کھو بیٹھے۔اسی طرح بہت کم ذہین والدین کے بچے اگر ذہین والدین میں اپنی تحویل میں لے لیے تو وہ بہت ذہین ہو گئے یعنی والدین کی ٹرینگ پیدائشی ذہانت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

3۔ **روح کی ذہانت:۔** یہ سب سے اونچی قسم کی ذہانت ہوتی ہے اور درحقیقت ذہانت روح میں ہی ہوتی ہے۔روح کی انرجی جب ورد واذکار یا عبادت سے زیادہ ہوجاتی ہے تو انسان زیادہ ذہین بھی بن جاتا ہے۔اکثر عبادت گزار والدین کے بچے بھی والدین کی عبادت سے فیض یاب ہوتے ہیں روح کی انرجی جب زیادہ ہو جاتی ہے تو پھر انسان جس بھی کام میں لگے ،جس بھی کام میں پڑے وہ دوسروں سے آگے نکل جاتا ہے۔اسی زیادہ روحانی توانائی کیساتھ اگر انسان میں سیکھنے کا شوق بھی ہوتو وہ ذہین ترین انسان بن جاتا ہے .اور ہم

پاکستانیوں کے کلچر میں سیکھنے کا یہ شوق موجود ہے یہی ہماری ذہانت کی وجہ ہے ہمارے لوگ دنیا کے چوٹی کے بینکر، ڈاکٹر، اور سائنس دان ہیں اور انشاءاللہ مستقبل میں کاروبار اور زندگی کے سبھی شعبوں میں ہم اپنا آپ منوائیں گے۔

جینئس دراصل دس فیصد ذہانت اور نوے فیصد محنت، صحیح پروگرامنگ اور مستقل مزاجی کا نام ہے۔

روح کی ذہانت پر میری دنیا کے کچھ ذہین ترین لوگوں سے بھی بات ہو چکی ہے انہوں نے میری بات کے ساتھ اتفاق کیا تھا۔ بیلجئم میں اپنے دوست پرمرزا صابر صاحب (لاہور) سے جب اس موضوع پر بات ہوئی تو انہوں نے اپنے ANTVERPEN شہر کے امیر ہندو جوہری کا بیان سنایا اس جوہری کے کہنے کے مطابق انڈیا میں سب سے اچھے ہیرے تراشنے والے مسلمان ہی ہیں۔

ہندوستان کے لوگ دنیا کے ذہین ترین لوگوں میں شمار ہوتے ہیں ان میں بھی سب سے باصلاحیت اور اپنے فن میں ماہر ترین ہیرے تراشنے والے مسلمان ہی ہیں۔ اس کی وجہ ان کا یا ان کے ماں باپ کا زیادہ عبادت کرنا ہی ہوتا ہے۔ پھر وہی ہندوستانی جوہری یہی کہہ رہا تھا کہ مسلمان دنیا کی سب سے زیادہ برکت رکھنے والی (Blessed) قوم بھی ہے کہ دنیا میں محفوظ ذخائر کا بہت بڑا حصہ انہی کے پاس ہی ہے۔

پھر غربت یا مجبوری بھی محنت کرنا سکھاتی ہے۔ مغرب والوں کو یہ محنت کرنا یا دوسرے لفظوں میں خود پر جبر کرکے اپنے آپ کو بہتر اور امپرووکرنے کی مجبوری نہیں ہوتی۔ مگر ہمارے مالی حالات اور ہیں اور یہ ہماری مجبوری بھی ہوتی ہے۔

پاکستانیوں کی ذہانت سے متعلقہ ایک واقعہ قارئین کے لئے خصوصی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ یہ واقعہ ہماری برادری کے ہی ایک فرد راجہ صبری خان (موضع جوند چکوال) کا ہے۔ ان کے والد راجہ اللہ داد صاحب لاہور کے پہلے مسلم کمشنر رہے پھر سیکرٹری سندھ ریٹائرڈ ہوئے۔

راجہ صبری خان نے میسی چیوسٹس انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی امریکہ جو دنیا میں سائنس و ٹیکنالوجی میں نمبرون ہیں۔ وہاں 1984ء میں ایروسپیس انجینئرنگ میں ڈگری سب سے کم وقت میں مکمل کرکے آل ٹائم ریکارڈ قائم کیا، جو آج تک نہیں ٹوٹا۔

پھر پاکستان آکر تقریباً 6، 7 سال سپارکو میں کام کیا لیکن گورنمنٹ پالیسیز پسند نہ آئیں، سائنس کی ترقی میں بھی رکاوٹ نظر آئی لہذا انہوں نے اپنی کمپنی قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ بچپن سے ہی ان کو ایروماڈلنگ کا شوق تھا۔ اسی لیے انہوں نے اعلیٰ تعلیم اسی شعبہ میں حاصل کی۔

اس کے بعد انہوں نے دو کارکنوں کی مدد سے کمپنی شروع کی، اور کوئی 7 سال کی جدوجہد کے بعد ان مینڈ ائیر کرافٹ (Un-Maned Air Craft) یعنی بغیر پائلٹ کے جہاز بنانے میں کامیاب ہوئے۔

اس کام کیلئے صرف ایروسپیس ڈگری ہی نہیں بلکہ مندرجہ ذیل شعبوں میں انتہائی مہارت چاہیے ہوتی ہے۔

1۔ میٹریل انجینئرنگ
2۔ مکینیکل انجینئرنگ
3۔ ایروناٹیکل انجینئرنگ
4۔ الیکٹریکل انجینئرنگ
5۔ الیکٹرانکس انجینئرنگ
6۔ کمپیوٹر ہارڈویئر انجینئرنگ
7۔ کمپیوٹر سافٹ ویئر انجینئرنگ
8۔ ٹیلی کمیونیکیشن انجینئرنگ

اپنے محدود وسائل میں انہوں نے یہ سب کام کیسے کیا صحیح طور پر وہ خود ہی جانتے ہیں۔ تیار شدہ ائیر کرافٹ انہوں نے حکومتی اداروں کو دکھایا اور ان سے فنڈنگ لیکر جدید کمپنی قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ جس میں 40 انتہائی قابل انجینئرز کام کر رہے ہیں یہ کمپنی 1998 میں قائم ہوئی۔

اس کمپنی نے اب ایسے جدید جاسوس طیارے تیار کیے ہیں جو شائد امریکہ اور اسرائیل کے علاوہ اور کسی ملک کے پاس نہیں ہیں۔

انڈیا ہزاروں انجینئر زلگا کر بھی اس سے 30% صلاحیتوں والا طیارہ نہیں بنا سکا۔اس کمپنی کے ڈیزائن کی اصل خوبی یہ ہے کہ کمپیوٹر سمیت ہر ایک پرزہ اسی کمپنی میں تیار کیا گیا ہے۔

یہ جہاز بغیر پائلٹ کے کمپیوٹر کی مدد سے چلتا ہے۔اور پھر یہ سب معلومات کیمروں کی مدد سے بکتر بند گاڑی میں موجود کمپیوٹر مانیٹر پر آجاتی ہیں۔یہ 200 کلومیٹر تک چلا جاتا ہے اور فوج کو اس علاقے میں سب نقل وحرکت معلوم ہوجاتی ہے۔

اس جہاز کی کامیابی نے مغربی ملکوں کو بھی حیران کردیا اور امریکہ کی پرائیویٹ کمپنیوں (محکمہ موسمیات اور جیالوجی وغیرہ) نے اس جہاز کو خریدنے میں دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔اس قسم کے بڑے جہاز بہت زیادہ قیمت پر بکتے ہیں۔

پچھلے دو سال سے یہ دبئی ائیر شو میں بھی آرہا ہے۔2005 میں یہ جہاز پہلی مرتبہ پیرس ائیر شو میں دنیا کی جدید ترین ٹیکنالوجی کے ساتھ دکھایا جائیگا۔

عام لوگ بے وقوف اور ہوشیار کی تقسیم کو ہی کافی سمجھتے ہیں مگر بیوقوف ہوشیار اور دانشمند میں بھی فرق ہوتا ہے۔

بیوقوف ہر چیز کا شروع دیکھ کر اس پر عمل کرنا شروع کردیتا ہے۔لمبا سوچنا اس کی بس کی بات نہیں ہوتی۔

عام زبان میں ہوشیار (CLEVER) آدمی کوئی بھی موقع دیکھ کر اس سے فوری چھوٹا موٹا فائدہ اٹھالیتا ہے۔

جب کہ دانشمند ہر چیز کا اخیر دیکھتا ہے۔اس موقع کے سب پہلوں پر نظر ڈالتا ہے۔ پھر اگر وہ موقع یا فائدہ اس کے اصولوں سے مطابقت رکھتا ہو اور فائدہ مند بھی ہو۔تو پھر ہی اس پر عمل شروع کرتا ہے، ورنہ نہیں۔کہ ٹیڑھی اور غلط بنیادوں پر کھڑی آپکی کامیابی کی عمارت کبھی بھی مضبوط اور روشن مستقبل کی بنیاد نہیں بن سکتی۔دراصل خدا کا خوف ہی عقل کی بنیاد ہے۔

ذہانت کے بارے میں مشہور شاعر اور فلاسفر خلیل جبران کہتا ہے کہ عقل کے بغیر محبت، انصاف، نیکی اور اعلٰی صفحات بھی بے سود ہیں۔

خود کو قابل ماننا اور کامیابی

دنیا میں آپکو اتنا پیسہ ملتا ہے جتنا آپ خود حاصل کرنے کے قابل سمجھتے ہیں اتنی ہی شہرت آپکو ملتی ہے جتنا آپ خود اسے پانے کے اپنے قابل سمجھتے ہیں۔

اتنا ہی پیار آپکو ملتا ہے جتنا آپکو خود کو پیار پانے کے قابل مانتے ہیں۔

اتنی ہی اہمیت اتنا ہی عیش وآرام اتنی ہی خوشی، اتنی ہی ریسپیکٹ اتنا ہی علم اور اتنی ہی ''روحانیت'' ملتی ہے جتنا آپ خود کو اس کے پانے کے قابل مانتے ہیں آپ کو چاہیے کہ خود کو اپنے منتخب شدہ شعبے میں اہم اور قابل ترین آدمی کی طرح تصور کریں اور مانیں۔

دنیا میں ہر چیز کو پانے کا یہی اصول ہوتا ہے یہی دنیا میں کامیابی کی چابی ہے خود کو قابل ماننا خود کو اس چیز کے قابل مان کر ہی آپ اپنے لاشعور کو اسے حاصل کرنے کی اجازت دیتے ہیں پھر وہ اسے کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ نکالتا ہے۔لاشعور کی بے پناہ طاقت کے آگے اسے ڈھونڈ نکالنا معمولی چیز ہوتی ہے (ایسی ہی شدید ترین خواہش کو عشق کہا جاتا ہے) اسطرح اپنی ہر ناکامی کی وجہ آپ خود ہی ہیں۔اسکے لئے آپ اور کسی کو الزام نہیں دے سکتے۔خود کو اس چیز کے حاصل کرنے کے قابل مان کر ہی آپ اپنے ذہن کے بند خانوں کو کھول سکتے ہیں۔

اگر آپ نے اپنی زندگی کا مقصد (Goal) ڈھونڈ لیا ہے اور اسے شدت سے حاصل کرنا چاہتے ہیں یعنی آپکا اسی مقصد کو حاصل کرنیکا جذبہ شدید ہے تو پھر آپکا لاشعور اس مقصد میں لاشعور میں بٹھالیتا ہے کچھ عرصے میں ہی آپ کو اپنے مقصد تک لے جاتا ہے آپ اوپر بیان کردہ چیزوں میں سے کسی کو بھی اپنا زندگی کا مقصد بنا سکتے ہیں۔

اسکے لئے لازمی ہے کہ مقصد ایک ہونا چاہیے اور آپ اسے حاصل کرنے میں دوسرے سب مشاغل کی قربانی دے کر اسی مقصد کو سب سے پہلے اپنے سامنے رکھیں اور اس پر مستقل مزاجی سے کام کرتے چلے جائیں۔

اپنے مقصد کے لیے آپکو چاہیے کہ اسمیں جوش وخروش اور Optimistic طریقے سے کام جاری رکھیں اس کام کی پوری سٹڈی کیجیے اور خوب غور وفکر کر کے اسکا پورا منصوبہ بنا لیجیے کہ

آپ نے اسے کتنے وقت میں اور کس طریقے سے حاصل کرنا ہے پھر آپ کا لاشعور با آسانی اسکا راستہ بنا دیگا۔

اس مقصد کو باتفصیل لکھ کر رکھ لیجئے اور وقتاً فوقتاً اسے پڑھتے رہیں ورنہ لاشعور اسے بھلا دیتا ہے۔ہمارے اندر اپنے مقصد کے حصول کی توانا خواہش ہونی چاہیے اور ہمیں اس کی اس وقت تک پرورش کرنی چاہیے جب تک یہ ہمارے لاشعور میں نا بیٹھ جائے۔

اگر ممکن ہو سکے تو اپنے مقصد کو اپنی ہابی بنا لیجئے اور ہر وقت اسے سوچتے اور غور وفکر کرتے رہیں شدید خواہش جو آپکے دل میں ہو اور آپ منصوبہ بنا کر اس پر ذہن جسمانی محنت کریں وہ لازمی پوری ہوتی ہے یہی دنیا میں ہر چیز کو حاصل کرنے کا اور سیدھا، آسان اور یقینی طریقہ ہے ناپسندیدہ کام کیساتھ آپ ایسا زیادہ عرصہ نہیں کر سکتے اسلیے آپ کام اور مشن آپکی پسند کا ہونا چاہیے۔

اپنے مشن کو کامیابی سے کرنے کا ایک بہت کارآمد طریقہ یہ ہوتا ہے کہ آپ تصور میں خود کو اس کام کو مکمل کرتا دیکھیں اور پھر یہ دیکھیں کہ آپ اس کے بعد مستقبل میں اسی کامیابی کے مزید فائدے اٹھا رہے ہیں۔اسطرح آپ کے لاشعور کی جھجک بھی دور ہو جاتی ہے۔اور یہ اسے تخلیق (CREATE) کرنا بھی شروع کر دیتا ہے یہ کچھ بہت ہی کامیاب لوگوں کا طریقہ رہا ہے۔

یہ تصور آپ نے ہفتے میں کم از کم کوئی دس منٹ تک کرنا ہے۔

جو بھی سوچ آپ کچھ عرصہ تک اپنے ذہن میں رکھتے ہیں آپ کا لاشعور آپ کو اس تک پہنچا دیتا ہے۔اس چیز کو مغرب کے سبھی نفسیات دانوں اور فلاسفروں نے مانا ہے اور یہ خود میری بارہا آزمائی ہوئی بات ہے۔

☆☆☆☆☆

غلط مذہبی تصورات

چکوال میں کچھ دوستوں کے ساتھ پاکستان میں آبادی میں اضافے کے موضوع پر بات ہو رہی تھی اسمیں میں نے اپنے ڈرائیور منیر کا حوالہ دیا کہ اسکے نو بچے زندہ ہیں جب کہ تین فوت ہو چکے ہیں۔

اس پر ساتھ موجود دوسرے لوگوں نے دو عورتوں کے حوالے دیے جس میں سے ایک عورت جھگیوں والی تھی جسکے نو بچے فوت اور نو بچے زندہ تھے پھر ایک دوسرے شخص کا حوالہ دیا جسکے سترہ بچے ہیں.پھر ایک ایسے پٹھان کا ذکر آیا جسکی چار بیویاں ہیں وہ ڈاکٹر کے پاس ایک کی دوائی لینے آیا تو ڈاکٹر نے بچے کا نام پوچھا اور وہ کہنے لگا سکول لکھ دو کہ جب میرے بچے گھر سے نکلتے ہیں تو محلے والے کہتے ہیں سکول سے چھٹی ہو گئی ہے اس کے کل 48 بچے ہیں اور ایک چھوٹی سی کریانے کی دکان ہے۔دراصل غریب لوگوں کو (بلکہ عام لوگوں کو بھی) اب مُلّا نے ایک ایسا مذہب پیش کیا ہوا ہے جس میں انہوں نے بتایا ہوا ہے کہ جو بھی بچہ زمین پر پیدا ہوتا ہے اسکا رزق خدا کی ذمہ داری ہے۔

اب مُلّا کا مطالعہ اتنا وسیع بھی نہیں کہ وہ دیکھے کہ ایتھوپیا اور اریٹریا میں جو لاکھوں لوگ (بسمیت مسلمان) قحط سے ہلاک ہوتے رہے ہیں کیا ان کا رزق خدا کی ذمہ داری نہیں تھا؟ قرآن پاک میں تو تفصیل سے لکھا ہے کہ اپنی اولاد کو غربت کے خوف سے قتل مت کرو۔ میرے اسلامی شریعت کے محدود علم میں تو قتل پیدائش کے بعد ہی ہوا کرتا ہے پیدائش سے پہلے مانع حمل چیزوں کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔

زمین پر وسائل کے حساب سے آبادی ہونی چاہیے ورنہ جرائم بڑھنے لگ پڑتے ہیں اسلام عقل کا مذہب ہے اس میں صرف ایک ہی چیز ایسی ہے جو بغیر دیکھے ماننے والی ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔اسکے علاوہ یہ تمام عقل کا مذاہب ہے عقل ہی بتاتی ہے کہ کل کا کچھ نہ کچھ فکر کرو۔اب غریب لوگ اپنے وسائل سے زیادہ بچے پیدا کر کے ان کی صحیح خوراک تک مہیا کرنے کے قابل نہیں ہوتے، پھر بڑے ہونے پر ان کی تعلیم، ان کے کام کاج کا مسئلہ، شادی

بیاہ کا مسئلہ، غرض کہ ہر کام ان پر پہاڑ بنا ہوتا ہے، بچوں کو صحیح خوراک نہ دینا اور صحیح تربیت اور سکولنگ نہ کرسکنا بھی غلط ہے۔ اگر آپ اسے گناہ نہ بھی کہیں پھر بھی لوگوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

میرے خیال میں مانع حمل دوائیں وغیرہ استعمال کرنا کوئی غلط بات نہیں ہے اور اسلام میں ہر کام میں آسانی کا بتایا گیا ہے مرتے وقت تو شراب بھی حلال ہو جاتی ہے اپنی مجبوریاں ،ضرورتیں اور مسائل کو دیکھ کر فیصلہ کریں۔

اسی طرح عام مسلمانوں کا تصورِ رزق کے بارے میں یہ بھی ہے کہ جو نصیب میں ہو وہی ملتا ہے اسکا مطلب تو یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاؤ۔

حالانکہ قرآن پاک میں اللہ تعالی کا فرمان ہے "ولیس الانسان الا ما سعی" النجم 53 ترجمہ: (کچھ نہیں علاوہ اسکے جو تم ہاتھوں سے کماؤ)۔

اسلام تو کوشش اور جدوجہد (جہاد کا) مذہب ہے دراصل اسلام کے شروع میں اموی و عباسی خاندان کے جھگڑوں کی وجہ سے ان سب غلط تصورات کو بادشاہوں نے اپنے اپنے مفاد کے لئے استعمال کیا اور ان ہی غلط عقائد کی ترویج اور سپورٹ کے لئے غلط حدیثیں بھی گھڑ لیں۔ اس کام میں یہودیوں اور مشرکین (جو بظاہر مسلمان ہو گئے تھے مگر درحقیقت اسلام کے دشمن تھے) نے بھرپور طریقے سے حصہ لیا۔

پاکستان میں سے سے غریب طبقے میں بچوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے ان لوگوں پر بچے بار نہیں ہوتے بلکہ وہ انہیں چھ سات سال کی عمر سے ہی مکینک وغیرہ کے ہیلپر کے طور پر بٹھا دیتے ہیں جو کہ کھانا دوکان سے کھا کر شام کو پانچ یا دس روپے بھی ساتھ لے آتے ہیں یا مدرسوں میں بٹھا دیا مگر یہ اگر پھر اس غربت کے چکر میں نسل در نسل ہی پھنسے رہتے ہیں اور انکے بال بچے بھی آگے اسطرح زندگی گزارتے جاتے ہیں مگر بوجھ تو بچے ان لوگوں پر ہوتے ہیں جنہوں نے انہیں لکھنا پڑھانا (خصوصاً مہنگے انگلش میڈیم) سکولوں میں ہوتا ہے اور میں نے یہ دیکھا ہے کہ آجکل بچے سہارا بننے کی بجائے خود انہیں جو ساری عمر سہارا چاہیے ہوتا ہے وہ ساری عمر Liability بنے رہتے ہیں۔

جب کسی کے بچے زیادہ ہیں اور تنخواہ کم ہے تو لوگ گزارا کرنے کے لئے رشوت وغیرہ لے کر گزارتے ہیں۔

بہرحال میری آپ سے درخواست ہے کہ زیادہ بچے ہونے اور انہیں رشوت پر پالنے سے ہزار درجے بہتر ہے کہ آدمی خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرے کہ زیادہ بچوں کو حرام مال اور رشوت پر پالنے سے بچ جائے۔

ویسے کیا یہ مضائقہ خیز بات نہیں ہے کہ انسان ہر عمل مذہب کے خلاف کرے رشوت لے، دوسروں کا حق مارے، ان کی دل آزاری کرے، اسی عمل میں ہر قدم پر جھوٹ کا سہارا لے (کہ ہمارے ملک میں اکثریت یہی کچھ کر رہی ہے) اور اگر مذہب کے مطابق کرے تو صرف ایک ہی بات کہ خاندانی منصوبہ بندی پر عمل نہ کرے (جو نہ معلوم ناجائز بھی ہے یا نہیں) گو عقل ہماری رہنما ضرور ہونی چاہیے کہ ہمارے ملک کے ظاہر محدود وسائل میں ہمیں کم آبادی ہی چاہیے ورنہ سب مسائل کو تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی ہی کھا رہی ہے اور شاید کھاتی رہے گی۔

مجھے زیادہ بچوں والے کبھی نہیں خوش نظر آئے کہ اگر وہ خود تو خوش ہوں تو کسی نہ کسی بچے کا کوئی مسئلہ کھڑا رہتا ہے۔ کوئی بچہ سکول میں دلچسپی نہیں لیتا ہے تو کوئی بے روزگار ہے۔ کسی بچی کی شادی نہیں ہو رہی اور کسی کی شادی ہو گئی تو خاوند سے ان بن رہتی ہے غرضیکہ ہمارا فیملی سٹرکچر اس طرح کا ہے کہ ہمیں اپنے بچوں کے دکھ سکھ میں ہر حالت میں شامل رہنا پڑتا ہے۔ بہرحال زیادہ بچوں والے والدین مجھے کبھی خوش نظر نہیں آئے پھر ہمارے ملک کے وسائل اجازت نہیں دیتے کہ ہمارے زیادہ بچے ہوں اسلئے جو لوگ خاندانی منصوبہ بندی کو گناہ سمجھتے ہیں وہ اس پر غور کریں میرے خیال میں ایسا کرنا گناہ نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

کچھ بھی نہ ممکن نہیں

جدوجہد ہر حالت میں فرض ہے چاہے آپکو امید کی کرن کہیں بھی نظر نہ آتی ہے حوصلہ نہ ہارے کسی بھی مشکل کو نا قابل حل اور کسی بھی بیماری کو نا قابل علاج سمجھنا بے وقوفی ہے کیا آپکی مشکل کا حل کسی آدمی (آفیسر، جج، امیر آدمی یا حاکم وقت) کے پاس نہیں ہے آپکی بیماری کا علاج کہیں نہ کہیں موجود نہیں ہے اور آپکا اپنی بیماری کے معالج سے اور مشکل کا حل رکھنے والے آدمی سے کانٹیکٹ بالکل ممکن ہے اسی طرح دعا بھی آپکو ان مشکلوں و مصیبتوں سے نجات والا دلا سکتی ہے بشرطیکہ آپ کو دعا کی قبولیت کا یقین ہو۔ آپکی دعا اس انسان کا ذہن متاثر کرسکتی ہے۔ جسکے پاس آپکی مشکل کا حل ہے آپ دعا کی قبولیت کو مشکل نہ سمجھیں۔ یہ یقیناً قبول ہوتی ہے۔ قبول ہوتی ہے. قبول ہوتی ہے۔

اگر آپ کسی آدمی (چاہے وہ آپ کا کوئی رشتہ دار یا تعلق والا ہو) کو سمجھتے ہیں کہ وہ اپنا ذہن یا کردار تبدیل نہیں کرے گا۔ تو یہ مت بھولیں کہ ہم سب لوگ اپنے آس پاس کے اور اپنے سے زیادہ سمجھ دار لوگوں سے متاثر ہوتے ہیں اور یہ ممکن ہے کہ ایسا کوئی بھی شخص اس مشکل ذہن یا مزاج رکھنے والے کو تبدیل کردے۔ اور ایسا نیا شخص کسی بھی وقت اس کی زندگی میں آسکتا ہے اور کوئی بھی جسمانی یا جذباتی حادثہ یا دھچکا کسی کا بھی ذہن بدل سکتا ہے۔ اپنی کامیابی کا یقین ہو تو پھر انسان کی کامیابی کے ایک سو راستے کھل جاتے ہیں۔

آپ خود کو جو کچھ بھی مانیں گے آپ درحقیقت وہی کچھ بن جائیں گے۔ آپ کو ایک اہم، ذہن، باصلاحیت اور باعزت آدمی تصور کریں اور لگاتار مستقل مزاجی کے ساتھ کریں آپ یہی کچھ بن جائیں گے۔

خدا نے انسان کو خوشیوں کے لیے پیدا کیا ہے انسان غموں میں پھنس گیا۔ خدا نے انسان کو کامیابیوں کے لیے بنایا انسان ناکامیوں میں گھر کر رہ گیا۔ خدا نے انسان کو شیر بنایا انسان خود کو بھیڑ مان کر اور اسی ماننے کی وجہ سے بھیڑ ہی بن کر رہ گیا۔ خدا نے انسان کو حالات تخلیق کرنے کی مکمل صلاحیت کے ساتھ پیدا کیا انسان حالات کا غلام بن کر رہ گیا۔

اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ نے اپنی کم عملی کی وجہ سے خود کو ایسا ہی مان لیا۔ اس یقین کو تبدیل کریں تو پھر ہر کامیابی آپ کی ہوگی۔

پاکستانی صوبے

اگر پاکستان کی معیشت کمزور ہوگئی تو وہ دوسروں پر انحصار سے نجات نہ پاسکے گا اور دوسروں پر انحصار کا مطلب آج کل پہلے اقتصادی اور پھر جسمانی غلامی ہے ہمیں جہاں بھی پاکستان کی معیشت میں بہتری نظر آئے اس طرف قدم بڑھانا چاہیے بشرطیکہ یہ صرف نہ ہو جو ہمیں مستقل غلامی کی طرف لے جائے۔ پاکستان امیر ہوگا تو سب صوبے امیر ہوں گے اور آہستہ آہستہ سب لوگ امیر ہوجائیں گے پاکستان غریب ہوگا تو سب صوبے غریب ہوں گے .اور آہستہ آہستہ امیر بھی غریب ہوجائیں گے۔

سب صوبوں کو پاکستان کی معیشت کی ترقی کو اولین ترجیح دینی چاہیے ورنہ یہاں پر تعلیم اور انصاف جیسی اہم ترین چیزیں بھی نہیں آسکتیں۔ مزدور کا مزدوری میں گزارا نہ ہو اور گورنمنٹ ورکر سارا دن کام کرکے اپنے بال بچوں کا پیٹ نہ پال سکے۔ تو پھر کرپشن لازمی ہے۔ پھر وہ محنت سے بھی جی چرانے لگ پڑتے ہیں۔

آپ انصاف ڈنڈے کے زور پر نہیں لاسکتے۔

• سبھی ترقی پزیر ممالک کی طرح پاکستان میں بھی یہی جہالت موجود ہے کہ صوبے بجائے پیسے تخلیق (Generate) کرنے کی بجائے موجودہ سوکھی روٹیوں پر ہی جھگڑتے رہتے ہیں. اور اگر اگلے 15 سالوں میں پاکستان میں موجودہ تیل کے ذخائر کو دریافت کرکے نہ استعمال کیا گیا تو پھر تیل کی اہمیت شائد آدھی ہی رہ جائیگی۔ کہ جرمنی والوں کا یہ پلان ہے کہ وہ 2010ء میں اپنی آدھی انڈسٹری کو سولر انرجی پر لے جانے کا انتظام کرچکا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ 2015ء تک یہی ٹیکنالوجی دوسرے سبھی ملکوں میں بھی پہنچ جائے گی۔ کہ ایسی ٹیکنالوجی کی برآمد کرنا آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہوتا ہے۔

اسی طرح ہمارے ملک میں چترال میں اتنا زمرد موجود ہے کہ ماہرین کے کہنے کے مطابق اس سے پاکستان کے تمام قرضے ادا ہوسکتے ہیں۔ مگر آجکل امریکہ میں لیبارٹری میں تیار کیے گئے ''اصلی'' ہیروں کی وجہ سے ہر طرح کے قیمتی پتھروں کی اہمیت کی کئی گنا کم رہ گئی

ہے یہی ہیرے ہم چندہ سال پہلے استعمال کر لیتے تو بہت زیادہ فائدہ ہوتا یہ سب ہیرے سمگل ہو کر انڈیا جاتے رہے وہاں سے تراشنے اور پالش ہونے کے بعد ساری دنیا میں بڑے مہنگے داموں بکتے رہے۔

پہلے کچھ پیسے آلینے دیں پھر سب صوبے بیٹھ کر اپنے حقوق کی بات کریں۔غریب حکومت میں کسی کو بھی حقوق نہیں ملیں گے۔ہمارے صوبے بیلوں کی طرح روٹی پر آپس میں جھگڑتے رہتے ہیں اور بندر ساری روٹی کھا جاتا ہے بندر کون ہے ہمارے دشمن یا جہالت۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا دشمن کوئی اور نہیں، جہالت ہے،شعور کا نہ ہونا ہے۔

☆☆☆☆☆

بڑھاپا

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ انسان بڑھاپے میں بحث ومباحث سے گریز کرتا ہے اور بہت سے انقلابی شاعر اور فلاسفر بھی اپنی تندی وتیزی کھو بیٹھتے ہیں ان کی اس "حلیم طبعی" کی وجہ اکثر انکا تجربہ یا پختہ عقل نہیں بلکہ ان میں جسمانی توانائی کی کمی ہوتی ہے اس طرح بیماری بھی انسان میں پہلے جسمانی توانائی کی کمی اور پھر حوصلہ کی کمی کا باعث ہوتی ہے صحت مند ہوتے ہی انسان پھر سے ہر مشکل سے پنجہ لڑانے لگ پڑتا ہے۔اکثر بڑھاپے میں توانائی کی کمی کی وجہ سے ہی انسان بحث ومباحثہ میں ہارنے لگ پڑتا ہے زیادہ ذہنی توانائی والا اس میں جیت جایا کرتا ہے۔

ہر جاندار چیز کی ایک طبعی عمر ہوتی ہے بلکہ درخت بھی عمر کے ساتھ ساتھ بوڑھے ہو جایا کرتے ہیں انسان بھی جو چالیس سال کی عمر میں ہوتا ہے وہ اسی سال کی عمر میں نہیں رہ سکتا۔

مگر میں بے شمار ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جن کی عمر 40 سال کے قریب ہے مگر دیکھنے میں ساٹھ سال سے بھی زیادہ لگتے ہیں دوسری طرف ایسے اسی برس کے قریب کے کچھ لوگوں کو جانتا ہوں جو دیکھنے میں اور جسمانی فٹنس میں ان چالیس برس کے لوگوں سے بہتر ہیں۔

دراصل ہمارے جسم کا ایک ایک جین انفرادی ذہن رکھتا ہے اور وہ جین ہماری ذہانت، اور قوت ارادگی کا غلام ہے پہلے آپ اپنے تصور میں بوڑھے ہوتے ہیں کہ آپ سوچتے ہیں میں اب ساٹھ سال کا ہو گیا ہوں اور ساٹھ سال کا آدمی جھکنے لگ پڑتا ہے وغیرہ وغیرہ گو اسطرح آپ اپنے جسم کے جین اور سیلوں کو حکم دے رہے ہوتے ہیں کہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور وہ آپکے حکم کی تکمیل کرتے ہوئے آپ کو قدرتی رفتار سے بھی تیزی سے بوڑھا کر دیتے ہیں۔

آپ اپنے اندرونی جوانی کی تصویر اور تصور رکھیں۔آپکے جین بھی آپکو جوان رکھیں گے۔بلکہ آپ کو اس میں ہر قسم کی مدد، صحیح مشورہ اور رہنمائی بھی مل جائے گی۔

انسانی ذہن اس قابل ہے کہ وہ جسم کی ہر کمزوری کو ختم کر سکے اور سائنس دانوں کا یہ کہنا ہے کہ دماغ جسم کا تو علاج کر سکتا ہے مگر خود اپنا علاج نہیں کر پاتا کہ اسکے پاس کوئی

ایسا طریقہ نہیں ہے کہ وہ خود اپنی اس کمزوری کا علاج کر سکے اسلئے دماغ پہلے بوڑھا ہو جاتا ہے پھر یہ جسم کو بوڑھا کر دیتا ہے۔

میرے خیال میں آپ مشقوں اور اپنی قوت ارادگی کی مدد سے اپنے دماغ کو جوان رکھ سکتے ہیں اس صورت میں آپکا جسم بھی بوڑھا نہیں ہوگا۔اس کام کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ آپ کی زندگی کا بھی کوئی مقصد ہو اور آپ اس مقصد کو حاصل کرنے میں خود کو مصروف رکھیں۔

☆☆☆☆☆

ملین یورو سکیم

ایمسٹرڈیم میں میرا ایک عزیز دوست ملک صاحب ہیں انکا نام میں خفیہ رکھ رہا ہوں کھاریاں (گجرات) سے انکا تعلق ہے انکے کچھ دلچسپ واقعات میں اپنی پہلی کتاب ''روحانیت دانش اور حقیقتیں'' میں لکھ چکا ہوں۔

وہ ہمیشہ جلدی پیسہ بنانے (Get Rich Quick) قسم کی سکیموں میں رہتے ہیں اور ان میں مستقل طور پر ناکام رہنے کے باوجود مایوس نہیں ہوتے۔

کوئی ایک سال پہلے کا ذکر ہے میں ایک دن اپنے دوست ضیا (عرف جم) جلال پور جٹاں گجرات کی دکان پر گیا ضیا کا میری پڑوس میں ہی ایک ہوٹل جمی ہوٹل کے نام سے اور کچھ دکانیں اور پراپرٹی بھی ہے ضیاء کی دکان کے باہر ضیاء اور ملک صاحب کچھ اہم قسم کی گفتگو میں مصروف نظر آئے ساتھ چند لوگ اور بھی بیٹھے ہوئے تھے. مجھے دیکھ کر ملک صاحب نے خوش ہو کر اونچی آواز میں مجھے کہا ''لو پیر صاحب بھی آ گئے ہم آپکے بارے میں ہم باتیں کر رہے تھے''۔

(ایمسٹرڈیم میں مجھے پیر قمر کے نام سے بلایا جاتا ہے)۔

ساتھ ہی جم بھی بڑا خوش اور پر جوش نظر آیا۔ملک صاحب اور جم مجھے بتانے لگے ہم نے ایک ایسی سکیم تیار کی ہے جس میں آپکو مہینے ڈیڑھ کے اندر کوئی دس لاکھ یورو مل جائیں گے۔ میں نے پوچھا وہ کسطرح.....؟ تو ملک صاحب بتانے لگے کہ فرانس میں پاکستانیوں کے پاس بہت پیسہ ہے اتنا پیسہ ہے کہ وہ لوگ جیسے اسے اچھال رہے ہیں اتنا پیسہ ہونے کے باوجود وہاں موجود لوگوں کی کافی تعداد ذہنی طور پر پریشان رہتی ہے کوئی بیمار ہے کسی کو جادو کا وہم ہے کوئی بچوں کی وجہ سے پریشان ہے اب پیر صاحب آپ نے اسطرح کرنا ہے کہ وہاں جا کے انکو چند ایک باتیں متاثر کرنے کیلئے بتانی ہیں اور آپ یہ بتالیا کرتے ہیں اور پھر دیکھیں وہاں پیسوں کی کیسی بارش ہوتی ہے۔

مجھے یہ سن کر بڑے زور کی ہنسی آئی اور میں نے کہا میں تو پاکستانیوں کی مفت میں روحانی

مدد علاج کرتا ہوں میں وہاں کس طرح پیسے مانگوں گا۔

ملک صاحب کہنے لگے پیسے آپ نے نہیں لینے ہوں گے آپ یہ کہیے گا میرا معاملہ پیسوں کے ساتھ نہیں ہے آپ ان لوگوں (ملک صاحب اور چوہدری جم) کے ساتھ بات کیجئے اور پھر ہم انکی کھال اتار لیں گے۔

مجھے یہ سن کر مزید ہنسی آئی ان سے جان چھڑانے کے لئے کہا آپ لوگوں کو معلوم ہے میں غلط کام نہیں کرتا ہوں۔ گو کاروباری لوگوں کی کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں (جیسے ٹیکس کی ہیرا پھیری وغیرہ) کہ ہم لوگ سو فیصد صحیح مشکل سے ہی چل سکتے ہیں۔ مگر میں نے کبھی کسی آدمی کے ساتھ فراڈ نہیں کیا میرا یہ بہت سے سالوں سے ریکارڈ ہے میں خدا خوفی کی وجہ سے یہ کام نہیں کر سکتا اور اپنا نام بھی خراب نہیں کرنا چاہتا پھر مذہب یہ روحانیت کی آڑ میں لوگوں کو لوٹنا تو اور بھی بڑا ظلم ہے میں تو اسکا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

ملک صاحب میری یہ بات سن کر ناراض ہونے لگ پڑے کہنے لگے میں پیرس میں پورا بندوبست کر آیا ہوں۔ وہاں کے دو تین چلتے پھرتے ''معزز'' لوگ میرے ساتھ اس منصوبے میں شامل ہیں اگر آپ کو دس لاکھ یورو نہ ملے تو آٹھ لاکھ ملنے سے کم ملنے کا تو سوال ہی نہیں ہے ان دوسرے ساتھیوں نے وہاں اپنا کام پورا کر لیا مگر آپ مہینہ ڈیڑھ لگا کر داڑھی کچھ بڑھا لیں اور باقی سب کام ہم کر لیں گے آپ ہمارا کام خراب نہ کریں اور جہاں تک مذہب کا تعلق ہے تقریباً ہر مولوی پاکستان کو مذہب کے نام پر لوٹ رہا ہے۔ کس بڑے مولوی (میں نام نہیں لکھنا چاہتا) نے لاہور میں دو سو کنال قابو کی ہوئی ہے اور کسی دوسرے نے جہاد کے نام پر چندہ (اندرون و بیرون ملک سے) جمع کر رہا ہے کسی ایک کا نام بھی بتایئے کہ وہ صحیح ہے فلاں مولوی یہ کر رہا ہے فلاں وہ کر رہا ہے۔

میری مولویوں کے بارے میں معلومات اتنی مفصل نہیں تھی جتنی ملک صاحب کی تھیں بہر حال میں نے پھر معذرت کی اور ملک صاحب اور جم سے کہا اگر ہر آدمی مولوی بقول آپکے پاکستان میں مذہب اور روحانیت کے نام پر لوٹ مار کر رہا ہے تو آپ مجھ جیسے ایک دو آدمی تو رہنے دیں جو کچھ سیدھے راستے پر رہیں۔ اور دوسرے اسی راستے پر چلنے والوں کے لئے اچھی مثالیں بنیں۔

میرا انکار سن کر دونوں بپھر گئے کہ وہ اس پروگرام کو پچھلے دو گھنٹوں سے فائنل کر چکے تھے مجھے کہنے لگے ''آپ کے چھوٹے بھائی کپتان خالد اقبال کو منسٹری آف فارن افیئر میں سے نکال کر گھر بٹھا دیا گیا ہے آپ نے کیا کر لیا ہے؟ پاکستان میں تو پیسے اور تعلق سے ہی کام چلتا ہے آپ تو اسمیں ناکام رہے ہیں اور رہیں گے اگر اسی طرح سیدھے راستے پر چلتے رہے''۔

میں نے اپنے ڈیفنس میں کہا ''میرے بھائی کو بعد میں نیب میں رکھ لیا گیا اور یہ کام میری کسی مداخلت کے بغیر ہوا گو میں پاکستان میں خاصے اہم لوگوں سے اسلیئے نہیں ملتا کہ وہ میرے کام آئیں مجھے تو جو بھی اچھے انسان لگتے ہیں امیر ہوں یا غریب میں ایک ہی طریقے سے ملتا ہوں۔ پھر اس کام میں تو اور بھی کئی لوگ آپکو مل سکتے ہیں آپ میرے پیچھے ہی کیوں پڑے ہیں''۔

ملک صاحب فرمانے لگے آپ میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ آپ لوگوں کے معاملات کو سمجھ لیتے ہیں لوگوں کے اندر اتر جاتے ہیں ان پر اثر ڈال لیتے ہیں دوسرا کوئی آدمی مجھے آپکی قسم کا کوئی بھی نہیں ملا بس آپ داڑھی رکھیں اور میرے ساتھ پیرس چلیں میں نے وہاں اپنے ان ہی ''معززین'' سے آپکی بات کی ہے ہم نے آپ کو پاس کر دیا ہے اسلیئے ہمارا کام خراب نہ کریں۔

وہاں موجود دوسرے لوگ بھی کچھ سیریس کچھ اب شغل شغل میں انکا ساتھ دے رہے تھے میری جان بچانی مشکل ہو رہی تھی آخر کار میں نے پاس بیٹھے ہوئے ایک حافظ صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا ''آپ ان کو میری جگہ پر لے جائیں یہ کام دے جائیں گے'' (جم تو یہ سب کچھ شغلاً کر رہا تھا جبکہ ملک صاحب اسمیں پوری طرح سنجیدہ تھے)۔

وہ حافظ صاحب بڑے سیدھے سے اور شریف قسم کے تھے جم نے ان سے مذاقاً پوچھا آپ جائیں گے ہمارے ساتھ؟

وہاں مجھ پر اتنا دباؤ ڈل چکا تھا اور دوسرے سب لوگوں کو بھی شغلاً مگر بظاہر سیریس یہی اصرار تھا حافظ صاحب بھی ملین یورو ڈیڑھ ماہ میں ملنے کا سن کر پھسل گئے اور کہنے لگے ''اگر آپ

مجبور کرتے ہیں تو میں چلا چلتا ہوں"۔

یہ جواب سن کر میرا اور جم کا قہقہہ نہ رک سکا جم مجھے کہنے لگا "اب تم ہی بتاؤ کہ کونسا مولوی لالچ سے بچا ہوا ہے"۔

ملک صاحب نے حافظ صاحب کو ریجیکٹ کر دیا کہ وہ لوگوں کو متاثر نہیں کر سکتے اور پھر ان دونوں نے مجھ پر دوبارہ اتنا دباؤ ڈالا کہ میں نے جان چھڑانے کیلئے ان سے کچھ وقت سوچنے کے لئے لے لیا۔

دوسرے دن میں اپنے دوست چوہدری بدر کے ساتھ کہیں وکیل کے پاس کام جا رہا تھا کہ ملک صاحب کا فون آ گیا میں تو کل کی بات کو شغل سمجھ کر بھول چکا تھا مگر ملک صاحب اپنے دھن کے پکے تھے انہوں نے آدھا گھنٹہ مجھ سے پھر اسی موضوع پر بحث کی مجھے قائل کرنے کی ہر دلیل دی اور دلیلیں فیل ہونے کے بعد مجھے طعنے بھی مارے۔

میں تھک ہار کر ان سے جان چھڑانے کے لئے کہا مجھے سوچنے کا کچھ وقت دیں کیونکہ میری ساری عمر کی کمائی نیک نامی ہے مجھے کچھ وقت چاہیے۔ بہر حال میں کچھ کر لوں گا۔

غرضیکہ ملک صاحب نے یہ "لارا" سن کر بڑی مشکل سے فون بند کیا جب وکیل سے واپس آ کر میں نے اپنے دوست امتیاز چیمہ اور چوہدری محمد جمیل بابر (چیچہ وطنی، ضلع ساہیوال) سے اس موضوع پر بات کی اور ان سے کہا ملک صاحب سے میری جان چھڑوائیں۔ وہ دونوں یہ بات سن کر بڑے ہنسے کہ وہ ملک صاحب کے ایسے ہی بہت سے کارناموں سے واقف تھے اور جمیل بابر کہنے لگا "میں ملک صاحب سے اسطرح کے کام میں پارٹنر شپ کرنا چاہتا ہوں ملک صاحب کے ساتھ میری بات کروائیں" اس واقع کے بعد ان دونوں نے ملک صاحب کو پارٹنر کے نام سے بلانا شروع کر دیا جس کے بعد ملک صاحب مجھ سے مزید ناراض ہو گئے۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ کشمیر کی حقیقت

جب بھی ملک سے باہر پاکستان کی سیاست پر بات ہوتی ہے تو مسئلہ کشمیر پر بات کئے بغیر اسے مکمل نہیں سمجھا جاتا۔ میں خود کشمیر کے معاملے میں بڑا جذباتی رہا ہوں لیکن جب سے جذبات کی جگہ شعور نے لے لی ہے۔ اس مسئلے کو ایک علیحدہ طریقے سے دیکھ رہا ہوں۔ دراصل ہم پاکستانیوں سے اس معاملے میں اتنا جھوٹ بولا گیا ہے کہ اصل معاملہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہی ہو چکا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ انڈیا ہم سے سات گناہ بڑی آبادی کا ملک اور کاروباری ملکوں کے لیے بڑی مارکیٹ ہے. اس کا وزن نظریہ ضرورت کے حساب سے بڑے ملک ہم سے زیادہ ہی رکھیں گے۔ ہاں اگر ہم مالی طور پر سعودی عرب یا مڈل ایسٹ کے امیر ملکوں جتنے مالدار ہو جائیں تو ہمارا وزن انڈیا سے زیادہ ہو سکتا ہے۔ پھر مقبوضہ کشمیر سے انڈین فوج کی باڈی بیگ انہیں کشمیر چھوڑنے پر مجبور نہیں کر سکے اور نہ ہی کر سکیں گے۔

انڈیا کو اگر کوئی چیز اس پر مجبور کر سکتی ہے تو وہ بہت زیادہ معاشی دباؤ ہی ہے۔ اور انڈیا کچھ عرصے کیلئے معاشی طور پر ایسے دباؤ سے نکل چکا ہے لیکن سماجی طاقتیں اسے متحد نہیں رہنے دیں گی۔ کیونکہ بڑا ملک بڑی فوج و معاشی طاقت ہونے کی وجہ سے ان کا شکار نہیں بنے گا جب کے اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے بعد وہاں چھوٹے ملکوں کو استعمال کرنا ان کیلئے بہت آسان ہوگا۔ وہ انڈیا کو مستقبل کے چین کی صورت میں نہیں دیکھنا چاہتے دنیا کی سیاست میں اخلاقیات کی کوئی جگہ نہیں وہاں جنگل کا قانون چلتا ہے بڑی مچھلی چھوٹی کو کھا جاتی ہے۔

یہ دوسری بات ہے کہ ہمیں خطرہ انڈیا سے نہیں دوسری سامراجی طاقتوں سے ہے۔ انڈیا 7 لاکھ فوج کو لگا کر بھی کشمیر کو کنٹرول نہیں کر سکا پاکستان پر قبضہ کیلئے کم از کم 70 لاکھ فوج چاہیے ہوگی۔ پھر جنگ کا مطلب انڈیا کی اقتصادی تباہی اور اسکا ٹوٹ جانا ہی ہوگا (انڈیا یہ جنگ کبھی نہیں کرنا چاہتا)۔ میں کچھ عرصہ بہر حال مسئلہ کشمیر پر سمجھدار اور باشعور لوگوں سے بات چیت کرتا رہا تو ہمیں مندرجہ ذیل حقائق سامنے آئے۔

مسئلہ کشمیر میں موجود پاکستان میں تین اہم ترین طاقتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

1. پاکستانی فوج

2. مولوی حضرات (مذہبی طاقتیں)

3. آزاد کشمیر کے لیڈران

- میں نے اپنی اس بات چیت سے جو نتیجہ اخذ کیا اور جاننے والے باشعور لوگوں نے بھی اسکی تائید کی وہ اسطرح ہیں۔

1۔ پاکستانی فوج اس مسئلے کو حل کرنا نہیں چاہتی تھی کہ اگر یہ مسئلہ حل ہوجاتا ہے تو پھر اتنی بڑی فوج رکھنے کا کوئی جواز نہیں رہ جائیگا کہ انڈیا سے دشمنی ختم ہونے کے اتنا زیادہ بجٹ اسپر خرچ کرنے کا کوئی جواز نہیں ہوگا۔ اور اتنی بڑی فوج نہ رہی تو پھر سیاست سے فوج کا ہولڈ بھی ختم ہوجائیگا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی وجوہات ہیں جن کا ذکر میں مناسب نہیں سمجھتا۔

2۔ مولوی حضرات اور دینی طاقتیں اس لئے حل نہیں کرنا چاہتے تھے کہ پھر ان کے لمبے چوڑے فنڈز اور لاؤلشکر کہاں جاتے یہ فنڈز زیادہ تر غیر ممالک سے آتے تھے بھی بڑے اسلامی لیڈروں کے بچے مغرب میں تعلیم حاصل کرنے جاتے ہیں جبکہ غریبوں کے بچے مقبوضہ کشمیر میں جہاد کرنے جاتے ہیں۔

مولوی حضرات، مجاہدین اور دہشت گردوں کو ایک صف میں کھڑا کرنا سخت غلط ہے۔ اس میں مجاہدین جوش وجذبہ سے بھرپور اور صحیح معنوں میں مسلمان ہوتے ہیں۔

3۔ آزاد کشمیر کے لیڈر حضرات کو یہ سن کر ہی ہول پڑھ جاتا تھا کہ کشمیر آزاد ہورہا ہے کہ اگر مقبوضہ کشمیر والے بھی ساتھ آکر ملتے ہیں تو پھر مقبوضہ کشمیر والوں کی تعداد ان سے دگنی ہے آزاد کشمیر میں 70 لاکھ اور مقبوضہ کشمیر میں ایک کروڑ تیس لاکھ افراد رہتے ہیں کشمیر کے اکٹھا ہونے کی صورت میں آزاد کشمیر کے لیڈران صرف اپنے اپنے علاقے کے لیڈر ہی رہ جاتے یعنی انکی سب شان وشوکت ختم ہوجاتی کہ مقبوضہ کشمیر کے لیڈران سے زیادہ پڑھے لکھے زیادہ سمجھدار ہیں صرف ایک چیز میں وہ آزاد کشمیر کے لیڈران کا مقابلہ نہیں کرپاتے میرے اندازے میں وہ کبھی نہیں کرپائیں گے وہ چیز کرپشن ہے۔

☆☆☆☆☆

پاکستان اور سیاست

گوسیاست اس کتاب کا موضوع نہیں پھر پاکستانی سیاست نے مجھے اپنی معلومات کے محدود ہونے کا اعتراف بھی ہے۔ اس کے علاوہ سیاست روحانیت میں مصروف لوگوں کا ایک ناپسندیدہ ترین موضوع بھی رہا ہے اس کے باوجود اس پر لکھنا اس لئے ضروری سمجھا ہے کہ اس نظام کے صحیح ہوئے بغیر آجکل معاشرے میں کچھ بھی صحیح طریقے سے ٹھیک نہیں ہوپاتا سیاسی شعور کی بیداری کے بغیر ملک کی قیادت جمہوری لیڈروں کے ہاتھ میں جانا اسے ترقی کی طرف نہیں بلکہ تنزلی کی طرف ہی لے جاتا ہے۔ پاکستانی قوم کو ابھی اس میدان میں بہت کچھ سیکھنا ہے، پاکستان کی ترقی اور اس کی عوام کی خوشحالی دیکھنا میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش بھی ہے انشاء اللہ اگلے چند برسوں میں پاکستان میں خاصی خوشحالی آجائے گی۔

میں یہ بھی مانتا ہوں کے اکیلے بیٹھ کر دانشور یا عقل کل بننا بڑا آسان ہوتا ہے۔

میرے تجزیئے کے مطابق پاکستان بننے کے بعد قائداعظم کے علاوہ صرف ایوب خان ایک ایسا سربراہ حکومت تھا جس کی خوبیاں اس کی خرابیوں سے زیادہ تھیں۔ غلطیاں اس نے بھی کیں مگر ساتھ ہی اس کے کارنامے بھی قابل ذکر ہیں۔

اب ہم موجودہ حالات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

ماضی میں حالات اتنے خراب تھے اور پاکستان 2000ء تک اتنی بری طرح غیر ملکی قضوں اور IMF کے جال میں پھنس چکا تھا کہ اسکے قرضوں کا سود ادا کرنے کے لئے ہر سال اسے مزید ارب ڈالر سے زیادہ کمرشل قرضہ لینا پڑتا ہے جو کہ دس سے پندرہ فیصد سالانہ ہوتا ہے۔ اس طرح ہم سود در سود کے چکر میں الجھتے جارہے تھے۔

پاکستان پر اس وقت ساڑھے اڑتیس ارب ڈالر قرضوں کا بوجھ تھا جسمیں سے ساڑھے چھ ارب ڈالر کا کمرشل قرضہ تھا جس کا سود دس تا پندرہ فیصد تک سالانہ تھا باقی سب قرضوں کو ملا کر بھی زیادہ بنتا تھا۔ باقی مستقبل میں IMF سے جو بھی قرضہ ملتا تھا۔ وہ پندرہ فیصد سالانہ سے کم نہیں ہوتا تھا یہ سب نواز شریف اور بے نظیر حکومت کی مہربانیاں تھیں ان پر حقیقت پسندانہ

نظر سے دیکھا جائے تو دونوں کرپٹ تھے مگر اسمیں نواز شریف سمجھدار کرپٹ تھا اور بے نظیر بے وقوف کرپٹ تھی نواز شریف کوئی کام کرتا تھا تو کم از کم اسے معلوم ہوتا تھا کہ اس کام میں قوم کا کتنا نقصان ہے اور خود کا اسے کتنا فائدہ ہورہا ہے جب کے بے نظیر و زرداری کو یہ بھی علم نہیں ہوتا تھا وہ تو بس سامنے پڑے کاغذوں پر یہ پوچھ کر ہی سائن کر دیتی تھی کہ اسمیں اسکا کتنا فائدہ ہے۔

نواز شریف بہر حال ساتھ کام بھی کرتا رہا گو سکریپ کی ڈیوٹی میں ہیر پھیر اس نے بھی کیا پھر کرنسی کے کام میں بھی اس نے کچھ نہ کچھ ہاتھ رنگے تھے۔

نواز شریف نے موٹروے بنائی اسمیں بھی کرپشن ہوئی مگر پھر بھی موٹروے سامنے نظر آرہی ہے اور مستقبل میں کم از کم پاکستان کے انفراسٹرکچر میں بہت اہمیت کی حامل ہوگی۔ یہ سارے ملک، گوادر پورٹ اور خصوصاً زراعت کی ترقی میں بھی بہت اہم رول ادا کرے گی۔ اگر کوئی موٹروے کو فضول کہتا ہے تو اسے کم از کم اپنا سیاسی شعور بڑھانا چاہیے۔

اب بے نظیر نے حبکو (HABCO) بجلی کے ٹھیکے چھ سینٹ (ڈالر) کے ریٹ پر دیئے جب کہ بنگلہ دیش میں یہی کمپنی ڈیڑھ ڈالر سینٹ کے قریب رقم پر بجلی گورنمنٹ کو بیچ رہی ہے۔ بے نظیر حکومت نے بجلی اتنی مہنگی کر کے نہ صرف کارخانہ داروں کا بیڑا غرق کر دیا بلکہ غریب کی تو کمر ہی توڑ کر رکھ دی اب صرف پنکھا اور فریج چلانے والوں کا بل 2004 میں ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار روپیہ آنا تو معمولی بات ہے۔

حبکو سے بجلی اتنی مہنگی اور اتنے لمبے وقت کے لئے لینے کا معاہدہ کرنا اتنا خطرناک ہے کہ اس پر واپڈا کے ڈائریکٹر (ایک ریٹائرڈ جنرل) کے کہنے کے مطابق ان ٹھیکہ کرنے والوں کو پھانسی کی سزا دینی چاہیے۔

ملک میں کارخانے لگنے اس اتنی مہنگی بجلی کے ساتھ تو ممکن ہی نہیں رہے کیونکہ ہمارے پڑوس میں چین میں جو بھی غیر ملکی انویسٹمنٹ کریگا اسے پانچ سال کے لئے فری بجلی دی جائے گی انڈیا میں بھی بجلی سستی ہے ہم ان ملکوں کا مقابلہ اتنی مہنگی بجلی کارخانوں میں استعمال کر کے کیسے کر پائیں گے؟

اور اتنی مہنگی بجلی کی چوری ہی کارخانے داروں، سیاست دانوں اور دوسرے وڈیروں کا

کاروبار بن چکی ہے۔ عدلیہ کے موجودہ نظام اس چوری کو روکنا بالکل ممکن نہیں۔ اتنی مہنگی بجلی خریدنے کا تیس سال کا معاہدہ کرنے کی اجازت دینے والی کبھی بھی اس قابل نہیں ہوسکتی کہ سربراہ مملکت بنایا جائے۔

آج کل غریبوں کا بل ڈیڑھ دو ہزار آنا معمولی بات ہے۔

مشرف کے صدر بننے سے پہلے ملک قرضوں کے جال میں پھنسا ہوا تھا غیر ملکی قرضوں میں جو ساڑھے چھ ملین ڈالر کے کمرشل قرضے تھے وہ مشرف کے دور بے صدارت میں واپس کئے جا چکے ہیں اپنے ملک کے بنکوں سے بھی جو ہر سال دو سو ارب روپے سے زیادہ کے قرضے لئے جاتے تھے وہ بھی اب پچھلے دو سال سے لینے بند ہو چکے ہیں۔ یہ سب قرضے بھی آخر عوام کے دیئے ہوئے ٹیکسوں سے ہی واپس ہونے تھے بنکوں کی مالی حالات اتنے درگوں تھے کہ ہمارے بنکوں کی LC بھی نہیں مانی جارہی تھی حالات اتنے درگوں ہورہے تھے کہ کچھ ہی عرصے میں پاکستان حکومت نے ایٹم بم ہاتھ پر رکھ کر IMF اور ورلڈ بنک سے یہ درخواست کرنی تھی کہ یہ لے لو ہمیں قرضوں کا سودا ادا کرنے کے ہی پیسے دے دو اور یہ پیسے بھی صرف چند سال کا سودا ادا کرنے میں خرچ ہو جاتے اور قرضے جوں کے توں رہتے۔ پاکستان میں سبھی بڑے بڑے محکمے اور شعبے برسہا برس سے گھاٹوں پر جارہے تھے ان میں پی آئی اے، واپڈا، سٹیل مل اور ریلوے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اب یہ سب شعبے اب نفع پر جارہے ہیں اور پاکستان IMF اور ورلڈ بنک کے چنگل سے باہر آچکا ہے۔ اور یہ دنیا میں واحد ملک ہے جو ان کے چنگل سے نکل پایا ہے۔

بارہ ارب ڈالر کے ریزرو علاوہ ہیں گو ابھی سائنس و ٹیکنالوجی میں ہم بہت پیچھے ہیں۔ اور ان پر ابھی بہت سا کام ہونا باقی ہے مگر پاکستان کے خوردہ وسائل میں بھی ان پر کافی کام ہورہا ہے پاکستان کے اسلامی دنیا کی واحد ایٹمی طاقت ہونیکی وجہ سے بھی اسکا وزن بڑھ چکا ہے اسی وجہ سے سعودی عرب بھی ہمیں تیل اپنی کاسٹ پرائس پر دیکر ہر سال ہمارے کوئی ایک ارب ڈالر کی بچت کر رہا ہے اگر اکانومی کنٹرول میں نہ آجاتی تو آج کل ڈالر سو روپے کا اور پٹرول 70 روپے کا لٹر ہونا تھا اور اتنے مہنگے ایندھن کے بعد مہنگائی کا طوفان غریب عوام پر ہی ٹوٹنا تھا۔

اسوقت پاکستان میں دہ اہم ترین معاملات ہیں جو اگر خوش اسلوبی سے طے ہوجائیں تو پھر پاکستان کے دن پھر جائیں گے۔

ان میں سے پہلی ہماری انڈیا سے صلح کا معاہدہ کرنا ہے۔اور دوسرا گوادر پورٹ کا محفوظ اور صحیح طریقے سے چلانا اوراس کے راستوں کی حفاظت ہے ہم انڈیا سے پچھلی 57 سال جنگ کی صورتحال میں ہی رہے ہیں اسی چکر میں ہم نے آدھا ملک گنوادیا اور باقی آدھے کو بھوکوں ماردیا اس جنگ میں انڈیا اپنے بیس فی صد وسائل لگا کر بھی ترقی کر رہا تھا اور ہم اپنے ستر فی صد وسائل لگا کر تباہ ہورہے تھے۔

ہمارے مذہبی لوگ انڈیا سے صلح کی شاید مخالفت بھی کریں گے مگر اس حقیقت سے ہم صرف نہیں کر سکتے کہ اگر ہم پانی کے چکر میں کشمیر میں لڑائی چھیڑ دیتے ہیں اور یہ لڑائی ہم ہار جاتے ہیں (جس کا قومی امکان بھی ہے) تو پھر ہمارا کیا حشر ہوگا۔ہمیں انڈیا سے صلح صفائی سے ہی پانی کا مسلہ طے کرنا ہوگا۔پھر ایٹم بموں کی موجودگی میں ایسی کسی لڑائی کا سوچنا بھی حماقت ہی ہے۔

ہمیں انڈیا سے کوئی فوجی خطرہ بھی نہیں ہے کہ انڈیا اپنی آدھی فوج کشمیر میں لگا کر کشمیر کو قابو نہیں کر سکا تھا اور پاکستان کو قابو کرنے کے لئے تو اسکے اب سے دس گنا فوج کی ضرورت ہوگی اس لئے وہ کبھی جنگ نہیں کریگا۔پھر جنگ کا مطلب انڈیا کی اکانومی کی کمر ٹوٹنا اور اسکا مزید مطلب انڈیا کا ٹوٹنا ہی ہوگا۔انڈیا والے بھی یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں۔

گوادر پورٹ کا مطلب سیدھا سیدھا دبئی ہے یعنی ہمارے ملک کی حالت دبئی کی طرح ہوجائیگی پھر گوادر پورٹ میں صرف ٹرانزٹ سے ہی کوئی 2 ارب تا 6 ارب ڈالر سالانہ کی آمدنی ہوگی صرف یہی آمدنی ہی ہمارے بجٹ (DEPOSIT) کو کور کرنے کے لئے کافی ہے۔پھر جو پائپ لائنیں یہاں سے گزریں گی اسمیں ہمیں اربوں ڈالر کی علیحدہ آمدنی ہوگی گوادر پورٹ میں 21 برتھ ہوں گے جب کے کراچی جیسی بڑی شپ یارڈ میں 4 برتھ ہیں۔

وہاں کم از کم کراچی جتنی آبادی کا شہر اس بندر گاہ کو چلانے کے لئے چاہیے۔اس میں بے شمار کنسٹرکشن کا کام اور بے شمار روزگار کے مواقع نکلیں گے اور ہر طرح کے کارخانوں کا کام بھی چلتا رہے گا۔

انڈیا سے صلح کی صورت میں ایران سے انڈیا جانے والی پائپ لائن سے ہی پچاس کروڑ ڈالر سالانہ کی آمدنی ہوگی پھر ہم جتنی گیس اسمیں سے چاہیں بہت سستی قیمت پر استعمال کرنے کے مجاز ہوں گے۔اور اگر پاکستان میں فاضل گیس ہوگی تو اس پائپ لائن میں پہلے خود جھونک کر انڈیا کو بیچا کریں گے۔

بلوچستان میں سینڈک پراجیکٹ ایک بہت فائدہ مند پراجیکٹ ہے سرکاری رپورٹوں میں اسمیں ملنے والے سونے کی مقدار آدھا فی صد کے قریب ہے جب کہ حقیقت میں وہاں ملنے والے میٹریل میں سونے کی مقدار ڈھائی فیصد ہوتی ہے پھر یہ سیدھا سیدھا باہر پڑا ہوا ہے کھدائی کی ضرورت بھی نہیں ہے۔بلوچستان میں اس جیسے بے شمار پراجیکٹ اور بھی موجود ہیں گوادر بھی 1958ء سے پہلے بلوچستان کا نہیں مسقط کا حصہ تھا اب بھی اسے علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔

بلوچ قوم پرستوں کو گوادر پورٹ پر اعتراض ہے اور انکی صرف ایک بات اسمیں بجا ہے وہ یہ کہ بلوچستان کی آبادی کل ستر لاکھ ہے اسمیں 20 لاکھ پٹھان، 45 لاکھ بلوچ اور 5 لاکھ کے قریب دوسری قومیں ہیں اسمیں آجکل بلوچوں کو جو 20 لاکھ کی عددی برتری ہے وہ یہاں نیا شہر بسنے کی صورت میں مقیم ہوجائیگی اسلئے گوادر شہر میں بسنے والے لوگوں کو بلوچستان کی شہریت نہ دی جائے تو یہ بلوچوں کے حق میں بہتر ہوگا۔

لیکن یہ مت بھولیں کے بندرگاہیں بہرحال مرکزی حکومت ہی کنٹرول کرتی ہے صوبائی نہیں۔

میں پاکستان کے حالات دیکھنے اور بین الاقوامی سیاست کو کچھ نہ کچھ سمجھنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر ہم معاشی طور پر آزاد نہیں ہوتے تو باقی سب آزادیاں بے کار اور وقتی ہوتی ہیں۔اور کچھ عرصے کے بعد ہی کم ہوتی چلی جاتی ہے اور آجکل دوسرے اہم مملکوں کو کمزور رکھنا سب طاقتور ملک ضروری سمجھتے ہیں اور مسلسل اس ''نیک کام'' میں لگے رہتے ہیں۔

کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مشرف صاحب سے اسلام کو خطرہ ہے میرے خیال میں یہ بات صحیح نہیں ہے۔مشرف سے خطرہ اگر ہے تو مُلّا کے اسلام کو ہے۔روس ترکستان پر اپنے صد سالہ قبضے اور ہر طرح کے ظلم وستم کے باوجود وہاں سے اسلام ختم نہیں کر سکا تھا۔خود اسلام کو

خطرہ تو ملاّ سے ہے جو فی سبیل اللہ خار دوسرے سب فرقوں سے جہاد کرتا رہتا ہے۔ گو صدر مشرف کی کچھ ایسی مجبوریاں بھی ہیں جو کہ عام آدمی نہیں سمجھ سکتا۔

مشرف حکومت کے مخالفین ان پر کئی اعتراضات کرتے ہیں جن میں کئی بالکل فضول ہیں جیسے بہت سے محکموں اور اداروں واپڈا، اسٹیل مل کے سربراہ ریٹائرڈ فوجیوں کو بنانا وغیرہ۔

مگر یہی محکمے پہلے پاکستان کیلئے سفید ہاتھی بنے ہوئے تھے اب مشرف دور حکومت میں خود کفیل ہو چکے ہیں اور حکومت کو مزید ریونیو بھی دے رہے ہیں۔ اسمیں وہی پہلے کی طرح کے سربراہ لگانے کی صورت میں پہلے کی طرح محکموں کی تباہی ہی نتیجہ ہوگا۔ ریٹائرڈ فوجیوں کے مخالفین تک کا یہ کہنا ہے کہ یہ کھاتے بھی ہیں اور کام بھی کرتے ہیں جب کہ دوسرے صرف کھاتے ہی ہیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد جرنیلوں کو مالی تحفظ دے کر ہی آپ انہیں صحیح طریقے سے کام کرا سکتے ہیں۔

کچھ لوگ ریٹائرڈ فوجی آفیسروں کو پلاٹس وغیرہ دینے کی بھی بڑھ چڑھ کر مخالفت کرتے ہیں۔ مگر یہ پلاٹس فوج والے خود لوگوں سے بڑے سستے داموں لیکر انہیں تعمیر (Develop) کر کے اپنا کافی سارا منافع رکھنے کے بعد فوجیوں میں بیچتے ہیں۔

ایسا نہیں ہوتا کہ کروڑوں کا پلاٹ چند لاکھ میں بیچ کر سرکاری خزانے کو لوٹا جاتا ہے۔ فوجی محکمے تو ہزاروں میں پلاٹ لے کر ریٹائرڈ فوجیوں کو لاکھوں میں بیچتے ہیں۔ دوسرے محکموں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے لوگوں کو یہ سہولت (سروس) دیں اور اپنا معقول منافع بھی کمائیں۔

ہم اس وقت اسلامی دنیا کے واحد ایٹم بم کے مالک اور ان کی سب سے مضبوط فوج رکھتے ہیں۔ اسلحہ تیار کرنے اور برآمد کرنے والا سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔

یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ دنیا کی سب کی سب ایجادیں پہلے فوجی مقاصد میں استعمال ہوتی ہیں۔ یعنی فوجی ہی ہوتی ہیں۔ اسلحہ برآمد کرنے میں مسابقت دوسری برآمدات سے بہت کم ہے۔ اور کم از کم مسلمان اور خصوصاً عرب ممالک اپنے بڑے برادر ملکوں سے اسلحہ خریدتے ہی رہیں گے۔ ہم اسلامی دنیا کے بازوئے شمشیر زن ہیں۔ اور اگر پاکستان کو مالی تحفظ مل گیا یا کہیں سے بڑے پیمانے پر تیل ہی نکل آیا۔ (جو کہ میرے ذاتی یقین کے مطابق

پاکستان میں بہت بڑے پیمانے پر موجود ہے۔ تقریباً ایران کے برابر) تو ہم اپنے اس کردار کو صحیح طریقے سے ضرور نبھائیں گے۔ اس فوج کو صحیح طریقے سے چلانے کیلئے اس کے سینئر آفیسروں کا مالی تحفظ بہت اہم چیز ہے۔ ورنہ سامراجی طاقتیں انہیں کرپٹ کرنے میں کافی عرصے سے لگی ہوئی ہیں، پاکستانی فوج اس معاملے میں آج کل ان کی ہٹ لسٹ پر ہے۔ پھر صدر مشرف کے مخالفین میں مولوی پہلے نمبر پر ہیں جن کا کام آجکل فی سبیل اللہ فساد ہی ہے دوسرے نمبر پر مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی اور دوسری حکومت سے باہر پارٹیوں کے سیاست دان ہیں جن میں سے زیادہ تر کی ''روزی'' پر مشرف حکومت نے لات ماردی ہے۔ پھر سول سروس والے ہیں جن کی پاکستان پر بلا شرکت غیرے حکمرانی صدر مشرف نے ناظمین کا نظام لاکر ختم کردی ہے۔ اور رہا سا کام ریٹائر فوجی آفیسروں نے کر دیا ہے۔

تحصیل اور ضلعی ناظمین کا یہ نظام بہت اچھا نظام ہے اگر اسمیں ضلعی ناظم کے بجائے وارڈوں کو ناظمین کے ڈائریکٹ عوام کے ووٹوں سے چنا جائے نہ کہ کونسلروں کے ووٹوں سے اسطرح ضلعی ناظم پر عوامی چیک رہیگا اور غلطی کی صورت میں عوام اسے اگلی بار نہیں چنیں گے (مگر اسمیں حکومت کا فی الحال سیاست پر کنٹرول رکھنے کی مجبوری ہی موجودہ طریقہ انتخاب کی وجہ ہے۔ مگر پچھلے ٹینیور میں ناظموں نے کرپشن میں خوب ہاتھ رنگے ہیں)۔

پہلے CSP آفیسر سنٹرل گورنمنٹ سے آتے تھے انکا علاقے کے عوام سے کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا۔ یہ صرف علاقے کے سیاست دانوں کی ہی پروا کیا کرتے تھے اور عام عوام انکے لئے بھیڑ بکریاں ہوا کرتے تھے مگر موجودہ ضلعی حکومتوں کا نظام پرانے سی ایس پی نظام سے بہت بہتر نظام ہو سکتا ہے اس کی جڑیں عوام میں ہی ہوتی ہیں۔

بہر حال مشرف اور شوکت عزیز نے یہ نیکی کی ہے کہ ان CSP's کی بہت حد تک کمر توڑ دی ہے لیکن اسطرح کے کرپٹ ضلعی ناظمین اور اسمبلی ممبران اگلی بار ایوان اقتدار میں نہیں آنے چاہیے تھے مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ ان میں سے خاصی تعداد اکتوبر 2005ء کے الیکشن میں دوبارہ اقتدار میں آگئی ہے۔

جمہوریت کے نظام میں درحقیقت عوام ہی کنٹرولنگ فورس ہوا کرتے ہیں اور رہیں گے مگر ہمارے ملک میں عوام صوبہ واریئت، فرقہ واریئت، لسانیت، برادری ازم وغیرہ کی وجہ سے

اتنے بٹ چکے ہیں کہ ابھی سیاست میں کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں۔

میرے خیال میں ابھی انہیں کم از کم دس برس کی ٹریننگ چاہیے جسمیں تعلیم انصاف اور معاشرتی بہتری کی جائے۔ زیادہ سیاسی شعور دیا جائے پھر اس کے بعد ہی جمہوریت کا سوچا جا سکتا ہے۔ مغرب کی جمہوریت افلاطون کی اشرافیہ سے لیکر موجودہ سینٹ تک 2400ء سال میں پہنچی ہے ہیں ہمیں بھی اسلام کی ماضی کی بادشاہت سے جمہوریت تک کا فاصلہ طے کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔ مغرب کی جمہوریت بھی ماضی میں غیر ملکی کالونیوں کے لوٹ مار کے پیسے اور مغرب کے بنکوں میں موجود تیسری دنیا کے کرپشن اور کالے دھن پر پھر IMF سود کے پیسوں اور اسلحہ کی مسلط کی گئی تجارت کے زور پر ہی چل رہی ہے ورنہ وہاں کی جمہوریت سفید ہاتھی ہی ہے۔ یہ بہت مہنگی ہے۔ اتنا مہنگا نظام آج کل کی مسابقت کی دنیا میں نہیں چل سکتا۔

مشرف حکومت سے پہلے کی حکومتیں تو سیاست دانوں اور صوبہ واریت کے ہاتھوں اتنی بری طرح بلیک میل ہوتی رہی تھیں کہ وہ کوئی بھی قومی مفاد کا فیصلہ نہیں کر پاتی تھیں۔ اگر گوادر پورٹ بنانے کی بات کرتی تھیں تو بلوچستان میں ایک دھما کا ہوتے ہی وہ یہ کام بند کر دیتی تھیں۔ اسکی وجہ انکا بلوچ صوبہ پرست سیاستدانوں کی مخالفت مول نہ لے سکنا ہوتا تھا۔ کہ وہ سیاستدان مخالف دھڑے میں چلے جائیں گے۔ اور مخالف دھڑا جو چاہے پیپلز پارٹی کا ہوتا تھا یا مسلم لیگ کا اسے صرف اپنی حکومت بنانے میں دلچسپی ہوتی تھی اہم قومی مسائل سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا۔

اسی طرح کالا باغ ڈیم میں رکاوٹ کی وجہ صرف یہ ہے کہ سرحد کے صوبہ پرست سیاستدان نہیں چاہتے کہ اسکی رائلٹی پنجاب کو ملے۔ اگر پنجاب میانوالی کو آج صوبہ سرحد میں شامل کر دیتا ہے تو پھر سرحد والوں کو اس پر کوئی اعتراض نہیں رہیگا۔ مگر یہ کتنا بھونڈا اعتراض ہے اگر کالا باغ ڈیم نہ بننے کی وجہ سے پاکستان غریب ہو جائیگا تو کیا صوبہ سرحد کے عوام بھی پہلے کی طرح غربت کی چکی میں نہیں پستے رہیں گے۔

گوادر پورٹ نہ بننے کی صورت میں بھی پورا پاکستان ہی اسکا خمیازہ بھگتے گا ہر صوبے کے عوام پر غربت اور مہنگائی کا بوجھ ہوگا۔

میرے تجزیئے میں یہی آیا ہے کہ ہماری سویلین حکومتیں اتنی کمزور ہوتی ہیں کہ کوئی

بھی اہم نوعیت کا فیصلہ کرنے کے قابل نہیں ہوتیں۔

ہمارے صوبہ واریت، لسانیت اور تھانے کچہری کے "اغوا شدہ عوام" ابھی جمہوریت کے لئے تیار نہیں ہے اور اگر جمہوریت کا مطلب وہی بوگس اسمبلی، وہی ڈبہ پارلیمنٹ، کرپٹ اور بے درد انتظامی، نااہل اور بددیانت سیاست دان، انفلنس ہونے والی عدلیہ ہی ہے تو پھر ایسی جمہوریت ہمیں ہر طرف سے IMF، ورلڈ بینک، ملٹی نیشنل اور دوسرے سماجی چنگلوں میں ہی پھنسا سکتی ہے، اور کچھ بھی نہیں کر سکتی، ویسے بھی جمہوریت کیا ہے، اس میں اکاون گدھے انچاس جینئس لوگوں سے زیادہ وزن رکھتے ہیں۔ اور اگر کسی طرح صحیح پالیسز، مناسب قانون اور آئین بن بھی جائیں تو پھر تو تہائی اکثریت کے گدھوں سے اسے تبدیل کرایا جا سکتا ہے۔ پھر موجودہ جمہوریت کی اخلاقیات تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ پاکستان کے موجودہ حالات میں ہمیں اس ملک کے بہت سے گروپوں (صوبہ پرستی، فرقہ واریت، برادری ازم وغیرہ) میں پھنسے اور سیاسی شعور نہ رکھنے والے 15 کروڑ عوام کو ٹرینڈ کرنے کی بجائے ایک واحد شخص یعنی سربراہ مملکت (چاہے ڈکٹیٹر ہی کیوں نہ ہو) کو ٹرینڈ کرنا ہی ہمارے مسائل کا حل ہے گو بعد میں ہمیں عوام کو ٹرینڈ کرنے کے بعد ایک آدمی پر انحصار ختم کر کے ایک ایسا نظام بنانا پڑے گا۔ جس میں کچھ لوگ یا گروپ (اچھے، درد دل رکھنے والے) محب وطن لوگ اس ملک کو سنبھالیں مگر موجودہ حالات میں جمہوریت سے محب وطن ڈکٹیٹر ہی ہزار درجے بہتر ہیں ڈکٹیٹروں نے ہی سنگاپور اور ملائیشیاء کو بنایا ہے۔ اور آج کل وہی تیسری دنیا میں کامیاب جا رہے ہیں۔ ڈکٹیٹر باہر کی طاقتوں کی عادی بات مانتا ہے۔ اور عادی اپنی مرضی کرتا ہے۔ کمزور جمہوری حکومت ان کی ہر بات مانتی ہے۔ ہمارے برادر اسلامی ملک اور رول ماڈل ملائیشیاء کے سابقہ سربراہ نے ہی پچھلے دنوں پاکستان ٹی وی کو جو انٹرویو دیا اس کا مطلب یہ بھی نکلتا تھا کہ اگر ایک ڈکٹیٹر ملک کو ترقی پر چلا سکتا ہے تو یہ ناکام جمہوری حکومت سے بہتر ہوتا ہے۔ دوسرے انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ صرف تعلیم یافتہ لوگ ہی صحیح لیڈر چن سکتے ہیں۔

ہم لوگ انصاف، تعلیم اور معاشیات کو صحیح کر کے اور عوام میں سیاسی شعور لا کر ہی یہاں پر کامیاب جمہوریت لا سکتے ہیں۔ اور ابھی ہمیں اس کے لئے کچھ اور برس چاہئیں. خود میرے خیال میں امریکہ اور مغرب کے ملکوں میں بھی جمہوریت ایسی ہے، کہ ہم اگر امریکہ جتنے

طاقتور ہوتے تو ان پر بھی جمہوریت نہ ہونے یا صحیح ہونے کا الزام لگا دیتے۔ لگا تا الیکشن ہونا ہی سیاسی شعور میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ ان میں بھی خامیوں مگر وسائل اور حالات میں ایسے الیکشن ہمیں دوبارہ IMF اور ورلڈ بینک کے چنگل میں ہی پھنسا سکتے ہیں۔

ہمیں عوام کا ''کچھ درد'' رکھنے والا ڈکٹیٹر ہی ان سویلین حکومتوں سے کئی درجے بہتر ہے جو کہ کم از کم اہم نوعیت کے فیصلے تو کرسکتا ہے۔ رہی مخالفین کی یہ بات کہ بیرونی دنیا ہمارے ڈکٹیٹر حکومت کو نہیں مانتی تو حقیقت یہ ہے کہ طاقتور مغربی ملک خصوصاً امریکہ اپنے مفاد کیلئے اپنی حامی حکومت کو ہر قسم کی سپورٹ کرتے رہتے ہیں۔ جمہوریت اور ہیومن رائٹسک کا نعرہ صرف دوسرے ملکوں کو تنگ کرنے کے لئے لگایا جاتا ہے وہ صرف اپنے مفاد کا تحفظ چاہتے ہیں۔ فارن انویسٹمنٹ ملک کی مدد کیلئے نہیں بلکہ اپنے فائدے کے لئے کی جاتی ہے امن وامان کی حالت صحیح ہوتے ہی بہت سے لوگ یہاں انویسٹمنٹ کرنے یہاں خود ہی آجائیں گے۔

ہمارے عوام کو حالات کا ایک پہلو (صرف تاریکی) دکھا کر ہی صوبہ ولسانیت پرست سیاست دان انکو ورغلا اور بھٹکا لیتے ہیں اور اسکے بعد سیاست دانوں کا بظاہر یہ کہنا بھی درست ہوتا ہے کہ ہمیں انصاف نہیں مل رہا ہے مگر کیا دوسرے سب صوبوں کو انصاف مل رہا ہے۔ دراصل عوام میں سیاسی شعور کا نہ ہونا جمہوریت کے لئے سخت خطرناک ہے۔

پاکستان معدنی اور معاشی مسائل سے مالا مال ہے مگر ہماری سابقہ حکومتوں کی غلط پالیسیوں نے ہی ہمیں دنیا میں ہر معاملے میں پیچھے رکھا ہے ان میں سب سے بڑی غلطی انڈیا سے مستقل جنگ کی صورت میں تھی۔ جس کی وجہ سے ہمیں پاکستان میں امن امان تک برقرار رکھنا محال رہتا تھا۔ اور اسی امن وامان کے فقدان کی وجہ سے باہر سے کوئی بھی انویسٹر (بشمول غیر ممالک مقیم پاکستانیوں کے) پاکستان میں سرمایہ کاری کرنے میں دلچسپی نہیں لیتا تھا. اور ہمارے ملک کا سب سرمایہ بھی غیر ملکی بنکوں میں محفوظ جگہوں پر چلا جاتا تھا۔

انسان کی خود اعتمادی کے لئے صرف خبر ہی نہیں کافی ہوتی۔ اس کے لئے حقائق کا معلوم ہونا لازمی ہوتا ہے۔ حقائق پڑھنے سے ملتے ہیں۔ اس لئے لیڈر کو مطالعہ لازمی کرنا چاہیے۔ ورنہ اس میں گہرائی نہیں آسکتی۔ اور مطالعہ میں بھی تیز پڑھنے کی مشق ہونی

چاہیے۔

اوپر والے کے کرپٹ نہ ہوں تو نیچے والے خود ہی صحیح ہو جاتے ہیں۔ اور اوپر والے نچلوں کو کنٹرول کیسے کریں۔ اور ان کے لئے مثال کیسے بنے اس میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ایک واقعہ بہت سبق آموز ہے۔

ان کے دور خلافت میں ایک دفعہ ان کا عامل آپ سے کوئی دستخط کروانے آیا رات کا وقت تھا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مہمان خانے کا دروازہ کھول کر اسے بٹھایا۔ خط پڑھ کر دیکھا، اس پر دستخط اور سرکاری مہر لگائی۔ خط واپس دے کر اس سے پوچھا کوئی اور کام تو نہیں ہے؟

جب عامل نے بتایا کے مزید اور کوئی کام نہیں ہے تو آپ نے دیا بجھا کر کمرے میں اندھیرا کر دیا۔ اور پھر عامل سے پوچھا کہ اس کی کیا خاطر ومدارت کی جائے؟

عامل نے حیران ہو کر دیا بجھانے کا سبب پوچھا تو خلیفہ وقت بولے ''کہ تم سرکاری کام سے آئے تھے اور دیے میں سرکاری (بیت المال) کا تیل تھا جب تمہارا سرکاری کام ختم ہو گیا تو میں نے دیا بجھا دیا۔ اب تم میرے مہمان ہو۔

اتنی باریکی سے سوچنے والے اور عوام کا خیال رکھنے والے لوگ ہی ہمارے نظام کو صحیح راہ پر لگا سکتے ہیں ورنہ اسکی لالچ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

پھر خود اعتمادی کامیابی کے لئے اشد ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ صحیح لیڈر کا ویژن براڈ ہونا (چیزوں اور مسائل کو مختلف پہلوؤں سے صحیح طریقے سے دیکھنے کی صلاحیت ہونا) اور ساتھ ساتھ باہمت اور مستقل مزاجی ہونا ضروری ہے۔

یہ سب کچھ لکھنے کا میرا مقصد صدر مشرف کا تحفہ نہیں بلکہ اپنی سمجھ کے مطابق لوگوں کو صحیح صورتحال سے آگاہ کرنا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صدر مشرف ہمارے ملک کے آج تک ہونے والے سب سربراہان مملکت میں سے سب سے زیادہ ذہین اور قابل ہیں۔

ورلڈ میڈیا کو ہمارا کوئی بھی ماضی کا سربراہ (بشمول بھٹو) صحیح طریقے سے فیس نہیں کرسکا تھا۔ انہوں نے ہر دفعہ یہ کام کامیابی سے کیا ہے۔ پھر یہ اپنے کارڈ بہت اچھی طرح کھیلنے کے

ماہر ہیں مسائل کو جڑ تک سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ وہ پاکستان کو نائین الیون جیسے نازک موقع اور قدیر خان کے ایٹمی "سودوں" کے بحران سے بھی بڑی کامیابی سے نکال لائے ہیں۔

فی الحال ہمارا فوری اور اہم ترین مسئلہ معاشی طور پر خود کفیل ہونا ہے۔ یہ صحیح نہ ہوا تو باقی سب مسائل بھی حل نہ ہو پائیں گے۔ نائین الیون کے واقع کے بعد تو ممکن تھا کہ امریکہ ہم پر حملہ کر دیتا کہ ساری امریکی قوم اس پر غصے میں تپی کھڑی تھی مگر اب ان ایٹم بموں کی موجودگی میں وہ کبھی پاکستان پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں کرے گا کہ اس "بھوکے" ملک سے زیادہ امیر اور بے یارومددگار شکار اس کے لئے ابھی بہت سے موجود ہیں۔

سیلز ٹیکس کا کامیابی سے نفاذ مشرف حکومت کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے اس سے حکومت کو کوئی چھ سو ارب روپے سالانہ کی آمدنی ہو رہی ہے جو کہ معاشی خود انحصاری کی طرف ایک اہم قدم ہے لیکن موجودہ حالات میں اس رقم کو کرپٹ بیوروکریٹ اور سیاست دانوں سے بچا کر صحیح طریقے سے استعمال کرنا ایک خاصہ پیچیدہ اور مشکل کام نظر آ رہا ہے۔

پاکستان میں زر مبادلہ کے ذخائر کے باوجود بھی عوام تک اس کا فائدہ پہنچنے میں کچھ وقت لگے گا۔ یہ ذخائر اندھا دھند بانٹنے کا مطلب دوبارہ IMF کے چنگل میں یا دلدل میں پھنس جانا ہوگا۔ حکومت کے پاس زیادہ ریونیو جمع ہونے کے مستقل ذرائع کے بعد ہی غریب عوام کو یہ فائدہ ٹرانسفر کیا جا سکے گا۔ وہی اسکا صحیح وقت ہوگا۔ شاید ابھی تین چار برس مزید لگیں گے۔

کرپٹ اسمبلی ممبران اور ضلعی ناظمین عوام کو اس فائدے کے پہنچنے میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔ ان کے خلاف ایک بہت بڑی اور آرگنائزڈ جنگ کرنی ہوگی۔ اور یہ جنگ نہایت مستقل مزاجی اور منصوبہ بندی کے ساتھ لڑنی ہوگی۔ دراصل کرپشن ہماری قوم کے سر کے بالوں سے پاؤں کے ناخنوں تک ہر چیز میں گھس چکی ہے۔ بلکہ جتنی کرپشن میں بتا رہا ہوں اسے بھی چار سے ضرب دے لیں۔ اس کی وجہ بھی انصاف کا نہ ملنا ہے۔ انصاف لا کر ہی ہم اسے با آسانی کنٹرول کر سکتے ہیں۔

کرپٹ بیوروکریٹ یا پارلیمانی نمائندے کو کبھی تائب ہوتے نہیں دیکھا وہ کرپٹ ہی رہتے ہیں جب کہ ایماندار اور کم تجربے کار مگر ذہین نمائندے اپنے ایڈوائزرز کی مدد سے اولذ کر لوگوں کی نسبت بہتر کام چلاتے ہیں اور کام سیکھ بھی جایا کرتے ہیں گو کبھی صوبوں میں ابھی

(جنوری 2005) تک بیشمار ترقیاتی منصوبے اور ڈیم وغیرہ شروع ہو چکے ہیں جن کے نتیجے میں وہاں لوگوں کو نوکریاں بھی ملیں گی اور ملک کی ترقی بھی ہوگی۔

2005ء میں صرف چکوال میں ہی 30 ارب روپے سے زیادہ کی صنعتیں لگ۔ رہیں ہیں، اتنی رقم کی صنعتیں پہلے ماضی میں سارے سال کے اندر پورے ملک کے اندر بھی نہیں لگا کرتی تھیں۔

میں بڑا پر امید ہوں کے اگلے چند سالوں میں پاکستان بہت اچھا وقت دیکھے گا۔ (آمین)

☆☆☆☆☆

مفروضے

لوگ کہتے ہیں خواب حقیقت سے زیادہ دلکش ہوتے ہیں۔ پاکستان میں بہت لوگ ایسے موضوعات پر بحثیں کرتے رہے ہیں گے یوں نہ ہوتا تو اسطرح ہوتا تو اسکا نتیجہ بہت بہتر ہوتا وغیرہ اسی طرح بہت سے لوگ جن میں اکثریت کیمونسٹوں اور صوبہ پرستوں کی ہے پچھلے چالیس برسوں سے یہ راگ الاپ رہے ہیں کہ پاکستان کی تقسیم غلط ہوئی ہے اور اگر ہم ہندوستان کے ساتھ ہی رہتے تو ہمیں اس قسم کے مسائل اور غربت کا شکار نہ ہونا پڑتا جن حالات۔ کا شکار پاکستان کے عوام آج ہیں۔

میرے خیال میں ویسی ہی باتیں ہیں جیسے آجکل کیمونسٹ کہتے ہیں کہ اگر روس کے کیمونزم میں لینن نہ آتا تو وہاں کیمونزم اصلی صورت میں رائج ہوتا اور متحد روس نہ ٹوٹتا۔ اور کیمونزم ساری دنیا کو فتح کر چکا ہوتا۔ حالانکہ کیمونزم ذاتی ملکیت نہ ہونے اور اسکی وجہ سے مقابلے کا فقدان ہی دراصل کیمونزم کے فیل ہونے کی وجہ تھا پھر کیمونزم میں اخلاقیات کے نہ ہونے کا اثر اپنے طور پر ہے اور یہ کسی بھی صورت میں دنیا میں کامیاب نظام کے طور پر رائج نہیں ہوسکتا ہے۔

اسی طرح کچھ لوگوں کو انڈیا کی تقسیم پر اعتراض ہے اور ان کا خیال ہے کہ انڈیا کی تقسیم غلط تھی اسکی وجوہات کئی بتائی جاتی ہے جن میں انگریزوں اور گوروں کا کیمونزم سے خطرہ ایک وجہ تھی پھر ہندوستان کو ایک بڑا ملک نہیں دیکھنا چاہتے تھے. اسی طرح کئی وجوہات بتائی جاتی ہیں اور ان لوگوں کے بقول اگر آج ہم اکھٹے ہوتے تو پھر ہمارے دیس میں جیسے دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہوتیں۔ یہاں میں اسکا جواب یہ ہے کہ اب ہم کسی صورت میں بھی دوبارہ ایک ملک نہیں بن سکتے اسلئے یہ بحثیں فضول ہی ہیں۔ ان میں صرف مفروضے ہی پیش کئے جاتے ہیں اگر ہم کسی طرح انڈیا کے ساتھ ملنے پر تیار بھی ہوجائیں تو انڈیا اتنی بڑی تعداد میں مسلمانوں کو ساتھ ملاکر مزید کشمیر بنانے پر کبھی رضامند نہیں ہوگا۔

میرے خیال کے مطابق اگر ہم اکھٹے ہوتے ہیں تو ہندو مسلمانوں کو 2002ء کی طرح

گجرات وغیرہ میں مار رہا ہوتا اور مسلمان ہندوؤں کو موجودہ پاکستان میں مار رہے ہوتے اور سب سامراجی طاقتیں (خصوصا مغرب والے) اس سب قتل عام کی پشت پناہی حسب معمول خفیہ طریقے سے کر رہے ہوتے کہ انڈیا آج بھی ایسی طاقت ہے جو کہ مستقبل کا چین بن رہی ہے اور چین اور جاپان کو توڑنا مغرب کی پالیسی کا پکا حصہ ہے انڈیا آج کل نسبتا محفوظ اسلئے ہے کہ وہاں پر ہندوؤں کے علاوہ کسی بھی دوسرے مذہب والوں کی اتنی اکثریت نہیں ہے کہ وہ واضع طور پر علیحدہ ملک کا مطالبہ کر سکیں بلکہ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ انڈیا سے کشمیر کا مسئلہ طے ہوجائے اور انڈیا کو ابھی نہیں ٹوٹنا چاہیے مضبوط طاقتیں انڈیا کو کسی بھی حالت میں اپنے لئے نئے چین کی صورت میں نہیں دیکھنا چاہتی انہوں نے اسے توڑنے کا عزم کیا ہوا ہے۔ اس مسئلہ پر پہلے پاکستان کی ڈیوٹی لگی ہوئی تھی اب وہ اسکا دوسرا متبادل سوچ رہے ہیں۔

اسی طرح پاکستان میں موجود کچھ "فری تھنکر" قسم کے لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ آجکل لوگوں کو مذہب سے ہٹ کر (یا اسے چھوڑ کر) صرف محنت اور جدوجہد کرنی چاہیے اور ایسے لوگ اس مسئلے میں بہت سی دلیلیں بھی دے لیا کرتے ہیں۔

مگر یہ بھی ایک مفروضہ ہے جب اسے عمل کی کسوٹی پر کسا جائیگا تو معلوم ہوگا کہ حقیقت کیا ہے دراصل اخلاقیات کے بغیر کوئی بھی نظام صحیح طریقے سے لمبے عرصے چل نہیں سکتا اور ساری دنیا کی اخلاقیات کو جوڑ کر بھی ایک مکمل اخلاقیات نہیں بنائی جاسکتیں کہ پھر اسمیں ہر مسئلے کو پوری طرح سمجھنے کیلئے ہر مسئلے کو عمل میں لانا ہوگا اور ہزار سال بھی ساری اخلاقیات کو عمل کی کسوٹی پر نئے سرے سے کسنے اور ٹیسٹ کرنے کے لئے کم ہیں یہ اخلاقیات دراصل ہمیں دین حقیقی (ابراہیمی) میں مل چکے ہیں میں ہالینڈ میں بیس سال سے زیادہ عرصہ سے رہ رہا ہوں وہاں پر گورنمنٹ نے فیصلہ کیا کہ سارا مغرب (بلکہ سارے لوگ) جنس ومنشیات کے پیچھے پاگل ہوتے جارہے ہیں تو کیوں نہ ان چیزوں کو قانونی تحفظ فراہم کرکے ملک میں ٹورازم کی آمدنی میں اضافہ اور ملک کی معیشت کو مضبوط بنایا جائے اور مذہب فضول چیز ہے۔ بظاہر انکی یہ بات بڑی معقول لگی تھی کہ لائٹ ڈرگز (چرس میری جوانا وغیرہ) تو خطرناک نہیں ہالینڈ نے اس پر عمل شروع کردیا چرس پینے پر پابندی ہٹادی گئی۔ اور طوائفوں کا بازار (ریڈ لائٹ ڈسٹرکٹ) لوگوں کے لئے بنادیئے گئے ہالینڈ نے ان چیزوں کی بنیاد پر اپنی معیشت کی ترقی کو قائم رکھا۔

بلکہ جرمنی جیسا ملک ہالینڈ سے تنگ آ کر کہتا تھا کہ ہم دنیا کی ٹیکنالوجی میں نمبرون ہیں اور ہر طرح کی چیزیں (کمپیوٹر کاریں وغیرہ سمیت) بنا رہے ہیں تم ہالینڈ والے کس طرح سے ہر سال ہمارے برابر ہی چلے آتے ہو۔ ہالینڈ کی مضبوط معیشت کی وجہ گیس ایگریکلچرل پروڈکٹس کے علاوہ دراصل ڈرگز وغیرہ ہی تھیں یہ نظام 1980ء سے شروع ہوا اور اب 2004ء میں ہالینڈ والے ڈرگز کی وجہ سے اتنے تنگ آ چکے ہیں کہ چرس اور میری جوانا (بھنگ) سے بڑھ کر انکی نئی نسل LSD، کوکین اور ہیروئن وغیرہ کے عادی ہو چکی ہے اور اس ایڈیکشن کو پورا کرنے کے وہ ہر طرح کے جرائم اور چوری چکاری کرتے ہیں۔

ہالینڈ میں 1990ء کی دہائی میں جرائم اس کثرت سے ہونے لگ پڑے آنے والے کل ٹورسٹوں میں سے کوئی چوتھائی تعداد کی چور اور ٹھگ لوٹ لیا کرتے تھے اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ ہالینڈ اتنا بدنام ہو گیا کہ ٹورسٹ یہاں آنے بہت کم ہو گئے۔

پھر گھروں میں چوریاں بہت زیادہ ہونے لگ پڑیں. ہالینڈ پولیس جس چور کو پکڑتی تھی وہ عموماً ڈرگ ایڈکٹ (عادی نشئی) نکلتا تھا۔ پولیس اسے سخت سزائیں نہیں دے سکتی تھی کہ قانون میں ان لوگوں کے لئے سزا نرم تھی نوبت یہاں تک آ گئی کہ نرم سزاؤں کی وجہ سے ہالینڈ چوروں کی جنت بن گیا ساری یورپ سے چور ہالینڈ اور خصوصاً ایمسٹرڈیم رخ کرنے لگ پڑے پولیس جیلیں بھر بھر کے تنگ آ گئی. اب ہالینڈ کی جیل میں ہر قیدی کا خرچہ اتنا ہی ہے جو انکے زیادہ تنخواہ ہوں اور مہنگائی کی وجہ اتنا ہی ہے جو کہ ایک دن ہسپتال کا ہوتا ہے یہ کوئی 200 یورو روز ہے۔

ہالینڈ پولیس چوروں کو پکڑ پکڑ کر اتنا تنگ آ گئی تھی کہ اگر اسے کوئی یہ فون کرتا تھا کہ ہم نے چور پکڑا ہے تو اکثر گھنٹہ گھنٹہ پولیس آنے میں لگا دیتی تھی تا کہ بہتر ہے چور کو تنگ آ کر لوگ چھوڑ دیں (میرے ساتھ بھی دو مرتبہ ایسا ہو چکا ہے میں نے اپنی دکان سے کئی چور پکڑے ہیں) پولیس اپنی توجہ بڑے جرائم میں لگانا چاہتی ہے چوری جیسے چھوٹے اور معمولی جرم کی انکے پاس کوئی اہمیت نہیں تھی مگر ہم دکاندار بھی ان چوروں کے ہاتھوں ناکوں ناک آئے ہوئے تھے ہالینڈ پولیس کئی نئی جیلیں بنانے کے باوجود ان چیزوں کو کنٹرول کرنے میں ناکام رہی اور ہالینڈ اور خصوصاً ایمسٹرڈیم چوری کی وجہ سے اتنا بدنام ہو گیا کہ یہاں آنے والے

ٹورسٹوں کی تعداد ایک چوتھائی رہ گئی پولیس کو چوری کا ہر کیس کوئی دو لاکھ یورو میں پڑتا ہے اسلیے وہ اس سے جان چھڑانے میں لگے رہتے ہیں یہ مہنگے نظام کی برکت ہے۔

میری اتنی لمبی کہانی بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کچھ چیزیں تصور کی دنیا میں بڑی خوبصورت اور کامیاب لگتی ہیں مگر حقیقت کی دنیا میں اکثر وہ بری طرح ناکام ہو جایا کرتی ہیں اسمیں سوچنے کی بات یہ ہے کہ آپ اپنے معاشرے اور قانون کی بنیاد مستقل اخلاقیات پر رکھیں کہ۔

جو شاخِ نازک پر آشیانہ بنے گا سو ناپائیدار ہوگا (اقبال)

مثلِ مشہور ہے کہ اگر بادشاہ باغ کا ایک سیب توڑ لیتا ہے تو اسکی فوج باغ کو ویران کر دیتی ہے۔

کنفیوشش نے ایک بڑی دلچسپ اور ایک بڑی حد تک صحیح مثال دی تھی کہ اگر کسی ملک میں عادل بادشاہ ہو تو وہاں جرم کم ہوتے ہیں۔ اور اگر دوسری نسل میں بھی عادل بادشاہ ہو تو جرم بہت ہی کم رہ جاتے ہیں۔ اور اگر تین نسلوں تک بادشاہ عادل رہے تو اس ملک سے جرم ہی ختم ہو جاتے ہیں۔

اگر آپ یہاں کھڑے ہو کر سوچیں تو ہمارے ملک میں حساب اس سے کچھ الٹا ہی رہا ہے اور ہمارے ملک میں پچاس برس (کوئی تین نسل) غیر عادل بادشاہ ہی رہے ہیں۔ اسی وجہ سے ہر طرح کی خرابیاں ہمارے سسٹم اور معاشرے میں اوپر سے نیچے تک گھس گئی ہیں بلکہ ہم میں ہر قسم کی خرابیوں اور معاشرتی برائیوں کی سب سے بڑی وجہ (بلکہ بڑی حد تک واحد وجہ) یہی ہے۔

دراصل نچلے لوگ وہی کرتے ہیں جو انکے بڑے یا حکمران کرتے ہیں اگر بڑے کرپٹ یا چور ہوں تو انکے مصاحب چور اچکے اور ڈاکو ہی ہونگے۔ اور پھر نیچے تک پورا چین ہی غلط لوگوں کا ہوگا۔

کسی بھی ایسے نئے تجربے کا نتیجہ تیس چالیس برس میں ہی نکلا کرتا ہے اور پھر اسکے بعد دوبارہ نیا نظام ٹرائی کرنا پڑتا ہے۔ اور ناکام ہونے کی صورت میں قومیں بہت پیچھے رہ جایا کرتی

ہیں کیمونسٹ روس اسکی زندہ مثال ہے اس نظام کو مکمل فیل ہونے میں کوئی ستر سال لگے 1990 ء میں سوویت یونین ٹوٹ گئی اوراب سولہ برس گزرنے کے بعد ایک معدنی اوردوسرے وسائل سے بھرپور ملک ہونے کے باوجودکوئی نئی راہ اختیارنہیں کرسکا ہے۔

ملک میں انصاف مہنگااور پیچیدہ ہوجائے توپھر لاقانونیت کیلئے وسیع میدان کھل جاتاہے۔

کسی بھی ملک کا قانون ہواگر اسکی بنیاد ہی غلط اصولوں پر ہے تووہ اس میں پھنستے ہی چلے جاتے ہیں۔بنیادیں لازمی طور پر صحیح ہونی چاہئیں۔

پاکستان ابھی سودی نظام سے چھٹکارانہیں پاسکتا۔کہ ہم معاشی طور پراس قابل نہیں ہیں ہماراسارانظام ہی باہر کے بینکوں کے پیسوں پر چل رہاہے۔مگرہمیں اپنے پاؤں پرکھڑے ہونے تک اس نظام کومجبوراً برداشت کرناپڑے گا۔

مجبوری میں یامرتے وقت حرام چیز بھی حلال ہوجاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

اُم الکتاب

یہاں میں اللہ کی آخری اور مکمل کتاب قرآن پاک کا تھوڑ ساذکر کرناچاہتاہوں۔جوکہ دنیا کی واحد صحیح کتاب ہے۔

''اس کتاب میں کچھ شک نہیں یہ راہ دکھاتی ہے ڈرنے والوں کو،جوکہ یقین کرتے ہیں بے دیکھی چیزوں کااور قائم کرتے ہیں نمازکو۔اور جوہم نے ان کوروزی دی اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔وہ لوگ جوایمان لائے اس پرکہ جوکچھ نازل ہواتیری طرف اوراس پرکہ جوکچھ نازل ہواتجھ سے پہلے اور آخرت کووہ یقینی جانتے ہیں۔وہی لوگ ہیں ہدایت پراپنے پروردگار کی طرف سے اوروہی ہیں مرادکوپہنچنے والے۔''(البقرہ5)

خودمغرب والے اس پر بڑی تحقیق کررہے ہیں وہ اس میں سے کوئی ایک غلطی بھی نہیں نکال پائے۔

قرآن پاک نہ صرف ہدایت اورنصیحت کی مکمل کتاب ہے۔جس پرعمل کرنے سے آخرت میں یقینی کامیابی ہے بلکہ دنیامیں بھی ہے۔

اسے پڑھنے سے انسان کی اندرونی روحانی اور ذہنی طاقتیں بیدار ہوکر انسان کواللہ کے نائب کی اصل حیثیت میں لے جاتی ہیں بلکہ اسکے پڑھنے سے اس سرزمین پر برکت آجاتی ہے۔جہاں پراس کی قرات کی جارہی ہے اسے لگاتار پڑھنے یا تلاوت کرنے والاساتھ اگرمثبت سوچ کامالک بھی ہوتودنیامیں ہرکام میں کامیابی حاصل کرتاہے۔ہمارے اکثرعلماء آج تک اس بات کوسمجھ نہیں پائے۔اسکاوردکرنے اورہدایات پرعمل کرنے سے انسان اس دنیا میں بھی پورے طور پرکامیاب ہوجاتاہے۔اورکرامات تواسکے کاموں میں معمولی کام رہ جاتا ہے۔

قرآن پاک میں ہے۔''آج میں نے مکمل کردیا تمہارے لیے تمہارادین اورپوری کردیں تم پراپنی نعمت اورمیں نے پسند کرلیاتمہارے لیے اسلام کوبطوردین۔''(المائدہ3)

"جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔" (الملک 2) کہ یہ دنیا امتحان گاہ ہے اس میں ذرا برابر اچھا کام جو کرو گے اسکی جزا ضرور ملے گی۔ اور ذرا برابر برا جو کام کرو گے اس کی سزا ضرور ملے گی۔ اللہ کے اس اصول کو توڑنا ناممکن ہے۔

میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں (الذاریات 56) (عبادت کی تشریح یہ ہے کہ اسلام کے پانچوں ارکان پر عمل کرتے ہوئے ان پر عمل کرنا اور زندگی کے ہر کام جیسے کھانا پینا، روزی کمانا، خاندانی ومعاشرتی زندگی وغیرہ اللہ کے قانون کے اندر رہتے ہوئے کرنا عبادت کے اندر شامل ہے)۔

اسلام کا ایک بڑا مقصد (کوئی اسی فیصد) ایک ایسے معاشرے کا قیام ہے جس میں ہر ایک کی جان ومال محفوظ رہے اس کی عزت وآبرو کو کوئی خطرہ نہ ہو اور اسکی بنیادی ضروریات پوری ہوتی رہیں اور بقایا بیس فیصد کا مقصد انسان کی جسمانی اور روحانی ترقی سے ہے۔ جس میں فرض عبادتیں، وردو اذکار اور نوافل بھرپور کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کو کرنے سے انسان کامل کی طرف (اللہ کے نائب) کی طرف گامزن ہو جاتا ہے اور اس ترقی کا فائدہ اسکے معاشرے پر بھی پڑتا ہے۔

اس کے بعد سورۃ العصر کا ذکر کرنا ہے۔ جو قرآن پاک کی مختصر ترین سورتوں میں سے ہے۔ اسکے بارے میں امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر قرآن میں ایک یہی سورت نازل کر دی جاتی تو سمجھدار بندوں کی ہدایت کے لیے کافی تھی۔ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"قسم ہے عصر کی انسان گھاٹے میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور کیئے بھلے کام، اور آپس میں تاکید کرتے رہے سچے دین (حق) کی اور آپس میں تاکید کرتے رہے صبر کی" (العصر)۔

اللہ تعالیٰ اس میں واضح اعلان کر رہا ہے کہ جو بھی شخص یا جماعت کامیاب ہونا چاہتی ہے وہ ان چار باتوں پر عمل کیئے بغیر کامیاب ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ باتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ ایمان لائے

2۔ نیک کام کرے

3۔ سچے دین کی تاکید کرے

4۔ صبر کی تاکید کرے۔

1۔ ایمان لائے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اسلام کے پانچوں ارکان توحید، نماز، روزہ، زکوۃ، حج کو مانے، یوم الآخرت (قیامت) کو مانے۔ کہ ایمان (یقین) کے بغیر طاقت ہی نہیں پکڑ سکتا ایمان یقین کا ہی سب سے اونچا درجہ ہے یہ بغیر دیکھے کا یقین (Faith on unseen) ہوتا ہے۔ جو کہ دلیل کا محتاج نہیں ہوتا۔ آجکل مشرق ومغرب کے سبھی ماہر روحانیت یہی کہہ رہے ہیں۔ کہ اصل یقین وہی ہوتا ہے جس کو انسان دلیل اور عقل کے ساتھ محدود نہ کرے۔

آج یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارا لاشعور (جو تمام مخفی، ذہنی اور روحانی صلاحیتوں کا منبع ہے) یقین کے اصول پر کام کرتا ہے کہ جو کچھ یہ مان لیتا ہے وہی کچھ تخلیق کرنے لگ پڑتا ہے۔

دنیا میں ہر طرف سے شک وشبہ اور ڈروخوف انسان کو واپس کھینچتا ہے اور اللہ پر ایمان اور اس پر بھروسے (تقوی) کی موجودگی میں یہ سب ڈروخوف اور شک وشبہ ختم ہو جاتا ہے عربی میں تو ایمان کے معنی ہی زوال شک کے ہوتے ہیں۔

بائبل میں لکھا گیا ہے، کہ یقین پہاڑوں کو بھی ٹال سکتا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ کچھ کام بھی یقین (Faith) رکھنے والے آدمی کے لئے ناممکن نہیں اور ایمان لانے کا مطلب صرف زبان سے **لاالہ الااللہ** کہنا ہی نہیں ہے بلکہ اس پر دل سے یقین کرنا ہے۔ اور اللہ کی کتاب پر ساری زندگی عمل کرنا ہے۔

2۔ نیک کام کرنا قرآن پاک سورۃ بقرہ میں نیکی کی جو تشریح کی گئی ہے وہ پچھلے باب مسلمان اور موجودہ دور میں لکھی جا چکی ہے۔ "نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق ومغرب کو قبلہ سمجھ کر اس کی طرف منہ کر لو۔ بلکہ نیکی یہ ہے کہ خدا پر اور فرشتوں پر اور خدا کی کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتے داروں اور یتیموں محتاجوں، مسافروں، اور

مانگنے والوں کو اور قرض داروں کی گردن چھڑانے کیلئے دیں اور قائم رکھیں نماز کو اور یاد کریں زکوۃ اور پورا کرے اپنے اقرار کو جب وعدہ کرے۔ اور سختی تکلیف اور لڑائی کے وقت صبر (ثابت قدم رہنا) کرے یہی لوگ ہیں سچے اور یہی ہیں پرہیزگار" (سورۃ البقرہ 177)۔

ان سب پر عمل کرنے سے آپس میں پیار محبت اور تعلق مضبوط ہو جاتا ہے۔ معاشرے میں ضرورت مندوں اور کمزوروں کی ہر طرف سے مدد ہو جاتی ہے۔ جرم بہت کم ہو جاتے ہیں اور نماز سے انسان کی زندگی پر برکت آجاتی ہے۔

نیکی اور صحیح راستے کے بغیر انسان خوش اور مطمئن رہ ہی نہیں سکتا۔

3۔ سچے دین کی تلقین کرنا۔ یعنی دوسروں کی اس کی سچائی کے راستے پر لگانا ہمارا فرض ہے۔ ہمیں اپنا کچھ نہ کچھ وقت اس تبلیغ کو دینا چاہیے۔ غلط بنیادوں پر معاشرے کی عمارت کھڑی کرنا ٹیڑھی بنیاد پر عمارت تعمیر کرنے کے برابر ہے۔ جتنی بھی اونچی شاندار یہ عمارت ہوگی اتنا ہی زیادہ خطرہ اس کے گرنے کا رہے گا۔

کسی کا حق نہ مارنا اور دشمنوں تک سے انصاف کرنا اسلام کے حکم میں شامل ہے ایک دوسرے کو صحیح باتوں پر جو تمام کے تمام دین میں شامل ہیں کا سمجھنا صحیح معاشرے کی تشکیل کیلئے اشد ضرورت ہے۔

4۔ صبر کی تلقین کرے۔ یعنی حق اور سچائی کے راستے اور شخصی اور قومی اصلاح میں جو بھی مشکلات آئیں انہیں ثابت قدمی سے جھیلے اور اس کے قدم نہ ڈگمگائیں۔ اور ہر قسم کے حالات میں انسان ریلکس ہی رہے۔

صبر کے بہت سے پہلو ہیں کوئی بھی انسان صبر کے بغیر کامیابی نہیں پا سکتا صبر رکھنے والا کبھی مایوس نہیں ہوا کرتا اور خود صبر کر کے دوسرے ساتھیوں کو بھی صبر کی تلقین کرے۔ تاکہ تمہاری جماعت مضبوط رہے میرے خیال میں انسان کے بدقسمت ہونے کی سب سے بڑی وجہ صبر کا نہ ہونا ہے کہ ہم اپنے مطلب کی چیزوں کو وقت سے پہلے چاہ رہے ہوتے ہیں۔ وقت آنے پر آپ کی مطلوبہ چیزیں آپکے پاس موجود ہونگی۔ خدا سے دعا کریں کہ آپ کو کسی ایسی چیز کی خواہش ہی نہ ہو جس کو حاصل کرنے کیلئے آپ بھی قابل نہ ہوں صبر کا اصل مطلب کبھی

مایوس نہ ہونا مشکلات سے نہ دبنا۔ کبھی بھی ناقابل حل نہ سمجھنا اور ہر کام میں اللہ کی طرف سے بہتری سمجھنا ہے۔ مشکلات تو آپ کو جگاتی اور مضبوط کرتی ہیں اور مستقبل کی بڑی مشکلات سے بچالیتی ہیں۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

ویسے بھی اندھیرا نہ ہو تو روشنی کی قدر کون کرے۔ بیماری نہ ہو تو صحت، غم نہ ہو تو خوشی، اور مشکل نہ ہو تو آسانی کی قدر کوئی بھی سمجھ نہ پائے۔ بس اللہ سے مانگیں کہ وہ آپکو آپکی ہمت سے بڑی مشکل میں نہ ڈالے۔

اوپر بیان کردہ چار صفات کے بغیر انسان خوش قسمت نہیں بن سکتا لوگوں اور معاشرے میں ان چاروں صفات کے نہ ہونے کی صورت میں کوئی بھی صحیح معاشرہ تشکیل نہیں پا سکتا۔ بلکہ اس سرزمین میں خیروبرکت بھی نہیں رہ سکتی کہ وہاں انصاف ہی نہیں ہوا کرتا آپس میں ایک دوسرے پر اعتبار ہی نہیں بیٹھتا۔ انسان اور معاشرے کو طاقت اکٹھا ہو کر ہی ملتی ہے۔ (جب کہ آجکل مغربی ترقی یافتہ ممالک انسان گے اسی تعلق کو ختم کر کے اپنے کلچر اور برکت کی قبر کھود رہے ہیں) ایمان جو یقین کا سب سے اونچا درجہ ہے اس کے بغیر انسان ریلکس اور مضبوط نہیں ہوسکتا۔ اور یہ چیزیں زندگی میں کامیابی اور بڑے کام کرنے کیلئے بے حد ضروری ہیں۔ "مضبوط عزم اور آہنی ارادہ بغیر یقین اور اطمینان کے کبھی بھی پیدا نہیں ہوسکتے"

کسی بھی بڑے کام کو کرنے کیلئے مضبوط عزم و ارادہ اور اپنے مقصد کی صداقت پر یقین ہو تو دنیا کا ہر کام ممکن ہو جاتا ہے۔ کسی بھی بڑے کام کرنے کیلئے جو مستقل مزاجی چاہیے وہ صحیح راستے کے بغیر نہیں مل سکتی صرف کبھی بھی حالات کو دیکھ کر ان سے نہ دبیں اور اپنے مشن کو پورا کرنے کے لئے صرف اپنے ذہن میں موجودہ دلیلوں اور راستوں پر ہی انحصار نہ رکھیں گو ظاہری اسباب پورے رکھیں مگر صرف یہ یقین رکھیں کہ آپ کا کام یا مشن ضرور پورا ہوگا۔ اللہ اس کے راستے میں حائل کسی بھی مشکل کے حل کے سینکڑوں نئے راستے اور سبب بنا سکتا ہے ورنہ آپ اپنے یقین کو دلیل (Logic) کے ساتھ بہت محدود کر رہے ہیں۔

دنیا میں سیدھے راستے کی اہمیت اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو وہ برے کاموں سے توبہ ہی کر لیں اس بات کے ثبوت کے لئے ایک ہی مثال دیتا ہوں۔

ہم میں سے اکثریت یہ مانتی ہے کہ غلط اور ناجائز راستوں کی کمائی (ڈرگز اور رشوت وغیرہ) اسی فیصد لوگوں کے ہاتھوں سے نکل کر ضائع ہو جاتی ہے۔

مگر اکثر لوگ یہ بھی کہتے ہیں۔کہ کچھ لوگوں کے پاس ایسا پیسہ بچ جاتا ہے۔خصوصاً اگر وہ ہوشیاری سے کام لیں۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ جو حرام کا پیسہ یا کمائی اپنے پاس رکھ بھی پائیں تو بے برکتی اور بے سکونی ان کا پیچھا کبھی نہیں چھوڑتی ان کی اولاد بے کار ہو جاتی ہے اور غلط راستوں پر چل پڑتی ہے ایسے لوگوں کے گھر سے بیماری اور خصوصاً بے سکونی کبھی بھی نہیں ختم ہوا کرتی۔آپ نہیں معاشرے میں بظاہر باعزت اور خوش دیکھ رہے ہوتے ہیں مگر آپ ان کے قدموں میں کھڑے ہو کر ان کی مشکلات نہیں دیکھ سکتے گو بیماریاں اور بے سکونی عام لوگوں کی زندگی میں بھی آسکتی ہیں اور آتی ہیں اور کچھ عرصے کے بعد چلی جاتی ہیں کم از کم انہیں صبر تو رہتا ہے مگر غلط راستوں پر چلنے والے اور غلط کمائی رکھنے والے کے پاس یہ مشکلات اور بے سکونیاں دس گنا بڑی اور لمبی ہو کر آتی ہیں غلط کمائی دوسروں کا حق کھانے اور لوگوں کا خون پینے والے کبھی بھی اندرونی سکون نہیں پا سکتے اور بغیر اندرونی سکون کے خوشی ایک سراب کیطرح بلکہ انہیں خوشی بھی شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔اور اندرونی خوشی ایسے لوگوں کو مل ہی نہیں سکتی ان کا ضمیر کسی نہ کسی صورت میں ان کو ملامت کر رہا ہوتا ہے وہ اپنے ضمیر سے مستقل سوال و جواب اور جنگ میں لگے رہتے ہیں غلط کمائی اور راستوں میں ہونے کے باوجود اگر آپ دنیا میں بظاہر باعزت ہیں پھر بھی اندرونی سکون اور خوشی سے محروم ہیں تو آپ زندگی میں کامیاب نہیں ہیں آپ ناکام ہیں۔

آپ وقتی خوشی اور اپنے کمپلیکسز کی تسلی کے لئے ایک خوشی سے دوسری خوشی کی تلاش میں بھاگتے پھر رہے ہیں۔مگر آپ ناکام ہیں اور ناکام ہی رہیں گے۔صرف خوش رہنے والا شخص ہی اس دنیا میں کامیاب کہلا سکتا ہے اس میں برکت ہوگی اور یہ چیز صرف سیدھے راستے پر ہی ممکن ہیں ٹیڑھی بنیاد کے بارے میں ہی علامہ اقبال نے کہا ہے۔

"کہ جو شاخ نازک پر آشیانہ بنے گا سو ناپائیدار ہوگا"

ٹیڑھی بنیادوں پر کھڑی عمارت ایک دن ضرور گرتی ہے اپنی شخصیت اور زندگی کی عمارت صحیح بنیادوں پر (نیکی، سچائی اور بھلائی کے راستے پر) کھڑی کریں۔

اگر ہم لوگ ان چند فیصد لوگوں کے پاس اس حرام اور غلط کمائی کے باقی رہنے کی صورت میں ان کی مشکلات اور بے سکونیوں کو صحیح طریقے سے دیکھ اور سمجھ سکیں تو پھر میرا دعویٰ ہے کہ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا انسان رہ جائے۔۔جو کہ غلط راستے یا غلط کمائی سے توبہ نہ کر لے جیسا بقول سقراط علم ہی نیکی ہے اور برے لوگ جہالت کی وجہ سے ہی گناہ کرتے ہیں۔

آپ بھی اس وقت کھڑے ہو کر یہ دیکھیں کہ آپ نے اپنی زندگی کی عمارت کن بنیادوں پر کھڑی کی ہوئی ہے پھر یہی بات اپنے تعلق رکھنے والوں اور پیاروں کو سمجھائیں کہ یہی نیکی ہے یہی جہاد ہے۔

☆☆☆☆☆

حدیث پاک اور استخارہ

حدیث پاک کی اہمیت کے بارے میں عالم دین یہ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک احکام اور فرائض بتاتا ہے۔ان پر عمل کرنے کا طریقہ سنت اور حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے۔

بہت سے حدیث پاک کے صحیح ،مشتبہ یا ضعیف ہونے میں اسلام کے مختلف فرقوں کی اپنی رائے ہے اس میں صحابہ بھی شامل ہیں۔خود میری رائے جو بہت سے مطالعے اور تحقیق کے بعد یہ بنی ہے کہ قرآن پاک ہمیں ہر اہم معاملے میں مکمل رہنمائی دیتا ہے اور دوسرے سب معاملات میں وہ اصول بتاتا ہے۔جس کی بنیاد پر ہم خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ کون سی راہ اختیار کرنا صحیح ہے اور کون سی غلط۔مثلاً ٹی وی اچھے اور برے دونوں کاموں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے محض تفریح کیلئے اس کا استعمال کرنا منع نہیں ہے مگر اس میں اگر کوئی ہر وقت گھسا رہے اور دوسرے ضروریات زندگی کے اہم کام اور فرائض کیلئے انسان وقت ہی نہ دے تو پھر اسکا استعمال منع ہے۔تعلیم و تحقیق کے لئے اسکا استعمال ضروری ہے اور اس میں زبردست مددگار ثابت ہوتا ہے اس طرح اس کا استعمال انسانیت کے لئے فائدہ مند اور نیکی میں آتا ہے فحاشی کیلئے اس کو استعمال کرنا حرام ہے۔

میری رائے میں ہمیں خود قرآن پاک سے ہی زیادہ سے زیادہ سبق یا رہنمائی حاصل کرنی چاہیے گو اس کے لئے صحیح طریقہ یہ ہے قرآن کی تشریح بھی قرآن میں بیان کردہ اصولوں پر ہی کی جائے۔

اس کتاب میں صرف ایک ہی حدیث پاک کا حوالہ دینا چاہتا ہوں اور یہ حدیث پاک کسی بھی عقیدے سے ٹکرا نہیں رہی اور نہ ہی کسی کی فضیلت کی ہے اسی وجہ سے اسکا ذکر کر رہا ہوں آپ ﷺ فرماتے ہیں۔

"جو مشاورت کرتا ہے وہ شرمندہ نہیں ہوتا جو استخارہ کرے ناکام نہیں ہوتا اور جو صبر کرے وہ کبھی مایوس نہیں ہوتا"

یہ تینوں باتیں بہت ہی حکمت اور دانائی کی ہیں۔

اس میں سے مشاورت اور صبر کے بارے میں سب لوگ جانتے ہیں البتہ استخارے کے بارے میں کم لوگوں کو معلوم ہے استخارہ کیلئے آپ کسی بھی مذہبی یا روحانی کتاب کو کھول کر صفحہ نکالیں جو بھی صفحہ نکلے اس سے ساتویں صفے کی ساتویں سطر آپ کے سوال کا جواب ہوگی۔

کتاب کھولنے سے پہلے تین بار آیت الکرسی پڑھ لیں۔

مگر استخارے کا مستند طریقہ اس طرح ہے کہ آپ عشاء کے بعد دو نفل نماز بہ نیت استخارہ پڑھیں۔ان کے بعد دعا مانگ کر باوضو سو جائیں خواب میں جو بھی نظر آئے گا۔وہی آپکے سوال کا جواب ہوگی۔

اگر اس میں آپ کو کوئی غلط چیز آئے تو چاہے آپ کا مطلوبہ مسئلہ بظاہر کتنا ہی فائدہ مند کیوں نہ نظر آرہا ہو اسے کرنے سے اجتناب کرے۔اور اگر کوئی بظاہر معمولی یا بہت کم فائدے والا کام بھی استخارہ کرنے پر صحیح نکلے تو اسے کرنا مناسب ہوگا۔اسے پورے فیتھ کے ساتھ کریں۔

ایک بار استخارہ کرلینے کے بعد دوسری بار پھر اسی چیز کا استخارہ کرنا منع ہے۔

میں چند انتہائی کامیاب لوگوں کو جانتا ہوں جو اپنا ہر اہم کام اسی استخارے کی مدد سے کرتے ہیں۔اور اس میں کبھی ناکام نہیں ہوئے علم و نجوم یا رمل و جفر وغیرہ کی مدد سے کیئے ہوئے حساب اکثر غلط ثابت ہوتے ہیں اعتقاد ہو تو استخارہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔

استخارے میں اگر آپکو لڑائی جھگڑا ،مشکل ،فساد ،اندھیرا یا کتا وغیرہ نظر آتا ہے یا آپ خود کو کوئی مشکل کام کرتا یا سخت کام کرتا یا سخت زمین کھودتا دیکھتے ہیں تو اپنے سوال کا جواب نفی میں سمجھیں۔

اسطرح کوئی اچھی خوبصورت یا مبارک شے ،پھول ،دودھ ،روشنی ،صاف پانی ،گھوڑا یا ہرن وغیرہ دیکھتے ہیں تو وہ کام کرنا مبارک ہوگا اگر آپ کو پہلی رات جواب نہ ملے تو دوسری رات کوشش کریں ورنہ تیسری رات آپکو ضرور جواب مل جائیگا۔

استخارہ کا یہی صحیح اور مستند ترین طریقہ ہے۔

(آپ کو اگر استخارکا مطلب سمجھ نہ آئے تو کسی بھی اچھے خواب نامے میں بہتر ہے کہ آپ خود ہی مطلب تلاش کریں۔یا کسی تجربے کار سے مطلب پوچھ لیں)۔

ایک اہم اور قابل توجہ مسئلہ

کتاب کے آخر میں ایک قوم کے طور پر ہم پاکستان کے کردار کی طرف ایک توجہ دلا کر یہ کتاب ختم کرتا ہوں۔

اسلام میں کوئی ذات پات نہیں ہے، کوئی چوہدری نہیں ہے، کوئی کمی کمین نہیں ہے۔ قبیلے اور خاندان صرف شناخت کا سبب ہوا کرتے ہیں اسلام میں بڑائی کا معیار تقویٰ ہے، رنگ و نسل یا خاندان نہیں قرآن پاک میں لکھا ہے ''لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ اور خدا کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے۔ جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ بیشک خدا سب کچھ جاننے والا اور سب سے خبردار ہے۔ (سورۃ الحجرات 13)۔

اسی طرح ہم لوگوں میں کچھ غلط تصورات پائے جاتے ہیں جیسے سب چوہدری خراب ہوا کرتے ہیں یا سب شیخ کنجوس ہوا کرتے ہیں یا فلاں قوم بزدل ہوا کرتی ہے ایسے ہم سوچے سمجھے بغیر دہراتے ہیں جو کہ اصولی طور پر غلط اور ناپختہ بات ہے۔

ماضی میں ہمارے ملک میں کچھ اقلیتوں سے برا سلوک کیا جاتا رہا انہیں دبایا جاتا رہا یہ ملک اور معاشرے کے لئے بہت غلط اور نقصان دہ چیز ہے کیا ایسی اقلیت والے اس ملک میں صحیح معنوں میں ہمدرد خیرخواہ اور اس کیلئے قربانی دینے والے بن سکتے ہیں جو یہ دیکھ رہے ہوں گے کہ ان کے بہن بھائی ماں باپ اور بچوں کے ساتھ اقلیت یا دوسرا فرقہ ہونے کی وجہ سے ظلم کیا تعصب برتا یا گھٹیا سمجھا جاتا ہے یہ سب چیزیں ہمارے اتحاد اور ترقی کی بہت بڑی دشمن ہیں۔

ایک جرمن فلاسفر دوسری جنگ عظیم سے پہلے جرمن کے نازی دور کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔ ''پہلے نازی کیمونسٹوں کو ختم کرنے میں لگ پڑے میں خاموش رہا کہ میں کیمونسٹ نہیں تھا۔ پھر وہ یونینسٹوں کے پیچھے پڑھ گئے میں خاموش رہا کہ میں یونینسٹ نہیں تھا پھر وہ یہودی کی طرف گھوم پڑے میں خاموش رہا کہ میں یہودی نہیں تھا پھر وہ جپسیوں (خانہ بدوشوں) کے پیچھے پڑ گئے میں خاموش رہا میں جپسی نہیں تھا پھر وہ مجھ پر پل پڑے تو اس وقت

کوئی بولنے والا نہیں تھا۔

میرے ہم وطنو! کسی دوسرے کو رنگ نسل یا زبان کی بنیاد پر گھٹیا سمجھنا یا تعصب برتنا اسلام اور انسانیت کا حصہ نہیں ہے یاد رکھیے دشمن ہمیں سنی شیعہ نہیں بلکہ مسلمان کے طور پر دیکھتا ہے اور وہ ہمیں پنجابی بلوچی یا پٹھان نہیں بلکہ پاکستانی کے طور پر ایک ہی آنکھ سے دیکھ رہا ہے۔ اپنی جہالت کو اپنا دشمن مت بنائیں۔ یہی ہماری سب سے بڑی دشمن ہے۔

رنگ نسل کا تعصب ہمیں ہنود سے وراثت میں ملا ہے اور فرقہ وارانہ دہشت گردی اور تعصب افغان اور روس جنگ کے نتیجے میں ملا ہے اور اس کے بڑھنے کی سب سے بڑی وجہ غربت ہے اور انصاف کا نہ ہونا ایسی وجوہات خصوصاً رنگ ونسل کے تعصب کی وجہ سے ہم مشرقی پاکستان کھو چکے ہیں اور اس سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیے تھا مگر شائد ابھی ہم نے نہیں سیکھا ہے۔

ایٹم بم کی موجودگی میں 1971ء کی طرح مشرقی پاکستان میں بیرونی مداخلت تو ممکن نہیں رہی مگر پھر بھی ہمیں انصاف سے کام لینا ہوگا اور آپس میں تحمل و برداشت سیکھنی ہوگی۔ یہ سب کچھ کیا ہے؟ خود میں ہر چیز کا روشن پہلو دیکھنے کا عادی ہوں آدھا خالی نہیں آدھا بھرا ہوا گلاس دیکھتا ہوں۔

یہاں پر روشن پہلو یہ ہے کہ قومیں ان چیزوں سے گزر کر اور انہیں سمجھ کر ہی پختہ ہوا کرتی ہیں، غالباً پاکستان قوم نے ہی مستقبل میں اسلام کی قیادت سنبھالنی ہے۔ یہ سب اسی تیاری کا حصہ ہے۔ کہ ہم رنگ ونسل، زبان ونسل، کے تعصب سے گزر کر اسے سمجھ سکیں اور کل جب ملت اسلامیہ اکٹھی ہونے لگی تو پھر یہ مسئلہ نئے سرے سے کھڑا نہ ہو جائے۔ گویہ ایک بہت لمبا، کٹھن اور صبر آزما سفر ہوگا۔ ہمت، یقین اور مستقل مزاجی، عزم و حوصلہ، جذبہ برداشت اور محنت ہی اس میں ہماری رہنمائی ہوگی اہم بات یہ ہے کہ ہم ان واقعات کو یاد رکھیں اور ان سے سبق سیکھیں۔

اگر یورپ بے شمار اختلافات کے باوجود متحدہ (EEC) ہوسکتا ہے تو ہم اللہ کی کتاب کے ماننے والے کیوں اکھٹے نہیں ہوسکتے۔ ایک شاعر کی نظم ملاحظہ کیجئے۔

میری نظر میں تو ان رفیقوں کے قافلے ہیں

جو گھر سے نکلے تھے سر اٹھائے
قدم جمائے ہو منتظر تھے
کہ رزم گاہ سے طلب بلائے
جو آزمائش کی ہر گھڑی میں
یقین کی محفلیں جلائے
وطن کی ناموس کے لئے
بے شمار بازو علم اٹھائے
چلے تھے اک دن یہ عہد کر کے
کہ اپنی جاں رہے کے جائے
وفا پر مگر نہ حرف آئے

شاید آج خدا اجھاڑ پھوس جلا کر کھیت صاف کر رہا ہے۔ تا کہ صحیح اور صحت مند فصل ہو سکے اور ہم لوگ دنیائے اسلام کو اکھٹا ہونے کی رکاوٹ کا پہلا سبق یہاں عملی طور پر سیکھ رہے ہیں۔

اللہ کرے میرا یہ گمان صحیح ثابت ہو۔اور اللہ کرے ہماری زمین پر بھی جلد ہی انصاف اور خیر و برکت آئے۔(آمین)

ہماری قوم کے مستقبل کے بارے میں پاکستانیوں کی زیادہ تعداد کا پر امید(Optimistic) رہنا(خصوصاً ہمارے سیاسی رہنماؤں کا)ہی ہماری قوم کو ترقی کی طرف لے جاسکتا ہے۔

ہمیشہ پرامید رہیں۔ مایوسی جہالت ہی نہیں کفر بھی ہے۔

صاحبان اگر ہنستے کھیلتے جنت مل سکتی ہے تو روتے دھوتے جنت کی تیاری کرنا خود سے ظلم نہیں تو پھر آپ اسے کیا کہیں گے؟

آپ کو خود کو ناخوش رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے اسلئے خوش رہا کریں کہ یہی مادی، جسمانی، ذہنی اور روحانی خوشیوں کا راستہ ہے۔

(اللہ حافظ)